گھر کے ہر فرد کے لیے
ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی
فروری 2024
www.pklibrary.com
50
Golden
Jubilee
قیمت 150 روپے
بانی

اداریہ

سلسلے وار ناول

ناولٹ

منی ناول

بارہ مہینے بارہ کہانیاں

افسانے

خصوصی مضامین

مستقل عنوانات

قارئینِ کرام......السلام علیکم!

فروری **2024**، کا ماہنامہ پاکیزہ آپ کی بصارتوں کی نذر ہے۔ یہ اگرچہ موسم بہار کی آمد کی نوید سناتا ماہ ہے مگر جب خوب صورت بہاروں سے آراستہ وجود اس فانی دنیا سے رخصت ہو جائیں تو پھر بس ان کی یادیں ہی بہار بن جاتی ہیں اور خوب صورت یادیں یقیناً حسین سرمایہ ہوتی ہیں۔

بانی ادارہ جناب معراج رسول اس ماہ کی بائیس تاریخ کو ملکِ عدم سدھارے، بلاشبہ ایک شخص کا جانا بھی اس کے متعلقین کے لیے صدمۂ جانکاہ ہوتا ہے اور جو شخص اپنی ذات میں انجمن ہو، ایک مکمل ادارہ ہو، آنے والی نسلوں کو تعمیری، ادبی، اصلاحی پیغام دینے والا ہو تو اس کے لواحقین محدود نہیں ہوتے۔

معراج صاحب کی ادبی کاوشوں سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، ان کی کامیاب انتظامی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز ہے۔ اللہ پاک معراج صاحب کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند ہوں۔ (الٰہی آمین)

☆ وطن عزیز کے لیے یہ ماہ اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ آئندہ پانچ سالوں کے لیے ایک جمہوری حکومت کے قیام کے لیے انتخابات ہونے جا رہے ہیں۔ جب تک دور دراز علاقوں میں پرچہ آپ کے ہاتھوں میں آئے گا تو یہ مرحلہ ان شاء اللہ طے پا چکا ہوگا۔

اپنے رب کے حضور یہی دعا ہے کہ جو بھی نمائندگان منتخب ہوں اور جو بھی اقتدار میں آئے۔ وہ ملکِ پاک کی ترقی، خوشحالی و نیک نامی کا باعث بنے اور بیچارے عوام کو کم از کم بنیادی سہولیات اور ضروریاتِ زندگی بہ آسانی میسر آ سکیں۔ (آمین)

میں دیکھوں ارضِ حسیں کو قدم قدم خوشحال
میں دیکھوں پاک زمیں کو نظر نظر آباد
الٰہی پرچمِ ملی فلک فلک چمکے
رہے یہ کشورِ قائد، سدا سدا آزاد

مدیرہ

نزہت اصغر

کیا انہوں نے ان چیزوں پر غور نہیں کیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، کہ ان کے سائے دائیں اور بائیں اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے رہتے ہیں۔ اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔ (۴۸) اور جو کوئی چلنے والے آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور سب فرشتے (بھی)۔ اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ (۴۹) وہ اپنے پروردگار سے جو اُن سے برتر ہے ڈرتے ہیں۔ اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ (۵۰) اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ دو معبود اختیار نہ کرو۔ سوائے اس کے نہیں کہ وہ یکتا معبود ہے۔ پس تم مجھ سے ہی ڈرتے رہو۔ (۵۱) اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور خالص اسی کی عبادت لازم ہے۔ (تو) کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ڈرو گے۔ (۵۲) اور نعمت میں سے جو بھی تمہارے پاس ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تم اسی کی طرف فریاد لے جاتے ہو۔ (۵۳) پھر جب تم سے وہ تکلیف کو ہٹا دیتا ہے، تو اسی وقت تم میں سے ایک گروہ اپنے پروردگار کے ساتھ شریک قرار دینے لگتا ہے۔ (۵۴) تاکہ جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس کی ناشکری کریں۔ پس (چند روزہ دنیاوی) فائدہ اٹھالو، پھر عنقریب تم جان لوگے (۵۵) اور جو رزق ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے یہ ان (معبودوں) کا حصہ بھی قرار دے دیتے ہیں۔ جن (کی حقیقت) کو یہ نہیں جانتے۔ خدا کی قسم جو کچھ افترا تم کرتے ہو اس کے بارے میں ضرور تم سے پوچھا جائے گا۔ (۵۶) اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے لڑکیاں قرار دیتے ہیں وہ تو اس سے پاک ہے اور اپنے لیے جو کچھ وہ چاہتے ہیں (۵۷) (یعنی بیٹے قرار دیتے ہیں) اور جب ان میں سے کسی ایک کو لڑکی (پیدا ہونے) کی خوشخبری دی گئی اس کا چہرہ سیاہ ہوگیا اور وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔ (۵۸) جس بات کی اسے خوشخبری دی گئی تھی اس کی برائی کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ (وہ سوچتا ہے کہ) کیا ذلت کے باوجود وہ اسے رہنے دے، یا اسے مٹی میں گاڑ دے۔ سن لو وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔ (۵۹) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی حالت بری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے اعلیٰ شان ہے۔ اور وہ بڑا زبردست بہت حکمت والا ہے۔ (۶۰) اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑتا تو اس (زمین) پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتا، لیکن وہ انہیں ایک مقررہ مدت تک کے لیے مہلت دیتا رہتا ہے۔ پھر جب ان کا وقت متعین آجائے گا (تو) وہ نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ (۶۱) اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ چیز قرار دیتے ہیں جسے وہ (اپنے لیے) ناپسند کرتے ہیں، اور ان کی زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ اچھی چیزیں انہی کے لیے ہیں۔ یقیناً ان کے لیے (جہنم کی، آگ ہے اور کہ وہ (اس کی طرف) جلدی آگے بڑھائے جائیں گے (۶۲) خدا کی قسم! یقیناً ہم امتوں کی طرف تم سے پہلے رسول بھیجتے رہے پھر شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے زینت دی۔ پس اس دن وہی ان کا سرپرست ہوگا۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ (۶۳)

(پارہ ۱۴۔ سورہ نحل ۱۶۔ آیت ۴۸ تا ۶۳)

آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُقَرَّبِیْنَ ؕ

سید کونین، افضل الانبیا، ختم المرسلین، رحمت اللعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام سیدنا قریب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے۔ جس کے معنی ومفہوم اللہ کے نزدیک، قرب اللہ کے بھی ہیں۔

2۔القرآن: ا۔ترجمہ: اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ۔

(سورۂ علق آیت ۱۹)

۲۔ترجمہ: تم تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہو اور جب اٹھا کرو تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کیا کرو۔

(سورۂ طور آیت ۴۸)

3۔الحدیث: ا۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس خود خدا کو دیکھا تھا۔

(ترمذی)

۲۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھ اور دل سے دیکھا"

(مسلم)

4۔الوائے: ا۔محمد ﷺ! ایسے مذہبی آدمی نہ تھے جو کہ صرف خدائی (روحانی) خصوصیت پر سوچتے وہ تو خدا کی روح سے پوری طرح سیراب تھے۔ خدا ان کے لیے ایک مکمل اور بہت ضروری حقیقت ہے۔

(ڈرمینگھم)

۲۔میں کہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ریگستانوں کی گھناؤنی خاموشیوں، آسمانوں کی وسعت مکانیت کی لامحدود حدود ستاروں کی چمک دمک اور ہوش وخرد کے ہر رگ وریشے میں خدا کی ذات کو پاتے تھے۔ یعنی ہر جگہ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک خدا کوئی جسم نہیں رکھتا۔ وہ تمام کائنات بنی نوع انسان کو بنانے والا اور ان کا مالک ہے۔ ان کی مسلسل سوچ وبچار کا بناؤ محض خدا اور اس کے مذہب کے لیے تھا۔

(میجر آرتھر کلائن، لیونارڈ)

5۔الفضائل: ۳۱۲ مرتبہ روزانہ اس اسم مبارک سیدنا قریب کا ورد کرنے والے کو اللہ کا قرب نصیب ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

(قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسماالنبی ﷺ سے اقتباس)

بیادِ معراج رسولؒ

ادارہ
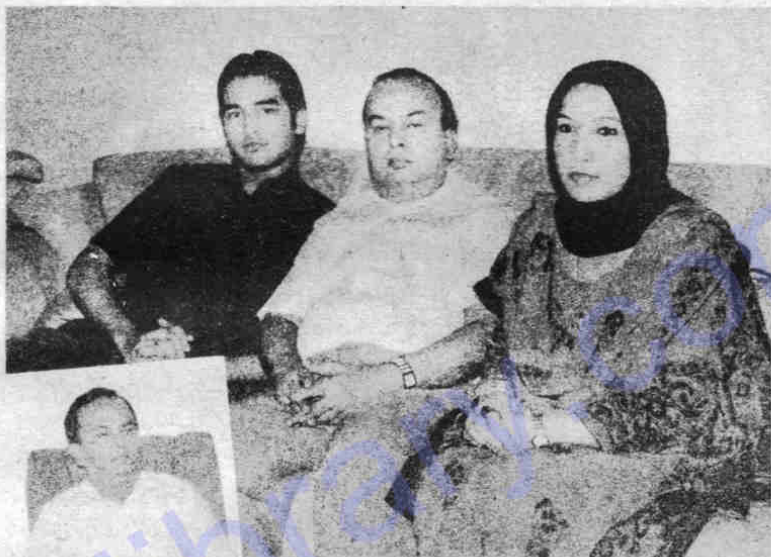
عقیدتوں کے ہزار پنے، تمہاری یادوں سے بھر رہے ہیں
دنوں کی گردش تھمی نہیں ہے، اجالے ہر سو بکھر رہے ہیں
جو تم نے روشن چراغ رکھے، جو تم نے لفظوں کا مان رکھا
وہ آج تابانیاں سمیٹے، چہار سو جگمگا رہے ہیں
تمہاری یادوں کے آئینے میں، نیا سا جو بن جگا رہے ہیں

بابائے ڈائجسٹ کا خطاب پانے والے ''معراج رسول'' کی پانچویں برسی آن پہنچی...... ابھی تو ان کے نہ ہونے کا یقین دلانا مشکل تھا اور اب اتنے برس گزر گئے.... اور پھر ان کی سنہری یادیں ہی سرمایۂ حیات بن گئیں جو ڈوبتے دلوں کو سہارا دیتی ہیں جو ڈگمگاتے قدموں کو مہمیز دیتی ہیں۔

قلم و کاغذ کا رشتہ ازل کا، یہ کیسے مدھم پڑ سکتا ہے۔ یہ کیسے رک سکتا ہے۔ سو معراج صاحب کی بچھائی ہوئی مضبوط بساط پر آج بھی الفاظ و بیان کے دلکش و دیدہ زیب مہرے سج رہے ہیں اور ان کے اصولوں کی پاسداری ہو رہی ہو...... ان کی محنتوں اور ریاضتوں کو جلا مل رہی ہے اور ان شاء اللہ ملتی رہے گی۔

معراج رسول صاحب کی برسی کے موقع پر ان کے بہی خواہوں، عقیدت مندوں اور مداحوں نے اپنے قیمتی خیالات کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے۔

عجیب آدمی تھا وہ...... نیلوفر عباسی، نیویارک

کسی بھی خاندان میں جب کسی نئے بچے کی آمد ہوتی ہے تو نومولود کے لیے سب دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے نصیب اچھے کرے، اس کو کامیابیاں عطا کرے، خوش نصیب ہوتے ہیں وہ کہ جن کی دعائیں قبول ہو جاتی ہیں، ایک ایسا ہی بچہ جناب عبدالغفار شیخ کے یہاں 5 اگست 1943ء امین آباد لکھنؤ میں پیدا ہوا۔ اور اس کا نام ''معراج رسول'' رکھا گیا تو قدرت نے اسی وقت اس کے مقدر میں کامیابی اور بڑائی لکھ دی اور ایسا کیوں نہ ہوتا جس کا نام ہی ''معراج رسول'' ہو تو وہ تو بلندیوں پر پہنچے گا ہی۔

ایک ہوتا ہے ''بادشاہ'' یعنی King اور ایک ہوتا ہے ''بادشاہ گر'' یعنی King Maker جن لوگوں نے پاکستان میں ڈائجسٹوں کے ذریعے اچھی کہانیوں اور صحت مند ادب کو فروغ دیا معراج رسول کا نام ان میں سرفہرست ہے۔ نہ صرف انہوں نے اپنے قلم کا جادو جگایا بلکہ نابغۂ روزگار ادیب اور شاعر تلاشے اور انہیں نہایت عزت و احترام سے وہ مقام عطا کیا جس کے وہ حق دار تھے۔

معراج رسول نے 1971ء میں ''جاسوسی ڈائجسٹ'' کا اجرا کیا پھر ''سسپنس'' ڈائجسٹ اور پھر خواتین کے رجحان اور دلچسپی کو مدِنظر رکھتے ہوئے ''ماہنامہ پاکیزہ'' 1973ء میں متعارف کروایا جو کہ بے حد مقبول ہوا۔ اس کے بعد سرگزشت اور ماہنامہ دلکش مارکیٹ میں آئے اور دھوم مچادی۔ اعلیٰ معیار کی تحریریں اور دلچسپ قسط وار سلسلے ان ڈائجسٹوں کا خاصہ ہے۔

سسپنس ڈائجسٹ میں چھپنے والی کہانی ''دیوتا'' مستقل تینتیس سال (33) تک چھپتی رہی جو کہ بلاشبہ ایک ریکارڈ ہے۔

قلم کار، ادیب اور شاعر، ان ڈائجسٹوں کا حصہ بصد شوق بنتے تھے کیونکہ جو پزیرائی، عزت و وقعت معراج رسول انہیں دیتے وہ اپنی مثال آپ تھا۔ ایک لکھاری کی لفظوں کی قیمت شاید کوئی ادا نہیں کرسکتا لیکن اس کی تحریروں

کی ستائش اور قدر کر کے وہ ادیب کو ایک ایسا فخر عطا کرتا ہے کہ جو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے، الفاظ میں نہیں سمویا جا سکتا۔ معراج رسول اپنے رائٹرز کو معاوضہ بھی بہت اچھا اور وقت پر ادا کرتے بلکہ اکثر سلسلے وار کہانی کاروں کو تو ایڈوانس میں بھی کئی، کئی قسطوں کی ادائیگی کر دیتے، یہ کوئی احسان نہیں تھا بلکہ ان کی قدر دانی تھی۔ معراج رسول، ذاتی زندگی میں ایک سادہ، قناعت پسند اور محبت کرنے والے شخص تھے۔ انہوں نے لفظوں سے محبت کی ان کو چُنا، پرکھا، برتا، سنوارا، سجایا، اپنایا...... وہ لوگ عقل مند ہوتے ہیں جو "لفظ" چُنتے ہیں، بقول پروین شاکر

مر بھی جاؤں تو کہاں، لوگ بھلا ہی دیں گے
لفظ میرے، میرے ہونے کی گواہی دیں گے

2008ء میں معراج رسول صاحب کی طبیعت جب زیادہ ناساز ہوئی تو ان کی بیگم عذرا رسول نے اپنی توجہ پبلی کیشنز کی طرف کی، لکھنا پڑھنا تو ان کے مشاغل میں شامل تھا لیکن تکنیکی باتیں بھی بہت جلد سیکھ کر انہوں نے معراج رسول صاحب کا بوجھ خاصا ہلکا کر دیا، عذرا کے اب دو ہی کام تھے اپنے ادارے کے تحت نکلنے والے ڈائجسٹوں کا معیار نہ صرف برقرار رکھنا بلکہ اسے بلند کرنا اور معراج صاحب کی خدمت۔ اللہ تعالیٰ نے جو وسائل عطا کیے تھے اس میں معراج رسول صاحب کی دیکھ بھال کے لیے ہمہ وقت ڈاکٹر اور نرسیں موجود رہتے تھے۔ لیکن عذرا رسول نے جس محنت اور تندہی سے ان کا خیال کیا وہ اپنی مثال آپ ہے، یہی وجہ تھی کہ آخر کے کچھ عرصے کے علاوہ جس میں معراج صاحب مکمل طور پر صاحب فراش تھے، ان کی آنکھوں میں ہمیشہ امید کے دیے روشن رہے، عذرا کے وجود میں انہیں وہ دنیا میسر رہی جہاں سکون تھا، خوشیاں تھیں، بہترین دنوں کی نوید تھی۔

ڈائجسٹوں کے متعلق لوگوں کا عموماً یہ تاثر ہے کہ اسے صرف خواتین ہی دلچسپی سے پڑھتی ہیں لیکن معراج رسول نے ایسا مواد، ایسا ادب فراہم کیا کہ کیا مرد، کیا عورت سب کی توجہ ادھر مبذول ہوئی۔

طویل وابستگی...... ذکیہ بلگرامی، کراچی

جناب معراج رسول صاحب بہت اچھے انسان تھے۔ ماہنامہ پاکیزہ اور دوسرے رسالے قائم کر کے انہوں نے اردو زبان کو فروغ دیا۔ اس رسالے میں ہر قسم کی اچھی تحریروں کی اشاعت ہوتی رہی اور ہو رہی ہے۔ ادارے کے تمام اراکین اچھے اخلاق کے مالک اور محنتی ہیں۔ میرے بے شمار افسانے اور ناولز اس میں شائع ہوئے اس کے علاوہ یادوں کی مالا دو بار شائع کی۔ اللہ اور اس کا نور قسط وار شائع کر کے اللہ تعالیٰ کے احکامات لاکھوں لوگوں تک پہنچائے۔ اس کا ثواب معراج صاحب کو ہی جائے گا۔ جہاں تک میری بات ہے تو میرا اور پاکیزہ کا 45 سال سے زیادہ کا ساتھ ہے۔ اگر حالات اچھے نہ ہوتے تو یہ تعلق اتنا پرانا نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ سب لوگوں کے لیے میں ہمیشہ دعا گو رہی ہوں، اللہ حافظ!

یادِ رفتگاں...... حسام بٹ

وقت کس طرح پنکھ لگا کر روشنی کی رفتار سے اڑ جاتا ہے، اس کا اندازہ بلکہ احساس پلٹ کر پیچھے دیکھنے ہی سے ہوتا ہے اور وقت کی پرواز کا معاملہ کسی اپنے کا ہو تو یہی اذیت ناک احساس کلیجا پھاڑ دیتا ہے۔ پانچ سال پہلے اسی ماہ فروری کی بائیسویں خنک اور اداس صبح وہ ہمیں دائمی جدائی کا صدمہ دے کر اس فانی دنیا سے اس ابدی دنیا کوچ کر گئے...... حق مغفرت کرے، عجب آزاد مرد تھا!

یہ تو طے ہے کہ پاکستان کی ڈائجسٹ انڈسٹری کی تاریخ میں معراج رسول صاحب کا نام روپہلی اوراق پر سنہری حروف سے لکھا جائے گا مگر یہ فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے اور باقی ہی رہے گا کہ وہ ڈائجسٹ کا تعارف ہیں یا ڈائجسٹ ان کا پیش کار...... یہ دقیق بحث ایک ٹھوس مقام پر تھم جاتی ہے...... ڈائجسٹ اور معراج رسول ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم تھے اور واجب و موجب رہیں گے۔

پاکستان میں ڈائجسٹ کی صنعت کو اس کا جائز مقام اور عزت و وقار دلانے میں انہی کا ہاتھ ہے۔ بلاتفریق دیسی و بدیسی، تفریحی و سنجیدہ ادب کو ہر خاص و عام تک پہنچانے میں انہوں نے جو اہم کردار ادا کیا ہے، وہ کسی اور کے ذوق و اختیار کی بات نہیں۔ ''جاسوسی ڈائجسٹ'' تو اس ادارے کی تعمیر کے سلسلے کی پہلی اینٹ تھی۔ وہ بھلا زمانہ تھا۔ وسائل اور مسائل اپنی اوقات میں رہا کرتے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تو نہیں دیکھا مگر سنا ہے کہ ان دنوں یہ ادارہ ایک ہی کمرے تک محدود ہوا کرتا تھا جس میں لگی اکلوتی میز پر معراج صاحب کے علاوہ ایڈیٹر، رائٹر، کاتب، پروف ریڈر وغیرہ ہم ..... ایک ساتھ بیٹھ کر کام کیا کرتے تھے۔ زیرو سے ہیرو تک کا سفر کئی مراحل پر مشتمل ہے اور ہر مرحلہ کڑی و جان توڑ محنت کا متقاضی...... انہوں نے اپنے معاونین کے بے لوث تعاون سے ڈائجسٹ کی دنیا میں ایک عظیم عمارت کھڑی کر دی۔ جاسوسی کے بعد سسپنس، پاکیزہ، سرگزشت اور دلکش...... وقت کے ساتھ اپنے مقام پر سجتے چلے گئے۔ معراج رسول صاحب کی اس محنت اور تگ و دو کا مفصل احوال ایک ضخیم کتاب کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ بقول شاعر......

نصف صدی کا قصہ ہے
دو چار برس کی بات نہیں

بات شاعری کی چل نکلی ہے تو معراج صاحب کے شعری ذوق کو ایک ترکیب میں قید کر کے صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ وہ ''حافظ دیوانِ غالب'' تھے۔

یوں تو انہوں نے ادارے سے شائع ہونے والے ہر میگزین کے لیے اس پرچے کے مزاج سے آشنا تجربہ کار مدیر بھی رکھے ہوئے تھے لیکن بالعموم تمام ہی پرچہ جات اور بالخصوص سسپنس ڈائجسٹ کا مواد ان کی نظر سے گزرے بغیر طباعت کے لیے نہیں جا سکتا تھا۔ وہ پاکستان میں موجود ہوں یا بیرون وطن کسی سیاحی دورے پر، ادارتی اور مدیرانہ کام جاری رہتا تھا۔

دوستوں کا دوست ہونا اگر اوجِ کمال ہے تو اپنے دشمنوں کو ان کے علم میں لائے بغیر دوستوں سے بڑھ کر نوازنا شرف بے مثال...... دوست تو ان کی نوازشات سے کماحقہ فیض یاب ہوتے ہی رہتے تھے، وہ درپردہ، بڑی رازداری کے ساتھ اپنے دشمنوں کے زخموں کی رفوگری میں بھی مصروف رہتے۔ کسی کو نام زد کرنا مقصود نہیں کیونکہ یہ اس ذکرِ خیر کو زیبا نہیں لیکن میں درجنوں ایسے افراد کو ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ جب سفاک اور نامساعد وقت نے ان کی زندگی کے معاملات کو اپنے بے رحم جبڑوں میں بھینچ لیا تو معراج صاحب نے دستِ غیب سے ان کی بھرپور مدد کی اور انہیں اس مصیبت سے نجات دلائی۔ ان کی چھوڑی ہوئی چند نگارشات میں ایک ایسی ڈائری بھی شامل ہے جس میں انہوں نے اپنے ان دوستوں کا ذکر بالتفصیل کیا ہے، جنہوں نے دوستی کے پردے میں انہیں عظیم بہلاوے دیے تھے مگر مزے کی بات یہ ہے کہ ان کی اور اپنی آخری سانس تک معراج صاحب نے انہیں اس امر کا احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ ان کی اصلیت سے واقف ہو چکے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ وہی اپنائیت بھرا برتاؤ کرتے رہے جو ان کی فطرت، مزاج اور انداز کا خاصہ تھا۔ معراج صاحب قرابت داری اور رقابت داری کو اپنے ظرف، وصف اور وضع کے پیمانے پر نبھانے کا ہنر جانتے تھے۔

نہ کم، نہ زیادہ...... ان سے میری ملاقات کا سلسلہ رہتا تھا۔ ایک روز بڑے موڈ میں تھے۔ میں نے پوچھ لیا۔ ''سر! آپ لکھنے کی طرف کیوں نہیں آئے۔ مجھے یقین ہے، آپ بہت اچھی کہانی بُن سکتے ہیں؟'' وہ معنی خیز انداز میں مسکرائے اور گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''ایک اچھے مدیر کو کبھی افسانہ نگاری یا کہانی کاری کا خیال ذہن میں نہیں لانا چاہیے ورنہ وہ عمرِ عزیز اپنی ایک ہی تحریر کی مدیری (قطع و برید) میں صرف کر دے گا اور زندگی کی آخری سانس تک وہ کہانی اس کے حسبِ منشا مکمل نہیں ہو پائے گی۔''

بقیہ: صفحہ نمبر 200 پر ملاحظہ فرمائیں

سلسلے وار ناول

پلکوں سے اٹھاؤں اس کو

رفعت سراج

محبت کا پرندہ بسیط فضاؤں میں رقص کرتا ہے۔
انا قید خانہ ہے۔
محبت سپردگی و بے ساختگی کا استعارہ ہے۔
انا ماضی کا آہنی شکنجہ ہے۔
محبت امن ہے... انا جنگ ہے۔
محبت من کا سُرور ہے... انا ”دُکھ بدن“ ہے۔
محبت بہاؤ ہے... انا مزاحمت ہے۔
محبت فراست ہے جس سے چراغ جلتے ہیں۔
انا عیار ذہانت ہے جس سے ایٹم بم بنتے ہیں۔
محبت کائنات کا ضمیر ہے... انا شیطان کا خمیر ہے۔
محبت کے نصاب میں سوال ہیں۔
محبت خیر مقدم ہے... انا ماتم ہے۔
محبت جنازہ پڑھواتی ہے... انا جنازہ اٹھواتی ہے۔
محبت عِلّیین... انا سافلین۔

وہ مرے پاس ہے کیا پاس بلاؤں اس کو
دل میں رہتا ہے کہاں ڈھونڈنے جاؤں اس کو
قید کرلوں اسے آنکھوں کے نہاں خانے میں
چاہتا ہوں کہ کسی سے نہ ملاؤں اس کو
چلنا چاہے تو رکھے پاؤں مرے سینے پر
بیٹھنا چاہے تو آنکھوں پہ بٹھاؤں اس کو
وہ مجھے اتنا سُبک اتنا سُبک لگتا ہے
کبھی گر جائے تو پلکوں سے اٹھاؤں اس کو

دوریوں سے نڈھال اکیسویں صدی کے آدم و حوا کی کہانی

قسط نمبر 12

”ریئلی ماما... آآپ ویسے ہی تو نہیں بول رہیں کہ میں جلدی آجاؤں......؟“ فری ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔ خوشی کی انتہا پر تو گویا یقین زندہ پکڑی ہوئی مچھلی کی طرح ہاتھ سے پھسل رہا ہوتا ہے۔
”دماغ خراب نہیں ہے میرا...... میرے پاس بلاوجہ فون کرنے کے لیے فضول ٹائم نہیں ہوتا۔“ سارہ نے جھاڑ پلادی۔

''بس جلدی سے نکل پڑو...... بہت بری بات ہوگی اگر تم ان کے آنے کے بعد پہنچو گی۔'' سارہ نے اب نارمل انداز اور سمجھانے کے طریقے پر مزید تاکید کے ضمن میں کہا۔

''او کے......'' اس نے اپنے الفاظ زور لگا کر ادا کیے تھے۔ عرشلہ اور زین ہنوز ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ فری کے چہرے پر زندگی کے سارے رنگ کھل اٹھے تھے۔ جیسے بھادوں کی جھڑی کے بعد افق پر قوسِ قزح چمکتی ہے۔

''خیریت ہے ناں فری......؟ بہت ایکسائٹڈ (پُرجوش) نظر آرہی ہو......؟'' عرشلہ سے اب رہا نہ گیا۔ وہ بے ساختہ بول پڑیں۔

''آنٹی کچھ اسپیشل گیسٹ اچانک آرہے ہیں فارن سے......'' فری کی روشن آنکھیں بہت کچھ بول رہی تھیں مگر دونوں ماں، بیٹا کچھ بھی اندازہ لگانے کے قابل نہیں تھے۔ اتنا خوش اور پُرجوش تو عرشلہ نے کبھی فری کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو کسی پرندے کی طرح بس اڑنے کے لیے بے تاب نظر آرہی تھی۔

''آئی ایم سوری زین...... میں جلد ہی تمہیں جوائن کروں گی ہم بہت دیر تک کارڈز کھیلیں گے...... بلکہ میں انصر کو ساتھ لے کر آؤں گی، آنٹی کو ملا کر پارٹنر شپ میں کھیلیں گے تو اور مزہ آئے گا......'' وہ تیز، تیز بولتے ہوئے سیل فون اٹھا کر سرور کا نمبر بھی ڈائل کر رہی تھی۔

''ان......ن......صر......؟'' عرشلہ اور زین تو انصر پر اٹک گئے تھے جبکہ فری، انصر کا نام لے کر بھرپور رفتار سے آگے نکل چکی تھی۔

عرشلہ بول پڑیں...... زین کا دم گھٹنے لگا۔

''جی...... آنٹی......سوری...... میں نے آپ کو انصر کے بارے میں پہلے نہیں بتایا۔ میرا مطلب زین کو......ایک منٹ میں ذرا ڈرائیور کو گیٹ پر آنے کا بول دوں۔'' فری نے کہا۔

''ہاں......سرور...... پلیز پانچ منٹ میں گاڑی گیٹ پر لے آؤ...... زیادہ دور تو نہیں ہو......؟ بس فٹافٹ آجاؤ...... ماما ویٹ کر رہی ہیں۔'' وہ ڈرائیور سے بات کر رہی تھی۔ اس دوران زین میسج ٹائپ کرنے لگا تھا۔ فری نے رابطہ منقطع کیا تو واٹس ایپ کی میسج الرٹ ٹون ٹن کے انداز میں سنائی دی۔

''افوہ...... ماما ہی کا میسج ہوگا......'' فری نے زچ ہو کر میسج کھولتے ہوئے کہا۔ پھر چونک کر زین کی طرف دیکھا۔

زین نے سامنے بیٹھ کر پیغام ارسال کیا تھا۔

"who is ansar?" (انصر کون ہے) فری نے زین کی طرف مسکرا کر دیکھا...... پھر عرشلہ کی طرف۔

''ابھی تو صرف فیملی فرینڈ ہیں...... انہوں نے مجھے پروپوز کیا ہے......'' جانے ایسا کیا تھا کہ فری کھل کر نہیں بتا پا رہی تھی...... حالانکہ اس کے حساب سے اس کا اور زین کا تعلق صرف ایک کلاس فیلو اور ایک ہمدرد بہترین دوست کا تھا۔ زین نے اس کے ساتھ مستقبل کے حوالے سے کبھی کوئی بات نہیں کی تھی۔

زین نے تو تعارف سن کر سر ڈال دیا تھا۔ مگر عرشلہ بری طرح بدحواس نظر آنے لگیں۔ بے قرار ہو کر زین کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا لیا تھا...... اسی وقت فری کے سیل فون پر سرور کی مسڈ کال آئی جس کا مطلب تھا وہ گیٹ پر آچکا ہے...... فری کو بتا کر کسی ڈھابے پر دودھ پتی پینے گیا تھا...... اللہ جانے چائے پی یا فری کی افراتفری والی کال پر پیالی پٹخ کر دوڑا تھا۔

''او کے...... زین...... we'll meet again'' اس نے دم بخود بیٹھے زین کی کیفیت سے صرف نظر کیا...... اس کے خیال میں تو گیم ادھورا رہ جانے کی وجہ سے زین شاکڈ تھا۔ اسی بنا پر تسلی کے دو بول بول دیے تھے۔

''او کے فری......'' عرشلہ، زین سے نظر چرا کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔

''آل دا بیسٹ......'' عرشلہ نے فری کو اپنے ساتھ لگا کر اس کے رخسار پہ علامتی بوسہ دیا...... یہ رکھ رکھاؤ سے زیادہ خود کو سنبھالنے کا عمل تھا۔

زین نے بیٹھے، بیٹھے روبوٹ کی طرح الوداعی انداز میں اپنا دایاں ہاتھ اوپر کر کے حرکت دی۔

فری کے پاس تو تکلفات کی مد میں دو پل بھی نہیں تھے۔ نئے سرے سے ماں، بیٹے کی طرف خاک دیکھتی...... پل بھر میں جھونکے کی طرح منظر سے گزر گئی۔ عرشلہ کی سانسیں ہنوز بے ترتیب تھیں۔ فری جا چکی تھی مگر عرشلہ ابھی تک اسی طرف دیکھ رہی تھیں جس طرف فری کا وجود اوجھل ہوا تھا۔

زین نے ہاتھ بڑھا کر عرشلہ کے گاؤن کی کھلی آستین پکڑ کر کھینچی تو وہ چونکیں اور ڈرتے، ڈرتے زین کی طرف دیکھا۔

''ہم دونوں کھیلتے ہیں۔'' زین نے عرشلہ اور اپنی طرف باری، باری اشارہ کیا...... عرشلہ کی جان میں جان آ گئی۔ انہوں نے گویا دیر بعد کھل کر سانس لی۔

وہ زین سے چھیڑ چھاڑ کے انداز میں اس کی شادی کی بات ضرور کرتی تھیں مگر دل سے چاہتی تھیں کہ اگر کبھی ایسا ہو بھی تو جلدی نہیں ہونا چاہیے۔ پہلی وجہ تو زین کے disorders تھے۔ عرصہ دراز سے فزیشن ناشتے، کھانے کی طرح زندگی کا حصہ بن چکا تھا۔ بچپن کے مقابلے میں بہتری کی جانب گامزن نظر آتا تھا شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ اب شعور بڑھ رہا تھا اور قوت ارادی کی توانائی بھی کام کر رہی تھی۔ زین کی فزیشن کے ساتھ تنہائی میں بیٹھک

ہوتی تھی۔عرشلہ کو جو پوچھنا ہوتا تھا وہ فزیشن سے علیحدگی میں پوچھتی تھیں۔زین سے براہِ راست سوال جواب نہیں کرتی تھیں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ کم عمری کی شادی سے خوفزدہ تھیں......شادی شدہ عملی زندگی کا تجربہ مکمل ذہنی تشدد تھا۔

کہاں ایک شاندار اسٹوڈنٹ لائف......فیلوز، کالج، اپنی مرضی سے جب چاہے سو جانا......جب بھوک لگے کھا لینا۔جم جانا......spa انجوائے کرنا......اچھے بھلے بالوں کا کلر تبدیل کر لینا......کبھی ایجوکیشنل ٹور پر جانا کبھی ثمینہ کے ساتھ یورپی ملک میں چھٹیاں منانا۔

کہاں شادی شدہ زندگی......شادی کے بعد ہنی مون پیریڈ تو بڑا یادگار تھا مگر اس کے بعد تو انہیں اپنا شوہر یکسر ''جاہل'' لگنے لگا اتنی بھی تمیز نہیں تھی کہ بیوی گہری نیند سو رہی ہو تو اسے نہیں جگاتے......پھر جگانے کی جہالت کے علاوہ......''تھکی ہاری'' بیوی کو صبح آٹھ بجے پھر جگا دینا۔

''یار......میری گرے ٹائی کہاں رکھی ہے؟ یا میرے براؤن موزے لاپتا ہیں......یا......یار بیڈ ٹی تم بناؤ......یہ تمہارا نیا بٹلر تو کسی کام کا نہیں۔'' شروع شروع میں تو وہ ماں کے سامنے بہت طبیعت سے رویا کرتی تھی۔

''شادی کو پریکٹیکل لائف کہتے ہیں......سب ہزبینڈ ایک جیسے ہوتے ہیں۔'' ثمینہ اسے سمجھا کر قابو کرنے کی کوشش کرتیں۔

''نہیں......یہ مڈل کلاس سے ہے ناں......اس لیے اس کی کیمسٹری damaged (شکستہ) ہے۔'' وہ الٹا ماں کو قائل کرنے کی کوشش کرتی۔

''تمہارے فادر تو ایلیٹ کلاس سے تھے عرشی......مجھے اپنی فیورٹ ساڑی پہننے نہیں دیتے تھے، کہتے تھے کہ اورنج کلر میں تم monk (بھکشو) کی مدر لگتی ہو......'' اس طرح کے مضبوط ترین دلائل بھی عرشلہ کو قائل نہ کر سکے......وہ اس خیال پر مضبوط تھی کہ کلاس کا فرق ساری ''بے آرامی'' کی جڑ ہے۔

''گریس کیلی'' کی طلاق کی خبر سن کر اس نے ثمینہ کو جتایا تھا کہ وہی صحیح ہے ممی غلط ہیں......ڈھیر سارے بچے پیدا کر کے بھی گریس کیلی نے شادی نہیں چلائی۔ڈھیر سارے بچوں کی وجہ بھی بتادی کہ ''اتنا ذہنی تشدد (مینٹل ٹارچر) ہوگا تو پھر شادی تو ٹوٹے گی ہی۔''

اب وہ زین کو اتنی جلدی میٹھے خوابوں سے جگانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔''خواہ وہ سو مرد ماروں'' کے برابر ہو جائے۔

ذہن قدرے پُرسکون ہوا تو ان پر یکلخت منکشف ہوا......فری کے علاوہ زین نے کسی ''لڑکی'' سے دوستی کو سیریس نہیں لیا تھا۔

''اچھا ہے فری کی شادی کل کی ہوتی آج ہو جائے......کچھ دن ''ہجر'' منائے گا پھر واپس معمولات کی طرف آئے گا......'' اب عرشلہ خود کو بہلا رہی تھیں کہ یہ ''کہنی کی چوٹ'' ہے۔

عشق نے سیکھ ہی لی وقت کی تقسیم کہ اب
وہ مجھے یاد تو آتا ہے مگر کام کے بعد

جان سب کو پیاری ہوتی ہے......کون غالب کی طرح دل کو روئے جگر کو پیٹے جیسے کہ انہوں نے جان کہنے والے سے جان چھڑائی تھی۔

حیرت انگیز طور پر ان کی رگ و پے میں توانائی دوڑنے لگی......گویا کوئی ناگوار قسم کا خواب دیکھتے ہوئے گھبرا کر آنکھ کھلی ہو......اور پُرآسائش خواب گاہ میں خود کو پا کر سکون کی سانس لی ہو۔

زین کو فی الوقت عرشلہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ دم بخود سا سر ڈالے بیٹھا تھا۔عرشلہ نے بے اختیار آگے بڑھ

کراسے اپنے گلے سے لگالیا۔

زین نے کوئی مزاحمت نہیں کی گویا اس وقت کسی اپنے کے لمس سے اس نے حیات کی حرارت کشید کرتا تھی...... اپنے ''ہونے'' کو محسوس کرتا تھا۔

''چلو لان میں چلتے ہیں...... پہلے ٹینس کھیلیں گے...... پھر مزے سے کافی پئیں گے۔'' انہوں نے زین کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا...... لہجے میں حقیقی ممتا کی حلاوت گھلی ہوئی تھی۔

اندھیری کوکھ سے اندھیری قبر کا سیدھا راستہ طے کرنے والی روحوں نے جدائی کے زخم کے ساتھ، ساتھ ممتا کا شعور بھی تو بخشا تھا۔ جواب زین کا اثاثہ تھی جس کی وجہ سے ماں سے لڑ پڑتی تھی۔

☆☆☆

سارہ پر تو گویا وقت پڑ گیا تھا...... پہلے ہائی ٹی پھر ڈنر کا اہتمام...... ایک خانساماں اور ایک میڈ کے ساتھ انہیں سارے کام نپٹانا تھے...... سالار صاحب کو صرف مہمانوں کا انتظار کرنا تھا۔

''نعیم بھائی کا ٹھہرا سرپرائز اور مجھے مل گیا کام......'' سارہ نے کمرے میں داخل ہوکر نہ چاہتے ہوئے بھی دل کی بات منہ سے نکال دی۔

سالار صاحب فون پر مصروف تھے...... گلاسز کے اوپر سے جھانک کر بیگم کی طرف دیکھا اور پھر خوشگواری سے مسکرا دیے۔

''ڈنر کی تیاری کرلو...... چائے کے لیے باہر سے کچھ منگا لو...... تمہیں تو بس خود کو تھکانے کا شوق ہے۔''

''بھئی وہ لوگ اتنے چوزی ہیں کہ کچھ آگے رکھتے ہوئے ڈر ہی لگتا ہے۔ اس میں مرچ زیادہ ہے، یہ heavy ہو جائے گا۔ چیز کیک دو دن تک ہضم نہیں ہوگا...... پکوڑے acidity پیدا کرتے ہیں، حلیم میں بہت کیلوریز ہوتی ہیں...... یہ اور وہ......'' سارہ اپنے پہننے والے ڈریس کا انتخاب کرنے عجلت کے انداز میں کمرے میں آئی تھیں مگر غائب دماغی کی کیفیت میں کام بھول کر بیڈ کے کنارے پر ٹک گئیں۔

''ہائیں...... یہ سب باتیں تم سے نعیم نے کب کیں، میرے سامنے تو اس نے کبھی ایسے قیمتی خیالات کا اظہار نہیں کیا......'' سالار صاحب واقعی حیرت زدہ نظر آرہے تھے۔

''انہوں نے مجھے بھی کوئی مینیو نہیں تھمایا...... میری گھر کی بنائی ہوئی چیزوں کی تعریف کرتے ہوئے یہ سب کہہ بیٹھے تھے اور میں نے پلو سے باندھ لیا۔ وہ جو کہتے ہیں ناں عقل مند کو اشارہ ہی کافی......'' یہ کہہ کر سارہ بڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئیں...... یاد آگیا تھا کہ وہ کس کام سے کمرے میں آئی تھیں۔

''ایک تو تمہیں عقل مند کہلوانے کا بہت شوق ہے......'' سالار صاحب بیٹی کے خواب کی تعبیر بن رہے تھے...... ان کے اپنے دل کی کلیاں کھلی پڑ رہی تھیں...... سارہ کو چھیڑتے ہوئے بغور دیکھ بھی رہے تھے۔

''آپ بیوقوف کہتے رہیں...... مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا......'' سارہ بھی مسکرائیں اور وارڈ روب کا پٹ کھول کر لٹکے ہوئے کپڑوں کا جائزہ لینے لگیں۔

''اللہ کرے فری لیٹ نہ ہو...... اس کی تیاری بھی دیکھنی ہے...... پتا نہیں کیا الٹا سیدھا پہن کر بیٹھ جائے......'' وہ خود کلامی کے انداز میں وارڈ روب میں سر دیے بڑبڑانے لگیں...... سالار صاحب فری کو فون ملانے لگے...... کیونکہ وہ سارہ کی اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ اس سے کچھ بعید بھی نہیں تھا کہ ٹریک سوٹ پر اسکارف اوڑھ کر مہمانوں کی خاطر تواضع کرنا شروع کر دے۔

کال تو لگی تھی مگر فری کی طرف سے منقطع کر دی گئی تھی۔ مگر فوراً ہی میسج آ گیا تھا کہ پانچ منٹ میں پہنچ رہی ہوں۔

''بس آنے والی ہے...... تم اپنے کام دیکھو...... میں فری کی تیاری دیکھ لوں گا......'' سالار صاحب اس وقت

تعاون کرنے والے شوہروں میں پہلا انعام جیتنے کے موڈ میں نظر آئے۔
''بس رہنے دیں...... وہ آپ کو یہ کہہ کر چپ کرا دے گی کہ پاپا یہ فیشن ہے...... اور آپ بڑے فخر سے سوچیں گے کہ میری بیٹی سے زیادہ فیشن کا کس کو پتا ہوگا!'' سارہ کے انداز میں بے ساختگی تھی تو دوسری طرف سالار صاحب کا قہقہہ بھی بے ساختہ تھا۔

☆☆☆

فری کے جانے کے بعد زین سر جھکا کر اپنے بیڈ روم میں چلا گیا تھا۔ عرشلہ، ثمینہ کے ساتھ چائے پینے لان میں آ گئیں...... ثمینہ کا موڈ حسبِ سابق آف تھا کیونکہ عرشلہ نے ابھی تک زین سے شریف الدین کے بارے میں پتا نہیں کیا تھا۔
دونوں کے سیل فون آمنے سامنے میز پر رکھے تھے اور دونوں خاموش تھیں جیسے اس وقت کرنے کو کوئی بات ہی نہیں سوجھ رہی ہو۔
اسی وقت عرشلہ کے سیل فون کی اسکرین روشن ہوئی اور میسج الرٹ ٹون فضا میں مرتعش ہوئی۔ عرشلہ نے یوں لپک کر سیل فون اٹھایا جیسے واقعی وہ کسی میسج کا انتظار کر رہی تھیں۔
سامنے زین کا میسج دیکھا...... آج کل وہ اپنی ہر بات میسج کے ذریعے ہی کر رہا تھا۔ عرشلہ کے نزدیک یہ معمول کا عمل تھا اس لیے اس نے آرام سے میسج کھولا۔
''مام...... اب فری سے پتا کریں کہ انصر کے پروپوزل پر وہ کیا فیصلہ کرنے جا رہی ہے؟ اگر اس نے کسی تھرڈ پرسن کو میرے اور اپنے بیچ انوالو کیا تو میں خود کو مار ڈالوں گا۔''
''اوہ...... نو......'' عرشلہ نے بدحواس ہو کر ثمینہ کی طرف دیکھا تھا جو بیزار کن تاثرات چہرے پر سجائے کیاریوں کی طرف دیکھ رہی تھیں...... عرشلہ کے بے اختیار انداز میں ''oh no'' کہنے پر چونکی تھیں۔
''کیا ہوا...... کون ہے......؟'' ان کا ذہن تو اس پراسرار شریف الدین کے علاوہ کہیں جا کر ٹکتا ہی نہیں تھا جسے عرشلہ نے ابھی تک سنجیدہ نہیں لیا تھا۔
''کچھ نہیں ممی...... بس...... ویسے ہی۔'' عرشلہ نے بات بنانے کی کوشش کی...... جو کہ بن نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ ثمینہ بیٹی کو کھلی کتاب کی طرح پڑھتی تھیں۔
''کس کا میسج ہے......؟ کیا چھپا رہی ہو مجھ سے؟ اسی ڈفر نے تو تم سے کانٹیکٹ نہیں کیا...... وہ کیا تھا......؟'' وہ ذہن پر زور ڈال کر نام یاد کرنے لگیں۔
''ہاں...... وہ سو کالڈ شریف ایک نمبر کا غنڈا بدمعاش، یہ موٹر مکینک بھانت، بھانت کے لوگوں سے بھڑتے ہیں...... مسلح ہوتے ہیں...... گھر کا راستہ دکھا دیا ہے ناں......''
''ممی...... پلیز...... اسٹاپ...... کسی شریف، ذلیل کا میسج نہیں ہے۔ زین کا میسج ہے...... میں بہت پریشان ہوں...... وہ deep depression میں جا سکتا ہے...... فری کے لیے سیریس ہو رہا ہے۔''
''لو...... بس یہی کسر رہ گئی تھی۔ تین میں نہ تیرہ میں...... اب گدھا کرکٹ کھیل کر رن بنائے گا۔'' ثمینہ کی کمال برجستگی تھی۔
سیلابی ریلے کی طرح عرشلہ کی زبان چل رہی تھی جسے ثمینہ نے مہارت سے قابو کر لیا تھا۔
"He is my son, not gadha" زین سے پہلے عرشلہ ڈپریشن میں جاتی دکھائی دے رہی تھیں...... ماں کے الفاظ پر بری طرح بھڑک اٹھی تھیں۔
''کب تک اس فینٹسی میں رہو گی......؟ کیوں خود کو دھوکا دیتی ہو؟ اور وہ بے نام و نشان جس کا DNA ٹیسٹ

کرانے کی بھی ہمیں ضرورت نہیں، فیوچر میں شادی پلان کر رہا ہے...... لائف پارٹنر چوز کر رہا ہے؟ ہوش میں تو ہو تم...... اتنا سر چڑھا لیا ہے تم نے اسے کہ وہ شریف خاندانوں میں تباہی پھیرنے کا سوچنے لگا ہے۔ عرشی...... یہ کرائم ہے...... میں تمہاری شادی کے لیے سیریس ہوں اور تم اس اسٹوپڈ کی حماقتوں میں اس کا ساتھ دے رہی ہو......؟''

ثمینہ کا بی پی شوٹ کرنے لگا تھا...... اور عرشلہ کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ ماں کی حالت کا وہ اندازہ کرنے کے قابل ہی نہیں تھیں...... زین کی انسلٹ ان سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔

''نہیں کرنی مجھے شادی وادی...... جس سے بھی کروں گی وہ آپ سے زیادہ زین کو ہرٹ کرے گا...... آپ ماں ہو کر مجھے ہرٹ کرتی ہیں وہ تو زین کا خون ہی پی جائے گا۔ کبھی، کبھی تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ پاپا کی سیکنڈ وائف تھیں اور میری اسٹیپ مدر (سوتیلی ماں)'' عرشلہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''میں تمہاری خوشیوں کے لیے ترس رہی ہوں عرشی...... تمہیں خوابوں سے جگا کر کہتی ہوں...... حقیقت کو فیس کرو...... اپنے حصے کی خوشیاں حاصل کرنے کے لیے میرا ساتھ دو......'' ثمینہ ماں تھیں۔ حقیقی خوشیوں سے محروم بیٹی کے آنسوؤں نے تڑپا کر رکھ دیا۔

''ممی...... اسپیشلسٹ مجھے مایوس نہیں کر رہا مگر آپ مجھے صرف ڈارک سائڈ پر فوکس کرنے کو بولتی ہیں...... جیسے کہ آپ چاہتی ہی نہیں ہیں کہ زین ایک پرفیکٹ لائف گزارے...... اگر اس نے فری کو سیریس لیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے اندر "spark" ہے۔ وہ ہوپ فلی آگے بڑھ رہا ہے اگر ایسا ہے تو آپ کو کیا مسئلہ ہے......؟'' عرشلہ روتے ہوئے بولتی جا رہی تھیں۔

''مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے...... دولت مندوں کے ڈاکٹر، فزیشن، کنسلٹنٹ سب ہوپ فل ہوتے ہیں...... بھاری فیس ان کو ''سوری'' کہنے سے روکتی ہے...... روزی لگی ہوتی ہے ان لوگوں کی۔'' ثمینہ نے زندگی کے تجربات کا گویا نچوڑ پیش کیا تھا۔

''آپ کو تو بس یہی ٹینشن رہتی ہے کہ ساری دنیا آپ کی دولت پر نظر جما کر بیٹھی ہوئی ہے۔''

''یہ ایک بے رحم حقیقت ہے......'' ثمینہ نے فوراً عرشلہ کو مزید بولنے سے روک دیا۔

''غریب کے دروازے سے گزرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں دیکھ نہ لے کچھ مانگ نہ لے...... اور دولت مند کی جوتیاں سیدھی کرنے والوں سے بھی بنا کر رکھتے ہیں...... رشتے داری جتاتے ہیں۔ یہ تمہارے اسپیشلسٹ باہر نوکر بٹھا کر رکھتے ہیں جو آنے والے کو پہلے فیس بتاتا ہے تاکہ آنے والا سوچ لے کہ اندر جانا چاہیے یا واپس پلٹ جانا چاہیے۔ میری ایک دور پار کی خالہ تھیں انہوں نے سب جگہ مشہور کر دیا تھا کہ وہ میری سگی خالہ ہیں تاکہ میں دیتا دلاتا رکھوں ورنہ لوگ کہیں گے کہ سگی خالہ کا خیال نہیں رکھتی۔'' ثمینہ کو ماضی کی کسی جھلکی نے ستایا تو لہجہ کڑوا کسیلا ہونے لگا۔

''ہاں تو اگر دور کی بھی رشتے داری ہے تو خیال تو رکھنا چاہیے...... یہ کیا بات ہوئی کہ کسی کی دولت تو بڑھتی جا رہی ہو اور کسی کو دو وقت کے کھانے کی ٹینشن ہے...... جس کے پاس صرف جمع ہو رہا ہے اسے غریبوں کا ویسے ہی خیال کرنا چاہیے۔'' عرشلہ نے تنک کر گرہ لگائی۔

ثمینہ نے گھور کر بیٹی کی طرف دیکھا...... اور غصے سے کانپتے ہوئے بولیں۔

''ایسے آنکھیں بند کر کے چیریٹی نہیں کی جاتی...... چھان بین کیے بغیر ٹکا ہاتھ پر نہیں رکھنا میرے بعد...... سمجھیں...... ایک سے ایک کلاکار ملتا ہے یہاں......''

''آپ تو فوراً غصہ کرنے لگتی ہیں...... میں تو صرف آپ کو یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ زین اس وقت بہت مشکل وقت سے گزر رہا ہے...... کالج بھی نہیں جا سکتا، بولنے کی کوشش کرتا ہے تو آنکھوں سے آنسو آ جاتے ہیں۔ یو نو ممی...... گھر میں بس وہی تو بولتا تھا...... ایک کے بعد ایک مشکل فیس کر رہا ہے...... پہلے ایکسیڈنٹ ہوا...... پھر آواز

بند ہوگئی اور آج فری ایک شوشا چھوڑ کر اسے مزید ڈپریسڈ کر گئی۔'' عرشلہ کی آواز بھرانے لگی۔

''بس...... enough is enough'' ثمینہ نے پُرجلال انداز میں ہاتھ اٹھا کر عرشلہ کو بولنے سے روکا۔

عرشلہ آنسو بھری آنکھوں سے حیرت زدہ سی ثمینہ کی طرف دیکھنے لگیں۔

''وہ ایک بیوٹی فل، پرفیکٹ لڑکی ہے...... بہترین لائف پارٹنر ڈیزرو کرتی ہے...... اس کو کیا مصیبت آئی ہے کہ ایک بیوقوف کی خاطر خود کو ''بلی'' چڑھادے۔very good and happy news for me ایک لڑکی کو رائٹ ٹائم پر اچھا پروپوزل مل رہا...... میں اسے ضرور congrats بولوں گی...... تم بھی اسے وِش کرنا۔'' بولتے، بولتے ثمینہ کی نظر ماریہ پر پڑی جو چائے کی ٹرے اٹھائے آرہی تھی۔

''میں بولتی ہوں تو تمہیں برا لگتا ہے...... مگر اس کے دماغ میں عقل کی بات بٹھانا تمہارا کام ہے۔'' ثمینہ نے قطعی حتمی اور سخت لہجے میں تاکید کی۔

عرشلہ نے گہری سانس لے کر قریب آتی ماریہ کی طرف دیکھا۔

''لوگوں کے خواب بھی ہوتے ہیں اور خواہشات بھی...... جو پورے بھی ہوتے ہیں۔ زین بھی انسان ہے ناں......'' عرشلہ کی جذباتیت ہنوز اسی طرح اپنی جگہ تھی جیسے بارہ سال بعد نلکی سے نکالی ہوئی ''کتے کی دم'' جو نلکی سے باہر آتے ہی ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔

ثمینہ پیچ و تاب کھاتی رہ گئیں کیونکہ اب ماریہ جھک کر میز پر ٹرے رکھ رہی تھی۔

☆☆☆

اس وقت رنگ و نور کی برسات تھی...... جو صرف دل کی آنکھ دیکھ سکتی تھی۔ خوشی کا وہ عالم کہ پاؤں رکھے کہیں تو پڑے کہیں۔

آسمانی رنگ کی نیٹ کی پوری آستینوں کی فراک جس کے نیچے سیاہ چمکدار کپڑے کی لائننگ تھی...... آسمانی نیٹ کا ہی بڑا سا دوپٹا سیاہ چوڑی دار پاجامہ...... یہ ڈریس وہ بہت پہلے ہی لائی تھی اپنی برتھ ڈے پر پہننے کے لیے...... یہ نہ سوچتے ہوئے بھا گیا تھا۔ اتنا کہ کئی بار مڑ، مڑ کر دیکھا پھر خرید ہی لیا...... اس وقت گمان تک نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اس لباس کو اپنی زندگی کے یادگار ترین موقع پر استعمال کرے گی...... تب یہ حال ہوگا کہ کسی آنے والے کے انتظار کا ایک پل ایک صدی کے برابر لگے گا...... بے قراری ایسی ہو کہ آنے والے کو دیر ہو رہی ہو تو زمین سمٹنے کی دعا کرے اور خود ہی پہنچ جائے۔ ایسی تڑپ...... وہ بے قراری جب روح میں سنسناہٹ دوڑتی ہے۔ دماغ ایک پیغام وصول کرنے کے علاوہ تمام پیغامات وصول کرنے سے معذرت کر لیتا ہے سارا عقلی نظام "link down" ہو جاتا ہے۔

وہ برش ہاتھ میں لیے ہانپتی ہوئی زینہ پھلانگتی شمسہ کے پاس اوپر پہنچی تھی۔

''پھپھو آپ اونین اسٹائل جوڑا بہت اچھا بناتی ہیں...... جلدی سے بنا دیں......'' اس نے یہ دیکھے جانے بغیر کہ شمسہ کی کیا مصروفیات ہیں اندر داخل ہوتے ہی بولنا شروع کر دیا تھا۔

واصف ابھی گیلے بال تولیے سے رگڑتا بالکنی تک ہی پہنچا تھا...... فری کی جوشیلی آواز سن کر پلٹا اور دروازے کے فریم میں آ کھڑا ہوا۔

فری کا مکمل مشرقی روپ اور جگمگاتی آنکھیں...... چمکتا چہرہ دیکھ کر ایک ثانیے کو تو جیسے ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔

فری بھی غیر متوقع طور پر اسے سامنے پا کر گڑبڑا گئی تھی...... کیونکہ وہ تو کافی دنوں سے لیٹ نائٹ ہی گھر آتا تھا۔

''میری ماں نے کوئی سیلون نہیں کھولا ہوا ہے۔''

"shame on" واصف کے کاندھوں پر گیلا تولیا تھا اس نے ایک طرف سے تھوڑا سا تولیا ہٹا کر اپنا

زخمی بازو اس کے سامنے کیا جس پر ابھی تک پٹی بندھی تھی۔

''یہ زخم میری ماں کے دل پر لگا ہے، جس سے تم ہیئر اسٹائل بنوانے آئی ہو، نکلو ادھر سے..... جا رہے ہیں ہم تمہارے اس سرکاری بنگلے سے.....'' وہ دبی آواز میں پھنکارا تھا اور شمسہ تسبیح سمیت اپنے کمرے سے نکل آئی تھیں..... حواس باختہ، ہولتی سہمی ہوئی۔

لمحاتی تاثر کے تحت واصف کا زخمی بازو دیکھ کر واقعی فری کی بولتی بند ہوگئی تھی۔ مگر شمسہ کو سامنے پا کر ساری توانائیاں لوٹ آئیں۔

''بند کرو ڈراما..... ابھی تک تمہارا زخم ٹھیک ہی نہیں ہوا..... پھپھو کو ایموشنلی بلیک میل کرتے ہو۔'' فری نے بھی خون آلود نظروں سے واصف کی طرف گھورا تھا۔

''تمہارے اندر اتنا زہر ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ تم اتنی زہریلی ہو کہ میرا بازو ابھی تک زہر سے پاک نہیں ہوا۔''

''بس کر دو..... ختم بھی کرو اس قصے کو.....'' شمسہ نے واصف کی طرف دیکھ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ پھر فری کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''تم میرے کمرے میں آ جاؤ..... کہاں جا رہی ہو.....؟ بڑی زبردست تیاری ہے۔'' انہوں نے گویا پھونکیں مار کر دھواں اڑانے کی کوشش کی تاکہ واصف اپنے کام سے لگے۔

''انصر آ رہے ہیں ناں.....'' نہ چاہتے ہوئے بھی فری نے واصف کی طرف دیکھا تھا جو اب واپس بالکنی میں تولیا لٹکانے جا رہا تھا۔

''انصر.....؟'' شمسہ کو الجھن میں گھرے ذہن نے فوری کچھ نہ سجھایا۔

''پھپو...... انصر...... جن کے ساتھ میرا نکاح ہو رہا ہے...... وہ نکاح کے لیے ہی آئے ہیں یو ایس سے...... دراصل وہ میرے لیے شاپنگ کرنے پہلے دبئی چلے گئے تھے۔ اب دبئی سے یہاں آ رہے ہیں۔'' فری ایک، ایک لفظ یوں تول، تول کر بول رہی تھی گویا سنار سونا تول رہا ہو کہ ایک ذرہ اِدھر سے اُدھر نہ ہو جائے۔ یہ واصف کی جان جلانے کی ایک شعوری کوشش تھی جو خاصی کامیاب بھی تھی۔
کیونکہ واصف کو دور افق پر ڈوبتے سورج کی سرخی یوں دکھائی پڑ رہی تھی۔ گویا افق پر شعلے بھڑک اٹھے ہوں۔ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک بس شعلے ہی شعلے...... یا تو سورج زمین سے آملا یا زمین، سورج میں جا پڑی۔

☆☆☆

''عامر آج بہت بزی رہا...... ورنہ ہم شام کو فون کر کے آجاتے......'' عرشلہ کے کان سے سیل فون لگا تھا۔ وہ زین کے روم میں جانے کے لیے چم، چم کرتی لکڑی کی ریلنگ تھام کر آہستہ، آہستہ زینہ چڑھ رہی تھیں...... اور ٹوٹو کی بات سن رہی تھیں۔
''آج تو رہنے ہی دو ٹوٹو...... ایسی کوئی ایمرجنسی تو نہیں ہے......'' انہوں نے آگے بڑھتے ہوئے تذبذب کی کیفیت میں کہا تھا۔
''آج کیا ہے......؟ رہی ایمرجنسی والی بات تو تم تو آل ریڈی لیٹ ہو چکی ہو......'' ٹوٹو کا موڈ خراب ہونے لگا...... برسوں سے وہ عرشلہ کو انگلی پکڑ کر چلا رہی تھی۔
''ویسے ہی طبیعت ڈل سی ہو رہی ہے...... ذہن کو اس طرف مولڈ کرنا مشکل ہوگا...... میری بات سمجھنے کی کوشش کرو......'' اب عرشلہ کو زین کے بیڈروم کا بند دروازہ نظر آنے لگا تھا...... دو تین قدم اٹھانے کے بعد وہ فرسٹ فلور پر تھیں۔
''مجھے نہیں پتا...... میں آنٹی کو فون کرتی ہوں...... تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔'' ایک طرح سے ٹوٹو نے عرشلہ کو دھمکی دی تھی جو کارگر ثابت ہوئی۔
ماں کا تصور کرتے ہی دماغ کے تمام سوئے ہوئے خلیات متحرک ہو گئے۔
''نہیں...... نہیں ممی کو فون مت کرنا...... پلیز...... وہ ریسٹ لیس ہو جائیں گی فوراً میری وارڈروب کھول کر میرے لیے ڈریس سلیکٹ کرنے کھڑی ہو جائیں گی۔ ویسے ہی تھوڑی دیر پہلے میں نے ان کا موڈ خراب کر دیا تھا...... بہت آف موڈ میں چائے پی کر اپنے روم میں گئی ہیں۔''
اب وہ زین کے بیڈروم کے سامنے پہنچ چکی تھیں۔
''تمہیں تو اس کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں آتا...... ماشاءاللہ آنٹی بہت اسٹرونگ ہیں...... بولڈ اینڈ بریو...... وہ تو میں بعد میں پوچھ لوں گی کہ تم نے کس وجہ سے آنٹی کا موڈ خراب کیا تھا...... فی الحال تو تمہیں یہ بتا کر فون بند کر رہی ہوں کہ میں عامر کے ساتھ آٹھ ساڑھے آٹھ تک پہنچ جاؤں گی ...... اچھا سا تیار رہنا۔''
''پلیز ٹوٹو میری بات تو سنو......'' عرشلہ نے ٹوٹو کو فون بند کرنے سے روکا۔
''رات کا مطلب ہے کہ ہم ڈنر پر ساتھ ہوں گے......؟'' عرشلہ کے نازک اعصاب آگے کی تیاری کے خیال سے بوجھل ہونے لگے۔
''ظاہر ہے...... جو بنا ہوگا ساتھ بیٹھ کر کھالیں گے...... پورے تین گھنٹے ہیں...... اتنا اچھا کک تمہیں دیا ہے...... تین گھنٹے میں پچاس بندوں کے لیے کھانا تیار کر سکتا ہے۔'' ٹوٹو نے اب عجلت کے انداز میں جواب دیا تھا۔ ضرور اسے ساتھ ہی کوئی اگلا کام یاد آ گیا تھا۔
''لیکن تم آج کی میٹنگ میں فوراً شادی کی بات کرنے نہ بیٹھ جانا۔ میں عامر سے ملنے کے بعد سوچنے کے لیے ٹائم لوں گی...... میں نہیں چاہتی کہ فوراً کے فوراً انہیں کسی خوش فہمی میں مبتلا کروں...... میری پہلی شادی کا فیصلہ ممی

نے کیا تھا لیکن اب یہ ٹوٹلی میرا فیصلہ ہوگا۔" عرشلہ نے جواب دیتے ہوئے دروازے پر دستک بھی دی تھی۔ حیرت انگیز طور پر دروازہ ایک پل میں کھلا تھا گویا زین دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر ہی منتظر کھڑا تھا...... عرشلہ ایک دم گڑبڑا گئی تھیں۔

"اوکے...... ٹوٹو...... ٹیک کیئر......" انہوں نے جواب سنے بغیر عجلت کے انداز میں رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

"میں تمہارے پاس ہی آ رہی تھی کہ ٹوٹو کی کال آ گئی...... رات کو ہمارے ساتھ ڈنر پر ہوگی۔"

زین بہت الجھا ہوا نظر آ رہا تھا اور خالی، خالی نظروں سے عرشلہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عرشلہ نے اس کا بازو تھام کر گلے سے لگا لیا۔

"تم لائف کو ابھی سے اتنا سیریس نہ بناؤ...... یہ تو لائف انجوائے کرنے ہائر اسٹڈیز کے ٹارگٹ اچیو کرنے کا ٹائم ہے...... میں تو تمہیں CA کرانا چاہتی ہوں تاکہ تمہارا اپنا بزنس سیٹ اپ ہو...... جہاں سارے فیصلے تمہارے ہوں گے میں تو بس نام کی ہی چیئر پرسن ہوں گی۔ بس تمہاری کامیابیوں کو celebrate کیا کروں گی۔"

زین نے بڑی بے دلی و بے رخی سے خود کو عرشلہ سے الگ کر لیا...... اور سر جھکا کر بیڈ کی طرف بڑھا اور سیل اٹھا کر ٹائپ کرنے لگا۔

عرشلہ کے سیل پر میسج الرٹ کی بپ سنائی دی...... زین نے اسے میسج میں لکھا تھا۔

"I am not child nor foolish, I have dream of family life,my life partner,my kids. I want fulfilment otherwise why should I earn more money?"

(میں بچہ نہیں ہوں اور نہ ہی بیوقوف ہوں، میں ایک خاندانی زندگی کا خواب دیکھتا ہوں، میرا شریک سفر، میرے بچے، اگر یہ سب میری زندگی میں نہیں ہے تو مجھے زیادہ پیسہ کیوں کمانا چاہیے؟)

عرشلہ نے چونک کر زین کی طرف دیکھا وہ پھر کچھ ٹائپ کر رہا تھا اور میسج عرشلہ کے لیے ہی تھا...... عرشلہ کے سیل کی اسکرین روشن ہوئی۔

"I am suffering more then, please leave me alone" (میں پہلے سے زیادہ تکلیف میں ہوں، براہ مہربانی مجھے اکیلا چھوڑ دیں) عرشلہ تڑپ کر رہ گئیں اور آگے بڑھ کر اسے شانوں سے تھام لیا۔

"یہ پرابلم بائی برتھ نہیں ہے...... ڈاکٹرز کو 100% امید ہے کہ تم ایک مہینے کے اندر، اندر پھر سے بولنے لگو گے...... سارا سسٹم آہستہ، آہستہ ری اسٹور ہو جائے گا...... ان شاء اللہ......" عرشلہ نے ماتا سے چور لہجے میں بولتے ہوئے زین کی پیشانی چوم لی۔

"اوکے...... تم ریسٹ کرو...... چاہو تو اپنے کلاس فیلوز کو بلا لو...... میں ان کے لیے کچھ بنوا لوں گی......"

عرشلہ نے محبت پاش نظروں سے زین کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی، وہ ڈر کے مارے فری کو موضوع نہیں بنا رہی تھیں کہ زین مزید بوجھل نہ ہو جائے۔ یہی غنیمت تھا کہ اس نے خود سے فری کی کوئی بات ہی شروع نہیں کی تھی...... مگر وہ کچھ دیر پہلے شاید اتنا مایوس، دل برداشتہ، چڑچڑا نظر نہیں آیا تھا جتنا اس وقت نظر آ رہا تھا۔ چہرے پر اتنی مایوسی و شکستگی تھی گویا پردیس میں آ کر راستے میں لٹ جانے والا مسافر عرشلہ کے مقابل کھڑا تھا۔

عرشلہ تو فری کے حوالے سے اسے سمجھانے بجھانے آئی تھیں...... مگر جب زین ہی اس موضوع پر خاموش تھا تو وہ ہوائی فائر کیوں کرتیں...... وہ یوں پلٹ آئیں جیسے کوئی جان بچا کر بھاگتا ہے...... یہ الگ بات کہ زینہ اترتے ہوئے انہیں اپنی پشت پر ایک نادیدہ سا بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔ ایسا بوجھ جس سے پشت دُہری ہوئی جاتی ہو...... ٹوٹو نے الرٹ نہ کیا ہوتا تو شاید وہ سر منہ لپیٹ کر سونے کی کوشش کرتیں۔

☆☆☆

سیاہ شلوار قمیص میں ملبوس انصر ایک نئے روپ میں سامنے آیا تھا۔ چاہنے اور چاہے جانے کے عمل میں ایسا ہی ہوتا ہے...... ہمہ وقت محبوب کی آنکھیں تعاقب کرتی محسوس ہوتی ہیں...... آئینہ دیکھنے کے عمل میں بھی یہی دو آنکھیں فیصلہ کن رائے دیتی ہیں...... خود کو محبوب کی نگاہ سے دیکھنے کا تجربہ بہت نشاط انگیز ہوتا ہے...... انصر بھی روپ بدل کر سامنے آیا تھا کہ فری اس کا مشرقی پہناوا دیکھ کر کتنی حیران اور خوش ہوگی اس کی بے ساختگی اور برجستگی پھر لائقِ دید ہوگی...... اور وہ کتنی خوب صورت نظر آئے گی۔ احساسات زندگی کے حقیقی لطف سے روشناس کرا رہے تھے۔

اور فری واقعی اس کا یہ روپ دیکھ کر دم بخود رہ گئی تھی۔ نکھرا، نکھرا خوش باش آنے والے خوشیوں بھرے لمحات کا احساس سرخ و سفید رنگت کو نورانی سا عکس دے رہا تھا۔

سارہ، سالار صاحب اور فری گھر کے داخلی حصے میں دونوں باپ بیٹے کو خوش آمدید کہنے کے لیے موجود تھے۔

نعیم قریشی نے کچھ کھانے پینے کی سوغات سارہ کو پیش کیں اور انصر نے ایک بڑا سا تازہ پھولوں کا گلدستہ فری کو تھمایا جس میں بہترین نسل کے خوشبودار پھول آراستہ تھے جن کی مہک سے ماحول پُرفسوں ہو چلا تھا۔ فری نے جھک کر پھولوں کو سونگھا۔

"awesome کتنا شاندار بکے ہے پاپا ہم لوگ جو فلاورز لیتے رہتے ہیں ان میں تو اتنی خوشبو نہیں ہوتی حالانکہ فریش ہی ہوتے ہیں۔" فری نے اپنی فطری بے ساختگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ماحول میں ملے جلے قہقہے ابھرے تھے البتہ سارہ قدرے خجل سی بھی نظر آئی تھیں اور خجالت کو ہلکی سی ہنسی کے پردے میں چھپالیا تھا۔

"بیٹا...... یہ فلاورز بڑی اسپیشل جگہ سے منگوائے گئے ہیں۔" نعیم قریشی نے بے پایاں مسرت کے ساتھ فری کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

"کیا جنت سے منگائے ہیں انکل۔" فری کب باز رہنے والی تھی۔ ایک مرتبہ پھر ماحول قہقہوں سے گونج اٹھا۔

بے حساب و بے پایاں خوشیوں کے لمحات میں کسی کی توجہ بائیک کی طرف جاتے واصف پر نہیں پڑی جو حال ہی میں خریدے ہوئے مہنگے ملبوس میں اپنی پسندیدہ خوشبو لگائے بائیک میں چابی لگا رہا تھا اور وہ پانچوں قہقہے لگاتے اندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

اس نے داخلی دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بائیک کو کک لگائی۔ آسمانی جالی کا بڑا سا آنچل چار سو لہرا رہا تھا۔

"بہت اچھے سے ٹیسٹ کیے جا رہے ہیں ہم۔ اس بہانے یہ تو پتا چلا کہ بہت حوصلہ ہے، اتنی آسانی سے مرنے والے نہیں ہیں۔ زندگی باقی ہے تو بہت کچھ جاننا، دیکھنا بھی باقی ہے۔"

گارڈ نے بائیک اسٹارٹ ہونے کی آواز پر معمول کے انداز میں گیٹ وا کر دیا تھا۔

☆☆☆

"تم اپنی تیاری کرو، ڈنر پر کیا ہونا چاہیے میں دیکھ لوں گی، کک کو مینیو بتا دوں گی اور کہہ دوں گی نو بجے کھانا لگا دے۔ تم کیوں اتنی کنفیوزڈ ہو رہی ہو؟ جاؤ، جا کر شاور لو۔" ثمینہ تو یوں نظر آ رہی تھیں گویا انہوں نے زندگی بھر صحت کا کوئی مسئلہ ہی نہیں دیکھا۔ ٹوٹو کے فون کا سنتے ہی رگ و پے میں بجلیاں دوڑنے لگی تھیں۔

برسوں سے بیٹی کا گلہ سن رہی تھیں کہ "آپ نے میری شادی کا فیصلہ کیوں کیا تھا؟ مجھے تو کوئی عقل سمجھ نہیں تھی۔ میری ایجوکیشن تو مکمل ہونے دیتیں۔ آپ نے "مس سلیکشن" کیا تھا۔ آپ نے صرف اس کی "look" دیکھی تھی۔ آپ نے یہ کیا...... آپ نے وہ کیا......" وغیرہ وغیرہ۔

لاشعوری طور پر ایک "احساسِ جرم" ان کی روح میں پنجے گاڑ چکا تھا۔ جس طرح مریض شفایابی کے لیے.... بے تاب ہوتا ہے، وہ بھی اس "احساسِ جرم" کے عفریت سے نجات چاہتی تھیں۔ دل کی گہرائیوں سے عرشلہ کو خاندانی

زندگی سے لطف اندوز ہوتا ہوا دیکھنا چاہتی تھیں۔
''دیکھو، عمران کے سامنے......''
''ممی، عامر نام ہے ان کا۔'' عرشلہ کمرے سے نکلتے، نکلتے پلٹیں اور ماں کو درمیان میں ٹوک دیا۔
''او......یس، گڈ نیم......!'' ثمینہ غلط نام لینے پر قدرے خجل نظر آئیں۔
عرشلہ نے بڑی ادا سے ماں کی طرف دیکھا جیسے کچھ جتا رہی ہو۔
''ہونہہ...... آپ کو تو ''اس'' کا نام بھی ''ویری گڈ'' لگا تھا۔'' اس نے سوچا ضرور مگر بولی نہیں، خاموشی سے باہر نکل گئی اور آہستگی سے دروازہ بھی بند کر دیا۔ ثمینہ اٹھ کر وارڈ روب تک گئیں اور پٹ کھول کر اپنے لیے کوئی بہت منفرد اور قیمتی ساڑی منتخب کرنے لگیں۔
''اللہ کرے بات بن جائے۔ یہ اپنے پارٹنر کے ساتھ ہنستی کھیلتی نظر آئے۔'' دعا کرتے، کرتے ساڑیاں بھی الٹ پلٹ کرتی جا رہی تھیں۔
ہلکے سرمئی کلر کی سلک کی ساڑی جس پر copper کے رنگ کی بوٹیاں پڑی ہوئی تھیں اور گہرے سرمئی کلر کا بارڈر تھا۔ یہ بہت مہنگی ساڑی تھی جو انہوں نے دبئی کے ایک مہنگے ترین مال سے خریدی تھی اور بیس سال پہلے ایک نیو ائر ڈنر میں پہنی تھی جو آج دوسری مرتبہ استعمال ہونے جا رہی تھی۔
''لڑکی دیکھنے والے اگر سمجھدار ہوں تو لڑکی سے زیادہ اس کی ماں کو غور سے دیکھتے ہیں۔'' اپنی ماں کی کچھ تاکیدیں، نصیحتیں آج بھی ان کے پلو سے بندھی رہتی تھیں۔
''ٹوٹو نے اتنی تعریفیں کی ہے، کچھ تو ہوگا ناں۔'' وہ سوچ رہی تھیں۔ چاروں طرف امید کے دیے جگمگا رہے تھے۔

☆☆☆

''چڑھتا چاند......؟ .... you mean.... rising moon....؟''
انصر نے بڑی سادگی و حیرانی سے پلکیں جھپکا کر سارہ کی طرف دیکھا۔
''جی بیٹا، اپنے بڑوں سے سنا ہے خوشی کی تقریب کے لیے چاند کی شروع کی تاریخیں اچھی ہوتی ہیں۔''
''آنٹی، کیا آپ کے ایلڈرز (بڑے) آسٹرولوجرز تھے؟'' انصر کے سوال میں اتنی بے ساختگی تھی کہ نعیم قریشی اور سالار صاحب قہقہہ لگائے بغیر نہ رہ سکے۔ فری کو ماں کی باتیں دقیانوسی لگ رہی تھیں۔ وہ خاصی شرمندگی محسوس کر رہی تھی کہ ''ماڈرن دنیا'' کا باسی ماں کے بارے میں کیا سوچے گا۔ کہیں شادی کے بعد اس کا مذاق نہ بنائے۔
''نہیں بیٹا، اس کا آسٹرولوجی سے کوئی لینا دینا نہیں۔ پرانے لوگوں کے اپنے تجربات تھے، بس یہی کہہ سکتے ہیں۔''
''بھابی، آپ بتایئے، جو ڈیٹ آپ بتائیں گی اسی دن نکاح ہوگا۔'' نعیم قریشی نے سارہ کو مکمل اختیار دے دیا۔
''کم آن سارہ، چھوڑو یہ چاند سورج کی باتیں۔ بس یہ سوچو کہ دور کے مسافر ہیں، اپنے کام چھوڑ کر یہاں بیٹھے ہیں، ان کی سہولت دیکھو۔'' سالار صاحب نے کوفت چھپا کر قدرے نرمی سے سارہ کو ٹوکا۔
''آپ تو بس رہنے دیں۔ جب نعیم بھائی کو مسئلہ نہیں تو آپ کیوں نمبر بنا رہے ہیں۔''
آج سے پہلے شاید سارہ کو بھی یہ ادراک نہیں تھا کہ وہ دیگر ماؤں کی طرح اچھی خاصی وہمی ہیں۔
فری اپنے سیل پر انگلیاں چلاتے، چلاتے فوراً بولی۔
''انصر، ہم لوگ پرسوں نکاح کر لیں؟ میں نے مون کی ڈیٹ چیک کر لی ہے تاکہ ماما اوور تھنکنگ سے بچ جائیں۔'' فری نے اتنی سادگی سے براہ راست انصر کو مخاطب کیا تھا کہ سارہ پر تو گھڑوں پانی پڑ گیا مگر نعیم قریشی اور سالار صاحب بہت لطف اندوز ہوئے۔

''بیٹا، آپ دونوں کورٹ میرج کرنے نہیں جا رہے، آپ کے بڑے آپ دونوں کو ''اچھے سے'' باندھ رہے ہیں۔''
نعیم قریشی تو فری کی سادگی پر گویا لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ انصر نے اپنے تاثرات چھپانے کے لیے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔ فری حیرت سے ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔
''کیا میں نے کچھ غلط بول دیا؟'' اس نے سارہ کی طرف فکرمندی سے دیکھا کیونکہ ''غلط بولنے'' پر ''کلاس'' تو ماں ہی نے لینا تھی۔
''نہیں بیٹا، کوئی غلط بات نہیں کی۔ پرسوں نکاح کر لیتے ہیں۔ اچھی بات ہے۔ آپ نے تو مسئلہ ہی حل کر دیا۔'' نعیم قریشی نے برابر میں بیٹھی فری کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ انصر، سارہ کے ساتھ تھا۔ نعیم قریشی کے دائیں بائیں فری اور سالار صاحب بیٹھے تھے۔
''نعیم بھائی، پلیز آپ اپنی بات کیجیے، یہ تو بس ایسے ہی......!'' سارہ جز بز ہو رہی تھیں۔
''کوئی بات نہیں بھابی، کوئی مسئلہ نہیں بلکہ میں تو ابھی فری کے ذمے ایک اور کام لگا رہا ہوں۔''
نعیم قریشی کی بات پر سب ان کی طرف الجھن بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔
''نکاح کے بعد ڈاکومینٹیشن پراسس شروع ہو جائے گا۔ جیسے ہی تمام پراسس مکمل ہو، فوراً ہمیں رخصتی کی ڈیٹ نکال کر دینا۔'' نعیم قریشی نے بہت شفقت بھری نگاہوں سے فری کی طرف دیکھا۔
''ڈونٹ وری...... یہ کام تو......''
''فری بس کر جاؤ......'' سارہ کو مجبوراً ٹوکنا پڑا۔
''آنٹی...... آپ اس کو نہ ٹوکا کریں...... یہ تو اس کی پرسنالٹی ہے......'' انصر نے فوراً فری کو شرمندہ ہونے سے بچا لیا تھا۔
''ڈن ہو گیا...... بیس پچیس لوگوں کو آواری میں ڈنر پر انوائٹ کرتے ہیں اور ان کا نکاح پڑھوا دیتے ہیں۔''
''آواری میں انکل...... میں تو......'' فری نے کچھ کہنا چاہا۔
سارہ نے فوراً آگے جھک کر سالار صاحب کے ہاتھ سے خالی گلاس لیا اور کھڑی ہو کر بولیں۔
''میں کھانا لگوا رہی ہوں...... باقی باتیں کھانے کی ٹیبل پر......'' ان کی مداخلت ایک اشارہ تھی...... فری نے خود ہی اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ اور چوری، چوری ماں کی طرف دیکھا تھا۔
انصر اور نعیم قریشی ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

☆☆☆

ثمینہ، ٹوٹو اور ٹوٹو کا کزن عامر ڈرائنگ روم میں عرشلہ کا انتظار کر رہے تھے حالانکہ ٹوٹو نے میسج بھی کیا تھا کہ عرشلہ تیار ہو کر انہیں ویلکم کرے...... مگر عرشلہ بہت زیادہ تذبذب کا شکار تھیں...... مسلسل دو حصوں میں منقسم تھیں...... آدھا ذہن زین کی طرف اور آدھا عامر کی طرف تھا۔
عامر نے کئی مرتبہ رسٹ واچ پر نظر دوڑا کر ٹوٹو کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ ثمینہ بھی کوفت کے عالم میں بار، بار اپنی ساڑی کا آنچل سنبھال رہی تھیں۔ عامر پہلی ہی نظر میں قابلِ قبول لگا تھا۔ تھری پیس سیاہ رنگ کا سوٹ، سیاہ سرخ چیک کی ٹائی...... کوٹ کی اوپری جیب میں اٹکا سرخ رومال جو صرف اتنا نظر آ رہا تھا کہ گویا افق سے طلوع ہوتا نیا سورج...... ٹائی پن کے ڈائمنڈ ڈرائنگ روم کے فانوس کی روشنیوں میں اس طرح منعکس ہو رہے تھے کہ آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔
پچاس، پچپن کا سن تھا...... کنپٹیاں سفید اور بال گرے تھے...... اس کا صاف مطلب تھا کہ وہ بال رنگنے کے تکلفات سے مبرا ہے...... گندمی رنگت جو کبھی سانولی رہی ہو گی لیکن پرتعیش زندگی نے ایسی چمک دمک عطا کی تھی کہ

چہرہ اچھی خوراک اور خوشحالی کا آئینہ بن چکا تھا۔

''میں دیکھتی ہوں یہ کر کیا رہی ہے......'' عجلت پسند ٹوٹو اب مزید انتظار نہ کر سکی اور ایک جھٹکے سے تنتناتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی......مگر ایک قدم بھی نہیں اٹھایا تھا کہ عرشلہ اندر داخل ہوئیں۔

بے بی پنک یا پیازی رنگ کے لانگ ڈریس میں ملبوس دوپٹے کے بغیر......تراشیدہ بالوں کی سادہ سی پونی بنائے......بال سمٹنے کی وجہ سے چہرہ بہت نمایاں تھا......اسکن پالش سے دمکتا چہرہ، پیازی چمکدار لپ اسٹک......مسکارے سے بوجھل پلکیں......مگر آنکھوں میں سرمہ، کاجل نام کی کوئی لکیر نہیں تھی۔

وہ اس وقت یورپ کے کسی مال میں شوکیس میں سجی گڑیا کی طرح نظر آرہی تھی...... چالیس بیالیس سال کی پختہ عمر عورت ہونے کے باوجود اٹھائیس، تیس سال کی غیر شادی شدہ لڑکی محسوس ہو رہی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ عامر ایک لمحے کے لیے ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔ کیونکہ وہ تو ٹوٹو کے کرائے گئے تعارف کے تناظر میں عرشلہ کا تصور بنا کر بیٹھا تھا۔

''السلام علیکم......ایوری باڈی......'' عرشلہ نے اپنی گھبراہٹ چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اپنی جان لیوا مسکراہٹ کے ساتھ سلام کیا۔

عرشلہ کی تیاری اور ظاہری حالت دیکھ کر ثمینہ نے گویا سکھ کی سانس لی تھی۔ اور بڑے فخریہ انداز میں عامر کی طرف دیکھا گویا کہہ رہی ہوں کہ محترم تمہاری لاٹری نکلنے جا رہی ہے۔

عامر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور عرشلہ کی طرف، قدرے جھک کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

اب عرشلہ نے ہاتھ تھامنے سے پہلے ہاتھ بڑھانے والے کی طرف غور سے دیکھا تھا۔ ثمینہ اور ٹوٹو یہ دلفریب نظارہ بہت دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔ عرشلہ نے عامر کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا اس نے دیکھا عرشلہ نے اسکن کلر دستانے پہنے ہوئے تھے......حالانکہ کووڈ کا طوفان گزر چکا تھا۔

ٹوٹو نے بھی خاص طور پر یہ بات نوٹ کی تھی کیونکہ اس نے تو سردیوں میں بھی عرشلہ کو دستانے پہنے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

عامر کو ہاتھ کی نرمی سے زیادہ اچھی کوالٹی کے دستانے نے گویا متاثر کیا تھا......بہر حال دستانے پہنی ہوئی لڑکی نما خاتون پہلی نظر میں دل میں اتر گئی تھی۔ گھاٹ، گھاٹ کا پانی پینے والا مرد پہلی نظر میں عورت کو جانچ لیتا ہے......گھبراہٹ میں پلکیں جھپکاتی بار، بار ماں کی طرف دیکھتی...... باوقار ملبوس برائے نام میک اپ......ایک دو بار عامر کی طرف دیکھ کر مسکرائی بھی تاکہ عامر کو یقین آجائے کہ وہ بہت خود اعتماد یا پُر اعتماد ہے۔

حقیقت یہ تھی کہ عامر کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ یہ خاتون شادی شدہ زندگی گزار چکی ہیں اور دو تین مرتبہ ماں بننے کے مراحل سے بھی گزر چکی ہیں۔

''ایکچوئیلی آنٹی...... میں ٹائم ویسٹ کیے بغیر آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں عرشلہ سے ملے بغیر ہی انہیں قبول کر چکا ہوں۔'' عامر کی آواز بہت بھاری، جاذب اور مردانگی کا مظہر تھی...... عامر کی بات سن کر ٹوٹو تو بس مسکرا کر رہ گئی مگر ثمینہ اور عرشلہ کے لیے تو یہ جملہ ایک دھماکا تھا۔

ثمینہ خوشی اور حیرت سے ساکت تھیں تو عرشلہ حیرت کی انتہا پر شک کے دریا میں غوطہ زن ہو چکی تھیں۔

''میں بتاتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے......ٹوٹو اور میں ایک دوسرے کو بہت اچھے سے جانتے، سمجھتے ہیں......ہم بہت عرصہ ایک دوسرے کے ساتھ رہے ہیں۔ پھر یہ پاکستان میں سیٹل ہو گئی اور میں اسپین چلا گیا۔ مگر ہم فاصلوں کے باوجود بہت اچھے دوست ہیں......بہن، بھائی یا کزن بھی ہیں مگر دوستی کا کوئی مول نہیں......اس نے عرشلہ کی بات کی میں نے کہا اوکے ڈن......''

عرشلہ تو یہ سب سن کر اچھی خاصی بدحواس ہو چکی تھیں۔

''اس نے سب کچھ بتا دیا ہے آپ کو......؟ آپ نے ایسے کیسے ڈن کر دیا؟'' عرشلہ کے منہ سے گھبراہٹ میں سیدھی سچی بات ہی نکل سکتی تھی۔

''اب ثمینہ بھی خاصی الجھی، الجھی نظر آرہی تھیں......شک بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''اوہ یس......ٹوٹو نے سب بتایا ہے۔ شادی کے وقت آپ کی عمر انیس سال تھی۔ آپ کا پہلا بے بی پری میچور تھا......سیکنڈ abort ہو گیا تھا تھرڈ بے بی پیدا ہونے کے کچھ دن تک زندہ رہا۔ اس کی فزیکل کنڈیشن ابنارمل تھی......ایک بے بی اڈاپٹ کرنے کے بعد آپ کو ڈائیورس ہو گئی۔ آپ کی شادی کی ڈیٹ، آپ کی ایجوکیشن......ٹوٹو نے سب بتا دیا ہے۔'' عامر اتنی روانی سے بولا کہ ثمینہ نے سکون کی گہری سانس لی اور خود کو یوں ہلکا پھلکا محسوس کیا گویا نرم پروں کے ساتھ بسیط فضاؤں میں اڑ رہی ہوں۔ اب انہوں نے نئے سرے سے عامر کا سر سے پاؤں تک جائزہ لیا......نگاہیں کہہ رہی تھیں کہ عامر اب ان کا ''اثاثہ'' ہے......وہ اس خیال پر مستحکم تھیں کہ ہر وہ شے جو انہیں سہارا اور قوت دیتی ہے وہ ان کا اثاثہ ہے۔

عرشلہ تو اتنی مبہوت تھیں کہ بات کرنے کے قابل ہی نہیں رہی تھیں۔

''دیکھو......عرشی......عامر کی طرف سے سب کچھ کلیئر ہے۔ اب تم پر ہے اگر تم اوکے کرتی ہو تو پھر شادی میں بلاوجہ کی دیر نہیں ہونی چاہیے......عامر کو واپس واشنگٹن جانا ہے......تمہارے پاس بھی انٹرنیشنل پاسپورٹ ہے تم ساتھ جا سکتی ہو وزٹ ویزا پر باقی پراسس ہوتا رہے گا......تم آتی جاتی رہنا......آنٹی بھی تمہارے ساتھ جا سکتی ہیں۔ وہاں آنٹی اپنا میڈیکل چیک اپ بھی کرا سکتی ہیں......عامر تمہیں فل سپورٹ کرے گا۔''

''اور زین......؟'' عرشلہ نے ہچکچاتے ہوئے بچوں کی طرح پلکیں جھپکائیں......اور ایک لمحے کے لیے ماحول پر سناٹا طاری ہو گیا۔

ثمینہ نے کسمسا کر پہلو بدلا......آنچل ڈھلکایا......پھر کاندھے پر جمایا۔ ٹوٹو کی حاضر دماغی بھی وقتی طور پر متاثر ہوئی۔

ثمینہ اپنی ناگواری چھپانے کی خاطر اپنی چھڑی کو فرش پر ٹکا کر گھما رہی تھیں۔

''افوہ......زین اپنے گھر میں ہے......ہم تو ہنی مون پیریڈ ڈسکس کر رہے ہیں......پھر اس کی ایجوکیشن ہے......لنکس ہیں۔ ڈونٹ وری، یہ بھی دیکھ لیں گے......ابھی صرف شادی کی بات ہو رہی ہے......'' ٹوٹو نے صورتِ حال پر فوراً ہی قابو پا لیا تھا۔

''کیا میں اس وقت زین سے مل سکتا ہوں......؟'' عامر کی طرف سے غیر متوقع فرمائش ہوئی تھی......ثمینہ اور عرشلہ نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

''اس وقت پاسیبل نہیں ہے عامر......وہ فی الحال بیڈ ریسٹ پر ہے اس کی ٹریٹ منٹ ہو رہی ہے۔'' ٹوٹو نے پھر مشکل آسان کی......کیونکہ وہ تو عرشلہ کی شادی کرانے کی صرف خواہش مند ہی نہیں تھی باقاعدہ تلی ہوئی تھی۔

''پلیز......آپ لوگ مجھے تھوڑا سا ٹائم دیں......پلیز......اس لیے کہ میں زین کو کانفیڈنس میں لیے بغیر کوئی اسٹیپ نہیں لے سکتی۔'' اتنی دیر میں پہلی بار عرشلہ نے بہت مضبوطی و اعتماد سے بات کی تھی اور یہ قوت محبت کی قوت تھی......جو بپھرے ہوئے دریا کی طرح آگے بڑھتی ہے۔

ثمینہ کا تو حلق تک کڑوا ہو گیا تھا......غصہ دبانا ایک مرحلہ بن رہا تھا۔ سیدھی، سیدھی بات میں کیل کانٹے پھنسا دیے تھے۔

''یس......آف کورس......میں اپنی حد تک فیصلہ کُن بات کر رہا ہوں عرشلہ، آپ جتنا ٹائم لینا چاہتی ہیں لیجیے......یہ آپ کا رائٹ ہے۔'' عامر نے بہت باوقار انداز میں عرشلہ کو مطمئن کیا تھا۔

''تم بس یہی کیا کرو...... میں تو خوش ہو رہی تھی کہ آج میں expected couple کے ساتھ ڈنر کر دوں گی۔'' ٹوٹو نے منہ بنا کر ثمینہ کی طرف دیکھا جو بہت کوشش کر کے خود پر قابو پا رہی تھیں۔

''تمہیں اپنے خیالات بدلنے کی ضرورت نہیں ہے ٹوٹو...... میں عامر سے مل کر بہت خوش ہوں اور پُرسکون بھی......'' ثمینہ اسی طرح خود پر قابو پا سکتی تھیں کہ اپنی طرف سے فیصلہ کُن اعلان کر دیں...... ٹوٹو خوشی سے کھلی پڑ رہی تھی۔

یہ سن کر عامر آگے بڑھا اور ثمینہ کا ہاتھ احترام سے اپنے ہاتھ میں لے کر ہاتھ کی پشت پر نرمی سے ایک بوسہ ثبت کیا۔

''تھینک یو ویری مچ آنٹی......''

عرشلہ یوں دیکھ رہی تھیں گویا انہیں کچھ بھائی نہیں دے رہا ہو۔

☆☆☆

عالی شان و عالی جاہ کی منت کے انداز میں درخواست آئی تھی کہ وہ پندرہ منٹ پہلے چھٹی دے دیں ان کے بیسٹ فرینڈ کی برتھ ڈے ہے ٹائم سے پہنچنا ہے...... پہلے تو واصف قدرے متذبذب ہوا کہ بچوں نے براہ راست درخواست کی تھی بجائے اس کے کہ داؤد دہلوی اس سے فون پر رابطہ کرتے۔

مگر آج ویسے بھی اس نے صرف پوائنٹس لکھوانے تھے...... اگلے ہفتے کے لیے نوٹس رات ای میل کے ذریعے ارسال کر دیے تھے اور تین دن کا وقت دیا تھا تیاری کے۔ لیے جیسے کہ وہ معمول کے انداز میں کرتا تھا۔ نوٹس کے بعد وہ ٹیسٹ لے کر چیک کرتا تھا بچوں کے ڈرائنگ روم سے جانے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ ان معصوموں نے تو گویا آج اس پر احسان ہی کیا تھا...... کسی بھی کام پر توجہ دیر تک مبذول نہیں ہو پا رہی تھی بار، بار ایک سراپا...... سائے کی طرح یہاں وہاں متحرک دکھائی دیتا۔

شور، سناٹا، سکوت و چیخ و پکار...... روشنی، تاریکی، پورا چاند یا مکمل گرہن سوا نیزے کا سورج یا بھادوں کی نہ ٹلنے والی گھٹائیں، شہنائی، ماتم، شرف و نحس...... جیسے بیمار کی زبان ذائقے کا احساس کھو دیتی ہے۔ اس وقت کوئی شے تقابلی احساس نہیں دے سکتی تھی...... ایک سا وقت ایک ہی پہر ایک ہی رنگ، ایک ہی کیفیت...... نہ خیال کی تبدیلی، نہ تبدیلی کی تمنا، خون پمپ کرتا ہوا دل...... ماضی و مستقبل کے جھگڑوں سے آزاد دماغ......

آج اس نے زندگی کو بالکل نئے روپ میں پایا تھا۔ ماں کی دعا لگی تھی اکھاڑ پچھاڑ، توانائی کے زیاں سے بچ گیا تھا۔ بھاری فیس ایڈوانس کی مد میں نہ لے چکا ہوتا تو شاید احساس ذمے داری کی زنجیر اتنی مضبوط نہ ہوتی...... اور آج کی رات شاید ساحل کنارے بیٹھ کر جانے کب تک لہروں کا شور سنتا...... آتے ہوئے بحری جہازوں کی ٹمٹماتی روشنیاں دیکھتا......

مگر بغیر محنت کام سے پہلے لی گئی ایڈوانس فیس جس میں سے اچھی خاصی رقم وہ کپڑوں کی شاپنگ پر خرچ بھی کر چکا تھا۔

اس نے اپنی دونوں رانوں پر مضبوطی سے ہاتھ جما کر اٹھنے کی کوشش کی تھی کہ تیز خوشبوؤں کی لپیٹیں ڈرائنگ روم کے اندرونی دروازے سے اندر داخل ہوئیں...... واصف یوں چونکا...... گویا اس سے پہلے وہ بے ہوش تھا۔

برقی سرعت کے ساتھ اس کا ذہن داؤد دہلوی کی بہن کی طرف ہی جا سکتا تھا۔ حالت غیر ہونے لگی جی چاہا...... سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاؤں...... اور اس نے یہ کیا بھی...... دو لمبے ڈگ بھرے اور دروازے تک جا پہنچا...... ہینڈل پر ہاتھ دھرا ہی تھا کہ عقب سے خوشبوؤں نے اس کے وجود کو گھیرا اور جکڑا اور ساتھ ہی آواز آئی۔

''ہیلو ٹیچر، کہاں چل دیے بھئی......؟ have a seat please'' اُف...... کتنی فارغ، فضول زندگی

تھی......اب ایک دم سے اتنا سارا کام مل گیا ہے صدقے ہی جاؤں سوہنے رب کے......حالتِ بے بسی میں رب ہی یاد آتا ہے۔ پلٹ کر دیکھنا ایسا ہی تھا جیسے قاف کے جنگل میں مڑ کر دیکھنا......اور پتھر کا بن جانا۔

''بچے تیار ہو رہے ہیں، میں نے سوچا کہ کچھ دیر تم سے گپ شپ کر لیتی ہوں......تمہارے بیک گراؤنڈ کا تو مجھے بالکل بھی نہیں پتا......داؤد تو مجھ سے کچھ بھی شیئر نہیں کرتا......بس اسے تو ہر وقت میری میڈیسن کی فکر پڑی رہتی ہے......میں تو ساری میڈیسن فلش کر دیتی ہوں......کیا پاگل ہوں جو ہر وقت ٹیبلٹ پھانکتی رہوں......''

موصوفہ نے واصف کے پلٹ کر دیکھنے کا بھی انتظار نہیں کیا اور شروع ہو گئیں۔

''ایکچوئیلی میم......میرے کافی اسٹوڈنٹس میرا ویٹ کر رہے ہیں ورنہ میں آپ کو ضرور ٹائم دیتا۔ کوئی بات نہیں......کل ان شاءاللہ......''

''جہنم میں جائے کل......آج کی ابھی کی بات کیا کرو مجھ سے......اب بیٹھ جاؤ آرام سے۔''

بیٹھنے کا حکم صادر ہوا اور وہ بھی ''آرام سے'' بیٹھنے کا......مگر وہ بھی ماں کا اکلوتا لاڈلا بیٹا تھا......تر نوالہ نہیں تھا۔

''ایکسٹریملی سوری میم......میں لیٹ ہو رہا ہوں......ان شاءاللہ......!''

''پانچ منٹ سے کوئی فرق نہیں پڑتا......ایک، ایک گھنٹا ٹریفک میں بھی تو پھنس جاتے ہیں۔ سٹ ڈاؤن پلیز۔'' واصف کی بات کاٹ کر حکم جاری ہوا۔

''مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں......کل تک بھول جاؤں گی......'' موصوفہ نے پُرزور اصرار کیا تو واصف کو اندازہ ہوا کہ ہاں، نہیں کے چکر میں ویسے بھی وقت ضائع ہو رہا ہے۔ بہتر ہے کہ محترمہ کو پانچ دس منٹ دے کر جان چھڑائے۔

وہ مؤدبانہ انداز میں سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

''میرا نام جانتے ہو......؟'' محترمہ میرون شیفون کی ساڑی میں غضب ڈھا رہی تھیں۔ واصف نے چونک کر سر اٹھایا......اسے یقین تھا کہ نام نہیں جانتا ایک لمحے کو بس یاد کرنے کی کوشش کی تھی کہ پہلی ملاقات میں محترمہ نام تو بتا نہیں بیٹھی تھیں اور وہ بھول گیا ہو......اور کہیں بھولنے کی وجہ سے بھاؤ کی نہ سننے کو ملے۔

''جی......مسز......'' اس نے ذرا ہوشیاری سے کام لینے کی کوشش کی تاکہ محترمہ آگے خود ہی اپنا نام بول پڑیں جیسے کہ ان کو بولنے کی جلدی ہوتی ہے۔

''مسز......؟ ناٹ مسز......مر گیا وہ جس کی میں مسز تھی اور وہ سب جو مجھ سے شادی کے خواب دیکھیں......'' موصوفہ یک دم گرجنے لگیں۔

''مہ لقا نام ہے میرا......اور میرے نام کا مطلب ہے چاند کا ٹکڑا......مگر تم مجھے مس علوی کہہ سکتے ہو......'' پہاڑ سے چٹانی پتھر لڑھکنے لگے۔ دور، دور تک دھول کے بگولے اڑنے لگے......مناظر اوجھل ہونے لگے۔ دو جوان بچوں کی ماں......خود کو ''مس'' کہلوانے پر مُصر تھی۔

''لیکن مجھے آپ کو نام سے بلانے کی ضرورت ہی کیا ہے......آپ کو میم کہتا ہوں......یہ کافی ہے۔'' واصف نے دروازے کی طرف یوں دیکھا جیسے اسپر نٹر ون ٹو تھری سنتے ہوئے پاؤں کے نیچے نشان کو دیکھتا ہے اور سیٹی کی آواز پر بگٹٹ بھاگتا ہے اور وہ بھی کسی سیٹی کی غیبی آواز کا منتظر تھا۔

''شاہانہ اور گلو آپا کہتی ہیں کہ داؤد کا گھر میری وجہ سے خراب ہوا ہے۔ اس لیے اللہ نے مجھے سزا دی ہے جو وہ......(گالی) دوسری شادی انجوائے کر رہا ہے۔ میری طرف دیکھو......کیا میں ایسی لگتی ہوں کہ لوگوں کی طلاقیں کرواتی پھروں؟''

''آپ دل پر نہ لیں......لوگوں کا کیا ہے......لوگ تو فضول باتیں کرتے رہتے ہیں۔'' واصف کی جانتی تھی بلا

کہ شاہانہ اور گلو آپا کس براعظم میں پائی جاتی ہیں...... اسی وقت ڈرائنگ روم کا دروازہ جھٹکے سے کھلا گھر کی بوڑھی پارسی میڈ نے اندر سر کر کے جھانکا۔

''بابا لوگ تیار ہے۔''

واصف نے خدا حافظ بولنے کا تکلف بھی نہیں کیا...... تیر کی طرح دروازے کی طرف لپکا۔ پھرتی اس کمال کی تھی کہ مہ لقا بیگم پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھیں۔ کیونکہ انہوں نے جس وقت میڈ کی طرف دیکھا اسی وقت واصف نے دوڑ لگائی تھی۔ مہ لقا کچھ کہنے کے لیے لفظ ہی ڈھونڈتی رہ گئیں۔

بائیک کو کک لگاتے ہوئے بھی اندیشہ مند تھا کہ پیچھے سے آ کر نہ دبوچ لیں...... میرون ساڑی سلیوز لیس بلاؤز، بڑی، بڑی جھمکیاں، ایک فٹ لمبا موتیوں کا ہار...... سر پر ایک کلو کا مصنوعی بالوں کا جوڑا......

بائیک چلاتے ہوئے چاروں طرف بہروپ بھرتی کوئی آسیبی مخلوق نظر آ رہی تھی۔

''ماں سے بولوں گا آج تو دو تین سپارے پڑھ کر مجھ پر دم کریں۔''

داؤد علوی کے گھر سے باہر آتے ہی یوں لگا گویا انتہائی نازک صورت حال سے گزرنے کے بعد نئی زندگی ملی ہو...... ''میڈیسن فلش کر دی جائیں گی تو پھر یہی ہوگا...... اس طرح کے لوگ گھر میں رکھے جاتے ہیں پھر انوائٹ بھی کیسے جاتے ہیں؟'' حیرانی کا پارہ چڑھتا ہی جا رہا تھا۔

☆☆☆

''بھابی...... شارٹ نوٹس پر آپ کا ڈنر لاجواب ہوتا ہے۔'' کھانے کی میز سے اٹھتے ہوئے نعیم قریشی نے سارہ کا مان بڑھایا۔

''ایسا بھی کچھ خاص اہتمام نہیں ہوا...... مگر آپ دل رکھتے ہیں...... بہت شکریہ۔''

''ماما...... کیا بولیں آپ...... دل کیسے رکھتے ہیں؟''

ڈائننگ سے ملحق لاؤنج میں ٹوسیٹر پر فری، انفر کے ساتھ بیٹھی ہوئی سوئٹ ڈش سے لطف اندوز ہو رہی تھی جبکہ انفر آئس کریم کھا رہا تھا۔ دونوں سوئٹ لے کر لاؤنج میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔

''بیچ میں مت بولو...... تمہیں یہ کام نہیں آتا۔'' سارہ نے ہلکے پھلکے انداز میں بیٹی کو جواب دیا تھا جس پر سالار صاحب اور نعیم قریشی ہنس دیے تھے اور انفر نے معنی خیز انداز میں فری کی طرف دیکھا تھا۔

''دل کیسے رکھتے ہیں...... یہ بھی مجھے سکھانا پڑے گا؟'' انفر کی آہستہ آواز سرگوشی کے مثل تھی۔

''آپ کا تو رکھ لیا ہے سنبھال کر...... آپ ٹینشن نہ لیں۔'' فری نے بھی دبی آواز میں برجستہ جواب دیا تھا۔

''دل رکھنا مذاق نہیں ہوتا...... سنبھالنا بھی ہوتا ہے......'' انفر نے شریر مسکراہٹ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی۔

''صرف ایک ہی دل سنبھالنا ہے ناں...... کام زیادہ نہ ہو تو میں اچھے سے کر لیتی ہوں...... don't bother'' اس نے جواباً شرارت کی۔

نعیم قریشی اور سالار صاحب دونوں کو خوش باش باتوں میں مگن دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے...... اور ڈرائنگ روم میں کافی ٹیبل پر باتی کی گپ شپ کے ارادے سے قدم بڑھا دیے تھے...... اپنے حساب سے بچوں کو آپس میں بات چیت کا موقع بھی دے رہے تھے۔

''تیاری تو مکمل ہے ناں فری...... عین وقت پر تو کچھ یاد نہیں آئے گا......'' اچانک انفر کے فطری احساسِ ذمے داری نے فری کے بے پروا مزاج کی طرف متوجہ کیا۔

''100٪ اور تیاری بھی ایسی کہ بس...... آپ بھی کیا یاد کریں گے۔'' فری نے الفاظ کے ساتھ انگوٹھے سے پرفیکٹ ہونے کا اشارہ بھی کیا تھا۔ اسی آن اوپر سے کسی شیشے کے برتن ٹوٹنے کا چھناکا ہوا تھا۔

فری اور انصر چونک کر آواز کی سمت دیکھنے لگے تھے۔
''اوہو..... لگتا ہے شمسہ کے ہاتھ سے کوئی گلاس گر گیا.....'' کچن کی طرف جاتی ہوئی سارہ نے غیر ارادی طور پر یہ الفاظ ادا کیے تھے۔
''شمسہ.....؟'' انصر نے فری کی طرف دیکھا۔
''میری پھپھو ہیں۔'' فری نے جانے کیوں نظریں چرائی تھیں۔
''آپ کی پھپھو آئی ہوئی ہیں.....؟'' انصر نے اپنا خالی باؤل ٹیبل پر رکھ کر ٹشو پیپر کھینچا۔
''ہمارے ساتھ ہی رہتی ہیں، شروع سے۔'' فری کو نہ بات بنانا آتی تھی نہ جھوٹ بولنا۔
''گڈ..... ساتھ رہتی ہیں تو ہم لوگوں سے ملی کیوں نہیں.....؟'' انصر کو قدرے الجھن سی ہوئی کہ گھر کے ایک فیملی ممبر سے ابھی تک ان کا تعارف نہیں ہوا۔
''ایکچوئیلی..... ان کا اپنا سیٹ اپ ہے، میرا خیال ہے انکل کو تو پتا ہے اپنے بیٹے کے ساتھ رہتی ہیں لیکن اب اپنے گھر میں شفٹ ہو رہی ہیں..... شاید ایک دو، تین دن میں شفٹنگ شروع ہو جائے گی۔''
''فری، آپ کی پھپھو آپ کے ساتھ رہتی ہیں، فیملی ممبر ہیں مجھے ان کو سلام تو کرنا چاہیے ناں۔'' انصر کو سسرالیات کی نئی، نئی سمجھ آ رہی تھی..... اخلاقیات کے دورے پڑنا فطری عمل تھا۔
''ایک منٹ..... ماما سے پوچھ کر چلتے ہیں.....'' فری قدرے جز بز نظر آ رہی تھی۔
''اوپر ہی تو جانا ہے..... اس کے لیے پرمیشن چاہیے.....'' انصر نے لاؤنج کے ایک سرے سے اطالوی طرز کے زینے کی طرف دیکھا جو گراؤنڈ کو فرسٹ فلور سے ملا رہا تھا..... انداز میں قدرے حیرت بھی تھی۔
''اوکے..... چلتے ہیں دو منٹ کے لیے۔'' فری بغیر سوچے اب کھڑی ہو گئی۔
''ماما، میں انصر کے ساتھ پھپھو کے پاس جا رہی ہوں.....'' اس کی آواز اتنی واضح تھی کہ کچن میں سارہ کے ساتھ، ساتھ ڈرائنگ روم میں کافی کا انتظار کرتے سالار صاحب نے بھی سنی۔
سارہ متفکر ہوئیں..... پھر یہ سوچ کر پُرسکون ہو گئیں کہ اس وقت واصف تو گھر پر نہیں ہوتا، شمسہ اکیلی ہی ہو گی۔ ساتھ ہی یہ بھی سوچ رہی تھیں کہ ضرور فری نے انصر کو پھپھو سے ملانے کی پیشکش کی ہو گی۔
مگر سالار صاحب کی ساری خوشگواری ہوا ہونے لگی تھی۔ وہ نعیم قریشی سے نگاہ بچا رہے تھے۔
''یہ انصر کو لے کر اوپر کیوں جا رہی ہے.....؟'' سخت کوفت نے آ گھیرا تھا۔

☆☆☆

شمسہ ٹوٹے ہوئے گلاس کے ٹکڑے سمیٹ کر کچن کے ڈسٹ بن میں الٹ رہی تھیں۔ برش اور پین ہاتھوں میں پکڑے پلٹیں تو محسوس ہوا کوئی زینے سے اوپر آیا ہے۔
''نیچے تو ''مہمانداری'' ہو رہی ہے.....'' کافی دیر سے باتوں، قہقہوں اور برتنوں کے کھڑکنے کی آوازیں سن رہی تھیں..... ابھی سوچ ہی رہی تھیں کہ شاید واصف جلدی آ گیا ہے کہ فری سامنے آ کھڑی ہوئی..... خوشی بلکہ فرطِ مسرت سے تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ۔
''آج یقیناً میرے سر کی بلاؤں نے دوڑ لگائی ہے..... ہائی داوے کیا ٹوٹا پھپھو.....؟'' گھر کی کسی نوکرانی سے کبھی کوئی پلیٹ ٹوٹی تھی تو اس نے ماں سے سنا تھا کہ کوئی بات نہیں شیشے کی شے ٹوٹنے سے آئی بلا ٹلتی ہے۔ خوشی کے عالم میں تو ویسے ہی انسان جذباتی ہو کر کچھ زیادہ ہی بول جاتا ہے۔ سو فری بھی مذاق کر رہی تھی۔
''ارے..... گلاس ٹوٹ گیا..... وہ واصف جلدی میں کنارے پر ہی ٹکا گیا ہو گا..... میں نے دوپٹا پیچھے کیا تو نیچے آ گیا۔ خیر تم خیریت سے آئیں..... مہمان چلے گئے؟'' شمسہ نے محبت پاش نظروں سے فری کو سر تا پا دیکھا۔

''آپ کے گھر ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔'' فری نے مخصوص لا ابالی پن کے انداز میں یوں کہا جیسے کوئی خاص بات نہ ہو...... مگر شمسہ سن کر بدحواس ہوگئی تھیں...... مہمان کو لے کر آئی ہے وہ بھی خاص مہمانوں کو اور نخرے باتیں بنا رہی ہے...... گھبراہٹ چھپانے کے لیے اپنا دوپٹا درست کرنے لگیں۔ مارے احتیاط کے مزید کوئی سوال نہ کیا اور کچن سے باہر آ گئیں۔ باہر آتے ہی نظر انصر پر پڑی جو بیٹھنے کے بجائے ابھی تک ڈرائنگ روم کے دروازے ہی میں کھڑا تھا اور چاروں طرف نظریں دوڑا کر جائزہ لے رہا تھا۔

شمسہ اور فری پر نظر پڑتے ہی چوکس ہوگیا۔

''السلام علیکم......'' مؤدبانہ سلام عرض کیا گیا۔

شمسہ تو شائستگی سے سلام کرنے والے انصر کو دیکھ کر گویا نہال ہی ہوگئیں۔

''وعلیکم السلام بیٹا...... پلیز تشریف رکھیے......'' شمسہ اخلاقیات نباہ رہی تھیں مگر ذہن قلابازیاں کھا رہا تھا۔

''بھائی نے کیسے دونوں کو اوپر آنے کی اجازت دے دی...... اور مجھ سے ملنے کی ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی۔''

''وہ جی...... آنٹی...... مجھے تو ابھی، ابھی فری نے بتایا کہ آپ فری کے ساتھ رہتی ہیں اور اتنی close relation ship ہے۔ ایک طرح سے فیملی ممبر ہیں آپ...... میں نے فری سے کہا چلو پھپھو کو سلام کرتے ہیں......''

انصر بہت سادگی سے بول رہا تھا اور شمسہ حیرت سے سیدھے سادے امیرزادے کو دیکھ رہی تھیں۔

''بہت شکریہ بیٹا...... کہ آپ رشتوں کو اتنی اہمیت دیتے ہیں۔''

''آپ کے obediant (فرمانبردار) بیٹے کی وجہ سے یہ سین ہوا...... گلاس ٹوٹتا نہ انصر کو پتا چلتا......''

فری عادت سے مجبور تھی جو وجہ تھی سیدھے سادے طریقے سے بیان کر دی یہ احساس کیے بغیر کہ یہ سب سن کر شمسہ کے کیا احساسات ہوں گے...... وہ تو یہ سوچ کر خوش ہو رہی تھیں کہ فری خاص لمحات میں پھپھو کو نہیں بھولی اور منگیتر کو ملانے چلی آئی۔

''حالانکہ گلاس ٹوٹنے سے پہلے مجھے آپ کے بارے میں پتا ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ آپ فیملی ممبر ہیں۔'' انصر نے فری کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

''وہ...... اصل میں پھپھو جاب کرتی ہیں ناں تو ان کا بڑا ٹائٹ شیڈول ہوتا ہے...... اتنے بجے کھانا کھائیں گی...... اتنے بجے نماز پڑھیں گی، اتنے بجے سونے کے لیے لیٹ جائیں گی...... پھر پھپھو کو تہجد کے لیے بھی تو اٹھنا ہوتا ہے ناں۔'' فری کی زبان پٹر، پٹر چل رہی تھی...... اپنی دانست میں صفائی پیش کر رہی تھی۔ شیڈول سن کر تو انصر گویا عقیدت سے دُہرا ہوگیا۔ اس کے سامنے ایک عبادت گزار خاتون بیٹھی تھیں۔

''سوری آنٹی...... اس کا مطلب ہے اس وقت آپ کو ڈسٹرب کیا ہے۔ بس میں تو آپ کو سلام کرنے کے لیے آیا تھا...... چلو فری چلتے ہیں۔'' انصر خاصا شرمندہ نظر آ رہا تھا۔

''نہیں، نہیں بیٹا...... ملنا ملانا بھی تو زندگی کا حصہ ہے...... آپ آئے مجھے بہت خوشی ہوئی...... میں آپ کے لیے کچھ لے کر آتی ہوں......'' شمسہ اٹھنے لگیں تو برابر میں بیٹھی ہوئی فری نے فوراً ہاتھ تھام لیا۔

''رہنے دیں پھپھو...... کھانا بھی کھا لیا ہے سوئٹ بھی...... کافی کے لیے انصر نے منع کر دیا تھا کہ آئس کریم کے فوراً بعد کافی کا میچ نہیں بنتا......'' یہ کہتے ہوئے اس نے انصر کو اٹھنے کا اشارہ بھی کیا...... انصر فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''تھوڑی دیر تو بیٹھو ناں بیٹا...... فروٹ چاٹ بنائی تھی...... وہ......'' اسی وقت سارہ کی آواز زینہ پھلانگ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

''فری...... آ جاؤ بیٹا...... پاپا بلا رہے ہیں......''

غالباً وہ زینے سے لگ کر صدا دے رہی تھیں۔

''اوکے......آنٹی......نائس ٹو میٹ یو......ان شاء اللہ...... پرسوں نکاح ceremony میں آپ سے پھر ملاقات ہوگی......'' انصر نے دایاں ہاتھ دل پر رکھ کر سر کو مؤدبانہ انداز میں خم دیا۔

شمسہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا...... ''پرسوں بھتیجی کا نکاح ہو رہا ہے۔ خبر ہونے والے داماد سے مل رہی ہے......'' ایک آہِ سرد ابھرنے سے پہلے ہی انہوں نے غم سے لبالب بھرے کسی نہاں خانے میں پوشیدہ خزانے میں جمع کرا دی۔ فری نے شمسہ کے رخسار پر بوسہ دیا اور مورنی کی چال چلتی آگے بڑھ گئی۔

انصر اس سے پہلے قدم بڑھا چکا تھا۔

جو لمحات فری کو ٹرے میں سجا کر پیش کیے جا رہے تھے انہوں نے چھین کر لینے کی کوشش کی تھی۔

عطا ہونے اور چھین لینے میں اتنا ہی فرق ہے جتنا اندھیرے اور اجالے میں۔

☆☆☆

''میرا خیال ہے ہمیں کوئی بڑی، بڑی تیاریاں نہیں کرنی ہیں، کل کا دن چھوڑ دیتے ہیں پرسوں چار پانچ کلوز فرینڈز کو انوائٹ کر کے مغرب تک نکاح کر دیتے ہیں۔'' ثمینہ بولتے ہوئے ٹوٹو اور عامر کی طرف تائید طلب نظروں سے جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ عرشلہ کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں دستانوں میں نمی محسوس ہونے لگی وہ بڑی بے بسی سے ٹوٹو کی طرف دیکھنے لگیں تاکہ ٹوٹو ثمینہ کو اس جلد بازی سے روکے...... مگر ٹوٹو نظر بچا کر طرح دے گئی...... وہ تو خوش تھی مشن ''ٹریل ون'' اپنے انجام کو پہنچ رہا ہے۔

''وہ......ممی آپ کچھ زیادہ ہی جلدی میں......''

''اچھا......بس تم رہنے دو......آنٹی ہمیشہ سے decision maker رہی ہیں اور تم ہر وقت ڈبل مائنڈڈ رہتی ہو......'' ٹوٹو نے عرشلہ کو بولنے سے روک دیا۔

''آنٹی ہمیں کچھ دیر کے لیے عامر اور عرشلہ کو اکیلے میں بات چیت کا موقع دینا چاہیے...... اگر بات چیت کے بعد عامر مطمئن ہوتے ہیں کہ عرشلہ کو قائل کر لیا ہے تو پھر آپ کی تجویز پر عمل ہوگا۔'' یہ بات ٹوٹو نے فراٹے کی انگریزی بولتے ہوئے کی تھی۔ کیونکہ وہ قائل کرنے کے لیے اچھی اردو بولنے سے قاصر تھی۔

ٹوٹو، عرشلہ کی دل و جان سے خیر خواہ تھی مگر انسانی حقوق کا تحفظ کرنے والے ایک ادارے کو بھی بین الاقوامی سطح پر چلا رہی تھی...... اپنی فطرت سے ہٹ کر وہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اپنے دل کی آواز سننے کی پکی عادی ہو چکی تھی۔ ٹوٹو کی بات سن کر عامر تو بہت پُرسکون ہوا مگر ثمینہ کی کرسی میں اچانک کانٹے اُگ آئے......''

نہ جانے عرشلہ کوئی ایسی بات کر جائے کہ یہ ساری محنت ہی اکارت چلی جائے۔

''ٹوٹو ایک منٹ میری بات سنو......'' وہ بے قراری سے کچھ کہنے لگیں۔

''آنٹی چلیں، ہم لاؤنج میں بیٹھتے ہیں۔''

ٹوٹو، ثمینہ کے تردد سے بہت کچھ سمجھ گئی تھی اس نے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا اور ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانے لگی۔

☆☆☆

''فری تو ناسمجھ ہے......تم تو اوپر جانے سے روک سکتی تھیں۔'' سالار صاحب نے دیر سے دبے ہوئے ناگواری کے تاثرات مہمانوں کے رخصت ہوتے ہی ظاہر کر دیے۔ جیسے پریشر ککر پر رکھا ہوا ویٹ ایک خاص نقطے پر پہنچ کر رقص کرنے لگتا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اندر پریشر سہنے کی گنجائش نہیں رہی۔

خوشی کے لمحات میں خوب کرکری ہوئی تھی اس لیے شامت تو سارہ کی آنا تھی...... سارہ خود بھی انصر کے اوپر جانے کے حق میں نہیں تھیں اور اس کی وجہ صرف اور صرف واصف تھا مبادا یہ دونوں اوپر ہوں اور وہ اچانک آ کر کچھ

اول فول بول دے۔

''وہ تو فوراً ہی اسے لے کر اوپر چلی گئی...... میری طرف دیکھتی تو میں اشارے سے منع کر دیتی...... پھر آواز دے کر میں نے ہی تو اسے واپس بلایا تھا...... سب کچھ اچھا ہو رہا ہے...... اب آپ خواہ مخواہ ماحول خراب نہ کریں۔'' سارہ بھی چڑچڑی ہونے لگیں۔ گھٹنوں سے ایک ٹانگ پر دوڑ رہی تھیں۔

''پتا نہیں یہ لوگ کیوں نہیں جا رہے...... چابیاں بھی دے چکا ہوں۔'' سالار صاحب بڑبڑاہٹ کے انداز میں بولتے ہوئے اپنا سیل فون ٹیبل سے اٹھانے کے لیے آگے بڑھے۔

''یہ لوگ نہیں ہیں...... کوئی مسئلہ نہیں نعیم بھائی کو سب پتا ہے کہ آپ کتنے بہن بھائی ہیں...... آپ کی کیا ذمے داریاں رہی ہیں۔ بات ختم کریں...... چینج کریں اور جا کر سو جائیں۔'' سارہ بولتی ہوئی کرسٹل کا گلدان ایک سائڈ ٹیبل سے اٹھا کر ڈائننگ ٹیبل پر رکھنے لگیں جو برتنوں کے رش کی وجہ سے وقتی طور پر ہٹا دیا گیا تھا۔

''مجھے تو لگتا ہے اس نے جان بوجھ کر کچھ توڑا تھا۔'' سالار صاحب دبی آواز میں کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

سارہ نے فوراً تعوذ اور لاحول پڑھی۔

خون کے رشتوں میں جذبات منفی ہوں یا مثبت شدت نقطۂ عروج پر ہوتی ہے۔

☆☆☆

عامر مغربی معاشرے کا پروردہ تھا...... رمضان، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ کے خصوصی ایام نے اسے ہمیشہ مسلمان ہونے کا احساس دیا تھا...... باقی انداز وہی تھے جن کو دنیا ''لبرل ازم'' کہتی ہے۔

تنہائی ملتے ہی وہ اٹھ کر عرشلہ کے پہلو میں آبیٹھا تھا۔ اس کے انداز میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں تھی کیونکہ عرشلہ اس کی متوقع بیوی تھی اور اس رشتے کے درمیان میں صرف ایک دن کا پردہ حائل تھا......

اس نے عرشلہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور دونوں ہاتھوں سے دبایا۔ دستانوں کی بندش کے باوجود عرشلہ نے اپنے وجود میں سنسناہٹ محسوس کی...... عامر کسی ندیدے، ہلکے مرد کی طرح عرشلہ کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اس کی نظریں چمچماتی ٹائلوں پر تھیں۔

''عرشلہ...... آپ بہت لکی ہیں well wishers کے درمیان رہتی ہیں، آپ بہت سادہ ہیں...... یہ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ میں کبھی خودغرض پارٹنر کی صورت میں آپ کے سامنے نہیں آؤں گا۔ میں مصنوعی مسکراہٹوں سے عاجز آ چکا ہوں، تنہائی اب مجھے پاگل کر دیتی ہے...... مجھے صرف اور صرف پارٹنر شپ کی ضرورت ہے۔'' عامر کی بھاری آواز بہت آہستہ ہونے کی وجہ سے بہت متاثر کن ہو رہی تھی۔ عرشلہ نے مدتوں بعد ایک بھرپور مرد کی قربت کو محسوس کیا تھا۔ اندھیرے میں جلتی شمع کی طرح قطرہ، قطرہ پگھلنے لگی۔

''مجھے آپ کی دولت و اثاثوں سے بھی دلچسپی نہیں...... آپ نکاح سے پہلے چاہے کسی ٹرسٹ کے نام لکھ دیں...... میرے پاس اتنا کچھ ہے کہ آپ ایک بہترین زندگی گزار سکیں۔'' وہ بولتے، بولتے رکا اور ایک نگاہ کی۔

''یہ ہماری پہلی ملاقات ہے...... مگر مجھے تو ایک لمحے کے لیے نہیں لگا کہ ہم پہلی بار ملے ہیں۔''

اب عرشلہ نے اتنی دیر میں پہلی بار قریب سے عامر کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیات کا جوہر جگمگا رہا تھا پھر اس نے دیکھا کہ عامر اچانک چونک کر دروازے کی سمت دیکھ رہا ہے۔ اس نے بھی اسی سمت میں دیکھا...... سامنے زین کھڑا تھا۔

(جاری ہے)

لومیرج

شگفتہ شاہ

جب بہت کوشش کرنے کے باوجود ہمارے والدین ہماری شادی کے لیے راضی نہ ہوئے تب ہماری لواسٹوری کلائمکس تک پہنچ گئی اور ہم دونوں نے اپنے والدین کو دھمکی دی کہ اگر وہ ہماری شادی کرانے کے لیے راضی نہ ہوئے تو ہم دونوں ایک ہی دن، ایک ساتھ زہر کھا کر خودکشی کرلیں گے۔ ویسے تو گھر سے بھاگ کر کورٹ میرج کرنے کا پرانا آئیڈیا بھی موجود تھا مگر کیونکہ اس دور میں میری جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی کہ کورٹ تک جانے کا کرایہ ہی دے سکتا...

میری اور لیلیٰ کی لومیرج کا قصہ آج بھی یاد آتا ہے تو دل کو کچھ عجیب سا ہونے لگتا ہے۔ ہم دونوں ہی شادی سے پہلے کیوپڈ کے تیر کا شکار ہو چکے تھے اور پھر عشق کے ایسے امتحان پاس کرنے پڑے جن میں آج کل کے نام نہاد عشق کی طرح ”چیٹنگ“ کرنے کا بھی کوئی چانس نہیں تھا۔ وہ سچ مچ ”لیلیٰ“ بن چکی تھی اور میں بھی ”مجنوں“ کے جانشین ہونے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا جبکہ لیلیٰ کے اور میرے والدین ”ظالم سماج“ کا رول ادا کر رہے تھے۔

اس لیے اس آئیڈیے کو ڈراپ کرنا ہی پڑا۔ ہماری... خودکشی کرنے کی دھمکی کامیاب رہی اور ہمارے والدین کو راضی ہونا پڑا اور ہماری منگنی ہوگئی۔ اور مجھے نوکری ملتے ہی ہماری شادی بڑی دھوم دھام سے ہوگئی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو پا کر اپنے چھوٹے سے گھر میں بہت خوش تھے اور محبت کے نشے میں اتنے مخمور تھے کہ ایک سال پلک جھپکتے ہی گزر گیا۔ شادی کی پہلی سالگرہ پر لیلیٰ نے مجھ سے کہا۔

”ڈارلنگ! آج ہم یہ عہد کرتے ہیں کہ ہر سال ہم... اپنی شادی کی سالگرہ پر اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود ایک دوسرے کے لیے وقت نکالیں گے اور ساتھ، ساتھ وقت گزاریں گے اور اس دن ایک یادگار فوٹو بنوا کر ایک البم میں لگاتے جائیں گے تاکہ یہ تصویریں ہمارے بچوں کے لیے بھی یادگار رہیں۔“

مجھے لیلیٰ کا آئیڈیا اچھا لگا اور یوں آج تک ہم دونوں اس عہد پر قائم ہیں اس طرح اس البم میں، جس کے اوپر لیلیٰ نے "The album of love" کا عنوان لگا رکھا ہے۔ اس میں ہماری شادی والے فوٹو ملا کر گیارہ فوٹو لگ چکے ہیں۔

”جی ہاں...... کچھ دن پہلے ہماری شادی کی دسویں سالگرہ تھی۔ اور اس وقت میرے ہاتھ میں ”دی البم آف لو“ ہے اور میں اسے کھول کر دیکھنے لگا ہوں۔

یہ پہلے صفحے پر ہماری شادی کا فوٹو ہے، لیلیٰ دلہن کے روپ میں حور لگ رہی ہے۔ خیر...... میں بھی تو شہزادہ لگ رہا ہوں۔

اور یہ شادی کی پہلی سالگرہ کی تصویر ہے۔ ہم دونوں کے چہروں پر سکون اور محبت کی ریکھائیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

یہ ہے...... شادی کی دوسری سالگرہ کی تصویر ہم دونوں کے مسکراتے چہرے ہیں اور ہمارے ساتھ ہے ننھا جمشید جسے ہم ”جمی“ کہتے ہیں۔ ہمارا پہلا بچہ...... اور...... اب...... آگے کوئی نئی بات نہیں سوائے اس کے سال بہ سال کے فوٹوز میں لیلیٰ مائل بہ فربہی ہے اور میں بھی تسلسل کے ساتھ گنجا ہو رہا ہوں اور ہمارے

درمیان کھڑے بچوں کی تعداد ہر سال بڑھتی جا رہی ہے۔ گزرتے وقت کے ساتھ ہمارے چہروں سے مسکراہٹ کم ہوتی جا رہی ہے۔

اور یہ ہے وہ فوٹو جو ہم نے کچھ دن پہلے اپنی شادی کی دسویں سالگرہ پر بنوایا تھا۔ ہمارے ساتھ ہمارے پانچ بچے ہیں۔ تین بیٹے اور دو بیٹیاں۔ جنہیں فوٹوگرافر نے اس ترتیب سے کھڑا کیا ہے کہ "سیڑھی" کی طرح نظر آتے ہیں۔ اس تصویر میں لیلیٰ کے چہرے پر مسکراہٹ کا نام و نشان تک نہیں بلکہ وہ جیسے غصے میں بھری کھڑی ہے اور میرے چہرے پر زبردستی کی سجائی ہوئی مسکراہٹ ہے جس سے خوشی کے بجائے تکلیف عیاں ہو رہی ہے...... اور...... کیسے نہ ہو کہ اس دن بھی ہم "حسبِ معمول" جھگڑا کرتے رہے تھے۔ پھر اپنی عادت کے مطابق "میری گرج چمک" کے جواب میں لیلیٰ نے ریک سے ایک کتاب اٹھا کر مجھے کھینچ ماری تھی جسے میں نے تو اپنی پیٹھ سے روکنے کی کوشش کی مگر اس نے ٹھیک میرے سر کے "رن وے" (یعنی گنج پن) پر لینڈ کیا تھا...... خیر...... خیر...... ویسے لیلیٰ اتنی ظالم بھی نہیں ہے۔ وہ جذبۂ رحم کے تحت، ہلکے پھلکے ہتھیاروں سے ہی جنگ کرتی ہے۔ جس سے جسمانی ٹوٹ پھوٹ کا خدشہ نہیں رہتا۔ مگر اس دن بدقسمتی سے اس کا ہاتھ ایک بھاری بھرکم کتاب پر پڑ گیا تھا...... شاید بے خیالی سے (ہائے رے خوش فہمی) ویسے کتاب سر پر پڑنے سے زیادہ تباہی نہیں ہوئی۔ فقط ایک عدد گومڑا ابھر آیا تھا۔ تصویر کھنچوانے کے دوران جب اس گومڑے سے ٹیسیں ابھرتی تو میری مسکراہٹ، تکلیف میں بدل گئی۔

ہاں! ہم شادی کے چند برسوں کے اندر ہی گھریلو جنگی محاذ کے میدان میں اتر آئے تھے۔ اور ہر دوسرے تیسرے دن جھگڑا کرنا ہمارا معمول بن چکا تھا۔ اس لیے اب میں نے اسے لیلیٰ کے بجائے بیگم صاحبہ کہنا شروع کر دیا ہے کیونکہ ایک تو وقت کی بمباری نے ہماری شکل شباہتوں پر کاری ضرب لگائی ہے اس لیے اب نہ تو وہ کسی بھی طرح "لیلیٰ" لگتی ہے اور میں نہ ہی "مجنوں" بھلا گنجا اور موٹی عینک لگانے والا شخص مجنوں ہو سکتا

ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ نہ جانے کیوں ''بیگم صاحبہ'' کے خطاب سے ''ٹارزن کی واپسی'' عرف ہنٹر والی کا تصور ذہن میں آ جاتا ہے۔ وہ بھی تو پہلے والی لیلیٰ نہیں رہی جو شادی کے شروع کے دنوں میں میرا نام لینے کے بجائے کہتی تھی۔

''وہ بس آنے ہی والے ہوں گے۔''

''انہوں نے مجھے تحفہ دیا۔''

''ان کی یہ بات...... ان کی وہ بات۔''

جب وہ مجھے مخاطب کرتی تو کہتی تھی۔

''سنیں......!''

حالانکہ وہ شادی سے پہلے مجھے نام سے پکارتی تھی مگر اب تو میں ''جمی کا ابا'' ہی رہ گیا تھا۔

بہر حال...... کچھ بھی ہو...... ہم کتنے بھی کیوں نہ جھگڑیں، ہم آج بھی ایک دوسرے پر جان چھڑکتے ہیں...... وہ بیمار ہوتی ہے تو میں بے چین ہو جاتا ہوں اور مجھے کچھ ہوتا ہے تو اس کا سکھ چین ختم ہو جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہم ایک دوسرے سے کتنے ہی ناراض کیوں نہ ہوں اور چاہے ہمارے درمیان بات چیت بند ہی کیوں نہ ہو، ہم شادی کی سالگرہ والے دن اسٹوڈیو میں جا کر فوٹوگراف ضرور بنواتے ہیں۔

اس سال بھی صبح ہونے والے جھگڑے کے باوجود میں نے آفس سے جلدی چھٹی لی اور ساتھ جا کر تصویر بنوائی۔ اس نے ہر سال کی طرح مجھے خوب صورت گفٹ اور وشنگ کارڈ دیا تو میں نے بھی سالگرہ کا اسپیشل آرڈر پر تیار ہوا کیک سامنے رکھ دیا...... اور پھر ہم دونوں ہی ہنس دیے۔

''واہ! ابھی تک جناب یہیں بیٹھ کر آرام فرما رہے ہیں۔ پھر اخبار پڑھیں گے...... میں تو جیسے مفت کی نوکرانی مل گئی ہوں ناں...... مرد تو اتوار کو ریسٹ کر لیتے ہیں مگر ہم عورتوں کے لیے کوئی بھی دن چھٹی کا نہیں ہوتا......'' اچانک وہ سامنے آ کر بولی۔

''کیوں شور مچا رہی ہو......؟ ایسی کون سی قیامت آ گئی؟'' میں نے کہا۔

اس نے غصے سے گلدان اٹھا کر نشانہ باندھا ہی تھا کہ اس کے ارادے سے باخبر ہو کر ہمارا چھوٹا بیٹا بلال عرف بلو گلا پھاڑ کر رونے لگا تو اس نے جلدی سے گلدان واپس اپنی جگہ پر رکھ دیا۔

''تمہیں ہزار بار کہا ہے کہ یوٹیلٹی بلز کی ادائیگی وقت پر کر دیا کرو مگر تم سے یہ کام ہوتا ہی نہیں...... اور بلو کے اسکول کی پرنسپل نے اس کی رپورٹ لینے کے لیے بلایا ہے مگر تمہارے پاس وقت ہی نہیں ہوتا...... اور روبی کا ایڈمیشن کرانا ہے چند دن ہی باقی بچے ہیں پھر داخلہ نہیں ملے گا۔''

''بیگم صاحبہ! کچھ کام آپ بھی کر دیا کریں، میں اکیلا کتنے کام دیکھوں؟''

''ہاں، ہاں......! بس میں جو مل گئی ہوں...... سارا دن گھر کے کام کروں اور پھر باہر کے کام بھی کروں۔''

''سنو یہ سارے کام ہمیشہ میں ہی کرتا ہوں، تمہارے والد صاحب نہیں کرتے۔''

''جمی کے ابا! دیکھو ہمارے جھگڑوں میں میرے والدین کا حوالہ مت دیا کرو۔ میرے والد کا تم پر یہ احسان کیا کم ہے کہ وہ میری شادی تم سے کرنے کے لیے رضامند ہو گئے تھے۔''

''دراصل وہ اس لیے رضامند ہو گئے تھے کہ وہ مجھے سزا دینا چاہتے تھے......'' یہ کہتے ہوئے میں نے اگلے حملے سے بچنے کے لیے پوزیشن سنبھالی۔

''کیا؟ تمہیں سزا مل رہی ہے؟ میں ایسی ہوں؟ نہ جانے کون سی بد بخت گھڑی تھی جب تمہیں اپنا دل دے بیٹھی تھی۔'' وہ جملہ مکمل کر ہی پائی تھی کہ ہماری چھوٹی بیٹی ماریہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں اسکول کے جوتے تھے، وہ بھی پھٹے ہوئے۔

''امی...... اسکول کے یہ نئے شوز تو ایک مہینے میں ہی پھٹ گئے ہیں۔''

''بس رانی! کیا کروں......؟ (میری طرف دیکھ کر) زندگی میں جس کو بھی معیاری سمجھ کر حاصل کیا، آگے چل کر غیر معیاری ثابت ہوتے ہیں۔ چیزیں تو نئی بھی آ جاتی ہیں...... مگر لوگ تو بدلے نہیں جا سکتے۔ ہم دوسرے شوز لے لیں گے۔'' جیسے ہی بچی کمرے سے

باہر نکلی میں پھٹ پڑا۔

''ہاں، ہاں......! میں نے تو تمہیں صرف دکھ دیے ہیں ناں ...... سارا، سارا دن دفتر میں تم لوگوں کے لیے سر کھپاتا ہوں اوور ٹائم میں کام کر کے تم لوگوں کے آرام کے لیے کماتا ہوں مگر تمہیں میری قدر ہی نہیں......اگر خود نوکری کرتی ہوتی تو پتا چلتا کہ کمانا کتنا مشکل ہے۔''

''جمی کے ابا! مجھے نوکری کا طعنہ مت دیا کرو غضب خدا کا! کیسا زمانہ آگیا ہے کہ شوہر بیویوں کو ذرا، ذرا سی بات پر طعنے دینے لگے ہیں۔ توبہ، توبہ......!''

''اچھا اب زیادہ دماغ مت چاٹو......'' میں نے بیزاری سے کہا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ہے تم سے بات کرنے کا...... میں تو یہ کہنے کے لیے آئی تھی کہ سبزی کس وقت لائیں گے...... ٹماٹر، پیاز اور مرچ ختم ہو چکی ہیں، تمہیں کیا فکر ہے......آج چھٹی ہے، تم تو صرف آرام کرو گے مگر ہم خواتین کے لیے تو ایک بھی چھٹی کا دن نہیں ہوتا ناں......دن چڑھ آیا ہے اور مجھے کھانا پکانے کے علاوہ اور بھی بہت کام کرنے ہیں۔ کام کرنے والی آج چھٹی پر ہوتی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ کچن کی طرف روانہ ہوئی تو میں نے غصے سے "The album of love" (البم آف لو) بند کر کے الماری میں رکھا اور صحن سے گزرتے ہوئے زور سے بولا۔

''بیگم صاحبہ! غلام جا رہا ہے سودا سلف لینے کے لیے۔''

''جمی کے ابا......'' میں خارجی دروازے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ اس کی شہد میں گھلے لہجے والی آواز سنائی دی۔

''کیا ہے؟'' میں نے بیزاری سے مڑے بغیر کہا۔

''اپنی پسندیدہ کھیر نہیں کھاؤ گے......؟'' وہ ٹرے میں کھیر کا پیالہ لیے کہہ رہی تھی۔ میرا موڈ اس کی دلفریب مسکراہٹ دیکھ کر مچل گیا۔ (اور کھیر کو دیکھ کر بھی......)

''فریج میں رکھ دو......آ کر کھاتا ہوں...... اور ہاں میں نے سالن کے لیے پیاز کاٹ کر رکھ دی ہے اور چائے کے برتن بھی دھو دیے ہیں، تم مصروف تھیں ناں کام میں......'' میرا موڈ ایک دم بدل گیا۔

''کتنی مرتبہ کہا ہے کہ ایسے کام مت کیا کریں، مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ گھر کے چھوٹے موٹے کام کرنے سے مرد کی شان گھٹ جاتی ہے۔ تم بھی تو میرے دفتر کی فائل سنبھالتی ہو، انہیں ترتیب سے رکھتی ہو اور بل بھی تو بھر آتی ہو اور بچوں کے اسکول میں مجھے وقت نہ ملنے پر خود ہی چلی جاتی ہو......خاندانی میل جول بھی رکھتی ہو۔'' میرے لہجے میں پیار ہی پیار تھا اور اس کے چہرے پر طمانیت بھری مسکراہٹ......

میں صحن میں کھیلتے ہوئے بچوں کی اچھلتی ہوئی بال سے خود کو بچاتا دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

آخر کو ہماری لو میرج تھی ناں جس کا بھرم بھی ہم نے ہی رکھنا تھا۔

❁❁❁

غزل

رونقوں میں کمی کسی کی ہے
گھر کسی کا گلی کسی کی ہے

بے دھڑک میں گزار بیٹھی جب
تب کھلا زندگی کسی کی ہے

خواب میرا ہو کس طرح میرا
میری تو نیند بھی کسی کی ہے

میرے اطراف میں جو پھیلی ہے
دن مرا، روشنی کسی کی ہے

اشک آنکھوں میں بے سبب تو نہیں
اس میں شامل خوشی کسی کی ہے

درد برداشت کس طرح سے ہو
اس میں شامل ہنسی کسی کی ہے

یہ جو مجھ میں ہے اس قدر وافر
سعدیہ سادگی کسی کی ہے

سعدیہ سیٹھی، نوٹنگھم، برطانیہ

محبت کا زہر

شیریں حیدر

بہت لکھ لیں، محبت کی کہانیاں... زندگی میں محبت کے سوا بھی بہت کچھ ہے اور یہی سوچ کر قلم اٹھایا کہ مختلف کہانیاں لکھوں... تو اندازہ ہوا کہ زندگی میں سے محبت کو نکال دیں تو کچھ بھی نہیں بچتا... مفلوک الحال ترین شخص کو بھی محبت میسر آہی جاتی ہے، والدین کی، بہن بھائیوں کی، اولاد کی، شریک سفر کی اور نہیں تو دوستوں کی... مگر واقعی غریب ہے وہ شخص جو کہ کسی بھی طرح کی محبت سے محروم ہو۔ محبت ہمیشہ سفلی ہی نہیں ہوتی، اس کے کئی نام ہیں، کئی شکلیں اور کئی رنگ ہیں، ہر رنگ، مختلف شکل اور نام کے ساتھ اپنے اندر مختلف خصوصیات لیے ہوئے ہوتا ہے۔ اگر آپ کو کسی کی محبت میسر نہیں تو محبت بانٹنا شروع کر دیں، محبت بھرے دلوں کو جوڑنا شروع کردیں، محبت بھرے رشتوں کا خیال رکھیں، محبت کی قدر کردیں، اسے تقسیم کرنا شروع کریں تو آپ کو علم ہوگا کہ آپ کی تقسیم کی گئی محبت کئی گنا سے ضرب ہو کر واپس آپ کے پاس آ رہی ہے۔ محبت کا یہی اصول ہے اور یہی فارمولہ...

میں نے مرے، مرے قدموں سے اپنے کمرے میں آ کر ابھی بیٹھ کر اپنے بستر کی وہ سلوٹیں نکالی ہیں جو میرے علاوہ کسی اور کو نظر نہیں آتیں۔ ہمت اگرچہ جواب دے گئی ہے مگر اس بستر سے سویرے اٹھتی ہوں تو رات کے اس پہر ہی دوبارہ کمر اس وقت ٹکا پاتی ہوں۔ فروری کا ٹھٹھرتا ہوا مہینہ ہے، جوڑ جوڑ درد سے بھرا ہوتا ہے۔ یہ عمر، یہ وقت جو میرے آرام کا تھا، اس میں بھی مجھے صبح سے شام تک کولہو کے بیل کی طرح چل سو چل کام کرنا پڑتا ہے۔ بھولا کر ہم مائیں سوچتی ہیں کہ اب آرام کے دن آ گئے کیونکہ ہم تو ایسی ہی بہوئیں تھیں مگر اب معاملہ الٹا ہو گیا ہے، اب بہوئیں لا کر مائیں اور بھی زیادہ مصروف ہو جاتی ہیں۔ بچوں کی شادیاں ہوتی ہیں تو زندگی کیسے بدل جاتی ہے۔ جب تک صحت اچھی تھی اور ہمت تھی، تب تک تو ایسے چھوٹے، چھوٹے کام، کام لگتے ہی نہ تھے۔ اب تو ٹھٹھرتے ہوئے ہاتھوں سے ماچس سے تیلی تک نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ابھی باورچی خانے سے اپنے لیے دودھ کا گلاس لا رہی تھی کیونکہ دوائیں دودھ کے ساتھ کھانا ہوتی ہیں، تو بیٹے کے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ مجھے ٹوہ لینے کی عادت ہے اور نہ ہی چھپ، چھپ کر باتیں سننے کی۔ مگر چونکہ میرا ہی ذکر کیا تھا میرے بیٹے دانیال نے تو میں نادانستگی میں ہی ان کے دروازے کے سامنے سے گزرتے ہوئے رک گئی۔ اندر سے آتی ہوئی آواز نے میرے پاؤں پکڑ لیے اور قریب تھا کہ میں گر جاتی اور میری چوری پکڑی جاتی، میں نے کوشش کر کے خود کو گھسیٹ کر کمرے تک پہنچایا تھا۔ میرا بیٹا دانیال، میری بہو ملہ سے جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ ناقابلِ یقین تھا، میں عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ میں نے.... دوائیں کھائیں اور اپنی رضائی کھول کر پورے بستر پر پھیلایا۔ جرابیں پہن کر لیٹ گئی، اس کے سوا نیند نہیں

آتی۔ اپنے بستر پر رضائی پھیلاتے وقت مجھے ہمیشہ اپنے مرحوم شوہر احمد کی یاد آتی۔ پہلے پہل جب میں نے پولی ایسٹر کی رضائی خریدی اور استعمال کی تو رات بھر کروٹیں بدلتے رہے، کہنے لگے کہ انہیں ساری رات نیند ہی نہ آئی، سردی لگتی رہی۔

''مجھے روئی کی رضائی بھاری لگتی تھی اس لیے میں نے یہ نئی رضائی خریدی، میکے میں بھی میرے لیے ایسی ہی ہلکی سی رضائی تھی۔'' میں نے کہا کہ مجھے تو اس رات پہلی بار سکون کی نیند آئی تھی ورنہ تو میں رات بھر روئی کی رضائی کے بوجھ تلے رہتی تھی اور میرا دم گھٹتا تھا جیسے کہ کسی نے مجھے جکڑ رکھا ہو۔

''اب اس مسئلے کا کیا حل ہو؟'' وہ مسکرائے۔

''دو رضائیاں رکھ لیتے ہیں، ایک میری اور ایک آپ کی۔'' میں نے حل بتایا۔

''ابا مرحوم کہا کرتے تھے کہ سردی یا تو روئی سے جاتی ہے یا دوئی سے۔ اب تم مجھے ایک چیز دے کر دوسری سے محروم کرنا چاہتی ہو؟ نہ بھئی نہ، مجھے یہ حل ہرگز منظور نہیں، تمہاری والی رضائی ہی استعمال کیا کریں گے۔'' انہوں نے ہنس کر کہا۔ مجھے سمجھ میں ہی نہ آیا کہ ابا مرحوم کی مثال کا مطلب کیا تھا۔ احمد ایک بہت اچھے شوہر تھے، ایسے ہی صلح جُو تھے، ان میں لاتعداد خوبیاں تھیں جو بسا اوقات بس ایک خرابی کے سامنے زیرو ہو جاتی تھیں۔

دانیال...... میرا بیٹا، مجھے کئی بار کہہ چکا ہے کہ میں جرابیں پہن کر نہ سویا کروں مگر میں اس کے بغیر سو نہیں سکتی۔ اب میں روئی کی رضائی لے کر سوتی ہوں تو واقعی اندازہ ہوتا ہے کہ سردی کو بھگانے کی روئی جیسی صلاحیت کسی اور چیز میں نہیں ہے۔ اب روئی کے وزن سے سانس نہیں گھٹتی بلکہ یوں لگتا ہے کہ جیسے کسی مہربان کے بازوؤں کا وزن ہے کہ جس نے مجھے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لے رکھا ہو۔ پاؤں انتہائی ٹھنڈے ہوتے ہیں، اس عمر میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ پاؤں اور ہاتھوں کی انگلیوں کی پوروں تک خون کی رسد اس طرح نہیں ہوتی جیسے کہ جوانی میں ہوتی ہے۔ باقی اعضا بھی ایک، ایک کر کے جواب دینا شروع کر دیتے ہیں۔

جوانی...... جوانی جو کبھی مجھ پر بھی آئی تھی اور اس جوانی میں جوش تھا ولولہ تھا، ہمت تھی اور کام کرنے کا شوق۔

شادی کی تاریخ مقرر کرنے کی تقریب ہوئی تو میرے ہونے والے شوہر احمد کا اصرار تھا کہ شادی جنوری یا فروری میں ہونی چاہیے کہ ان کو سردیوں کے مہینوں میں شادیوں میں شرکت کرنا پسند تھا۔ گرمیوں میں اگرچہ چھٹیاں طویل ہوتی ہیں مگر اس وقت موسم اتنا شدید گرم ہوتا ہے کہ کسی تقریب کے لیے تیار ہونا، بننا سنورنا، کہیں گھومنے پھرنے جانا، سب سزا سا لگتا ہے۔ وہ ایک کالج میں پروفیسر تھے، طویل چھٹیوں کا یہ فائدہ ہوتا کہ ہمیں کہیں گھومنے پھرنے کے لیے جانا ہوتا تو چھٹی نہ لینا پڑتی۔ موسم تو سارے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اور ہر موسم کی اپنی خوب صورتی ہے مگر شادی کے لیے شاید یہی اچھا موسم لکھا تھا، لگ بھگ یہی وقت تھا اور شادی ہوئی تو اندازہ ہوا کہ اپنے ہم سفر کے سنگ سارے موسم ہی اچھے لگتے ہیں۔

☆☆☆

جب میری شادی ہوئی تو اس وقت میری ساس امی کی عمر لگ بھگ یہی ہوگی جو کہ اس وقت میری ہے، میرے تو اس وقت اللہ کی امانت ایک پوتا سات سال کا ہے اور پوتی پانچ سال کی، چھوٹا پوتا ابھی سال بھر کا ہی ہوا ہے۔ یہی گھر تھا جہاں میری ڈولی اتری تھی اور ساری عمر اسی گھر میں گزر گئی، اس گھر میں، میں احمد اپنی ساس امی کے ساتھ رہتے تھے۔ وقت نے میری گود میں تین بیٹیوں کے بعد بیٹا ڈال دیا تھا۔ جب تک میری بڑی بیٹی کبریٰ پیدا نہیں ہوئی، تب تک میرا معمول وہ ہی تھا جو شادی کے پہلے دن سے شروع ہوا تھا۔

مجھے آج بھی وہ دن پوری جزئیات کے ساتھ یاد آتا ہے، شام ڈھلے ہم گھر پہنچے تھے، میری نندیں اور جیٹھانیاں اس وقت گھر کا سارا انتظام سنبھالے ہوئی تھیں۔ شام تک کئی مہمان رخصت ہو گئے تو میری نندوں نے مجھ سے کہا کہ میں اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی جاؤں اور آرام کروں کہ سارے دن کی تھکی ہوئی تھی۔ میری بڑی جیٹھانی نے کہا کہ میرا کھانا وہ کمرے میں ہی بھیج دیں گی۔ میں نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا اور اپنی نند کی معیت میں اپنے کمرے میں پہنچی جسے سنہری اور نقرئی تاروں کی لڑیوں سے سجایا گیا تھا، بستر کو بھی سیج کی طرح سجایا گیا تھا، اس پر تازہ گلاب کے پھول بکھرے ہوئے تھے۔

''ابھی تم صوفے پر بیٹھ جاؤ ورنہ احمد بھائی کے

آنے سے پہلے ہی سارے پھول تمہارے بیٹھنے سے مسلے جائیں گے، تمہارا لباس بھی خراب ہو جائے گا۔'' شکر کر کے صوفے پر ہی بیٹھ گئی، کم از کم وہاں پر دن بھر سے اتنے لوگوں کے بیچ بیٹھی تھی کہ سانس بھی کھل کر نہیں آ رہی تھی۔ کوشش کر کے اپنا بھاری لباس سمیٹ سماٹ کر غسل خانے سے بھی ہو آئی۔ جانے لوگ کیوں نہیں سمجھتے کہ دلہن بھی ایک انسان ہے اور اس کی بھی فطری ضروریات ہوتی ہیں، بالخصوص سردیوں کے دنوں میں تو ہر کوئی بار، بار غسل خانے جاتا ہے۔ دوبارہ صوفے پر سکون سے بیٹھ کر رات کے کھانے کا انتظار کرنے لگی۔ صبح سے چائے کا ایک کپ پیا ہوا تھا، دن کا کھانا دلہن کو اسٹیج پر دولہا کے ساتھ پیش کیا گیا تھا، اب وہاں کون کھانا کھا سکتا ہے جہاں ارد گرد فلم بنانے والے کیمرہ والے بھی موجود ہوں۔

''کھانے کے لیے آ جائیں بھابی!'' سب سے چھوٹی نند سنبل بلانے کے لیے آئی تھی۔ میں اس کی آواز سے صرف جاگی ہی نہیں بلکہ چونک گئی تھی۔

''آپا تو کہہ رہی تھیں کہ یہیں کھانا بھیجیں گی۔''

''انہوں نے تو کہا تھا مگر اماں کا کہنا ہے کہ اب آپ اس گھر کی فرد ہیں اور رات کا کھانا سب کے ساتھ مل کر کھائیں گی۔'' اس نے اماں کا فرمان جاری کیا تھا۔

''اوہ، اچھا۔ ذرا میری مدد کریں گی، میں نے تو اپنا دوپٹا بھی ذرا ڈھیلا کر دیا تھا۔'' میں نے اس سے کہا۔

جھک کر اتنے بھاری لباس کے ساتھ جوتے پہننا بھی ایک انتہائی مشکل مرحلہ تھا۔ اس نے میرے دوپٹے کو ذرا سا درست کیا اور جوتا پہننے میں بھی میری مدد کی۔ جب سے منگنی ہوئی تھی تب سے لے کر میری سنبل سے ایسی ہی دوستی ہو گئی تھی جیسے بہنیں ہوتی ہیں۔ سنبل، احمد کی سب سے چھوٹی بہن تھی، لگ بھگ میری عمر ہی کی اور اس کی شادی کو اس وقت سال بھر ہی ہوا تھا۔ وہ اپنی خالہ کی بہو بنی تھی، اپنے گھر میں خوش تھی مگر کبھی کبھار مجھ سے اپنی خالہ کے سخت مزاج کا ذکر کرتی تھی کہ شادی سے پہلے کیسے اس کے صدقے جاتی تھیں، بلائیں لیتی تھیں اور شادی ہوتے ہی تو کون اور میں کون والا معاملہ ہو گیا تھا۔ سنبل خود بھی ذرا منہ پھٹ سی تھی، ان کی کسی بات پر چپ نہیں رہ سکتی تھی، جب وہ غلط ہوتیں تو انہیں کہہ دیتی اور اس سے ان کا پارہ بہت اونچا چلا جاتا اور وہ کسی بچے کی طرح بیٹے بہو سے روٹھ جاتیں۔

جتنا وہ منانے کی کوشش کرتے، اتنا ہی وہ اور بھی اینٹھتیں۔ خالہ کا ایک ہی بیٹا تھا اور وہ ان کی اکلوتی بہو، ان کی ناراضی میں وہ تو ایک طرف ہٹ جاتی اور کھانا وانا اپنے شوہر کو ہی ٹرے میں ڈال کر دیتی کہ وہ بھی جا کر اپنی اماں کے ساتھ ہی بیٹھ کر کھا لے اور انہیں منانے کی کوشش کرے۔ اماں کی ناراضی تین دن تک تو ضرور چلتی اور پھر وہ آہستہ، آہستہ سنبل سے بھی بات کرنا شروع کر دیتی تھیں۔

''ویسے بھابی، وہ مجھ سے روٹھتی ہیں مگر میرے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے سے نہیں۔'' سنبل مجھے ہنس کر بتاتی۔

''اصل میں سعد ان کا ایک ہی ایک بیٹا ہے ناں تو انہیں دھڑکا رہتا ہے کہ کہیں وہ میرے پیار میں انہیں نہ بھول جائے، سو اس کی توجہ کھینچنے کے لیے وہ ایسا کرتی ہیں۔''

''تم تو پوری ماہر نفسیات ہو۔'' میں نے ہنس کر کہا تھا۔

''شادی آپ کو ماہر نفسیات، حیوانیات، انسانیات، لسانیات، تجارات، معاشیات، معاشرت، نباتات، حاجات، درجات، مناجات، لمحات، حشرات، عورات، خدشات، اثرات، ثمرات، حرکات، خدمات، صدمات، جنات، مشکلات......''

''بس بس بس......'' ہنس ہنس کر میرا برا حال ہو رہا تھا۔ ''کیا کر رہی ہو تم؟ کہاں سے تمہارے دماغ میں یوں بارش کی طرح الفاظ برس رہے ہیں؟''

''آپ نے اسکول میں ہم قافیہ الفاظ نہیں پڑھے تھے؟'' اس نے بھی ہنستے ہوئے مجھ سے کہا۔ ''ابھی تو میں نے کئی الفاظ بولے ہی نہیں ورنہ آپ کہتیں کہ کتنی واہیات ہے۔''

''یہ تو تم نے ایک اور ہم قافیہ لفظ بول دیا، اب بس کر دو میری بہن، کیا ہنسا، ہنسا کر جان لوگی میری!'' میں نے اس سے کہا۔

مجھے اپنی منگنی کے بعد کی اس کے ساتھ ایک گپ شپ یاد آ گئی تھی۔

''آج سے آپ کے ماہر سیاسیات بننے کا آغاز ہو رہا ہے۔'' اس نے مجھے کمرے سے باہر لے جاتے ہوئے آہستگی سے کہا تھا۔

''وہ کیسے؟''

''جیسے کہ سیاست دان ووٹ لینے کے لیے لوگوں

سے اوپری اوپری ہنس کر بات کر رہے ہوتے ہیں اور اصل میں ان کا ان سے بات کرنے کو دل بھی نہیں کر رہا ہوتا۔'' میں خاموش رہی، کچھ بولتی تو ہنسی نکل جاتی اور میرے جیٹھ اور نندوئی وغیرہ دیکھ کر کہتے کہ کیسی بے شرم دلہن ہے، یوں ہنس رہی ہے۔

''کھانے سے فارغ ہو کر میرے کمرے میں آ جانا تم دونوں۔'' انہوں نے مجھے اور احمد سے کہا تھا۔ وہ اپنا کھانا ختم کر چکی تھیں اور ہم دونوں ابھی کھا رہے تھے۔ کھانا باتوں کی وجہ سے آہستہ آہستہ کھایا جا رہا تھا، میں فقط سن رہی تھی اور وہ سب باتیں کر رہے تھے۔ ''تم سب لوگ بھی باتیں بند کرو اور کھانا جلدی ختم کرو تا کہ بچے وقت پر سوئیں اور صبح سویرے جاگیں، کل ولیمہ ہے اور تم سب دن چڑھے تک پڑے سوتے رہو گے۔'' سب کو ڈانٹ کر وہ نکل گئیں۔

''اماں، پہلے دن بلی مارنے کی کوشش کر رہی ہیں۔'' سنبل نے کہا تھا جس پر سب ہنس پڑے اور احمد نے سنبل کو اس جسارت پر اچھی خاصی ڈانٹ پلا دی۔

''ارے بھئی نہ ڈانٹیں میری بیگم کو، اس نے بھلا کیا غلط کہا ہے۔'' سعد نے بھی مذاق میں کہا تو احمد اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے بھی ساتھ ہی اٹھنے کو کہا۔

☆☆☆

''بیٹھو!'' تحکمانہ لہجے میں انہوں نے ہم دونوں سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔ احمد تو ان کی پائنتی بیٹھ گئے اور مجھ سمجھ نہ آیا کہ اس بھاری عروسی جوڑے کے ساتھ کہاں بیٹھوں۔ میں کھڑی ہی تھی کہ انہوں نے دوبارہ بیٹھنے کا کہا۔

''جی!'' میرا لہجہ سہما سہما سا تھا، میں واقعی کسی معصوم بلی کی طرح سہم گئی تھی۔ پیار سے بلائیں لینے والی میری ساس اس وقت مختلف لگ رہی تھیں۔

''وہاں بیٹھ جاؤ احمد کے ساتھ!'' میں دیکھنے لگی، وہاں کیسے بیٹھتی۔

''اُدھر سے گھوم کر دوسری طرف آ کر بیٹھ جاؤ۔'' احمد نے میری مشکل آسان کر دی۔ میں ان کی پائنتی پر ہی دوسری طرف بیٹھ گئی، احمد نے اپنی والدہ کے پاؤں دبانا شروع کر دیے۔

''ہمیشہ سے میرے بیٹے کا یہ معمول ہے کہ وہ رات کو میرے پاؤں دبائے بغیر نہیں سوتا اور مجھے بھی اس کے بغیر نیند نہیں آتی۔ تم بھی اگر مجھے اپنی ماں جیسا سمجھو تو اس کے ساتھ میرے پاؤں دبا کر سویا کرو اور اگر نہیں کرنا چاہتیں تو بے شک تم چلی جاؤ اپنے کمرے میں، یہ آ جائے گا تھوڑی دیر میں۔'' انہوں نے ہمیں یہاں بلانے کے مقصد کی وضاحت کی۔

میرے سر میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں، مجھے کہاں عادت تھی کسی کے پاؤں دبا کر سونے کی، اوپر سے دن بھر کی تھکی ہاری، ایک دن کی بیاہتا دلہن۔ مجھے ان کا انداز عجیب سا لگا۔ اس وقت اٹھ کر جاتی تو جانے وہ اسے گستاخی سمجھتیں اور پھر کوئی نہ کوئی باہر بیٹھا ہوگا اور مجھے اکیلے اپنے کمرے میں جاتے ہوئے دیکھے گا تو کیا سوچے گا، میں نے ان کا دوسرا پاؤں دبانا شروع کر دیا۔ دماغ میں تو اس وقت یہ سوچ آ رہی تھی کہ کچھ اور ہی دبا دوں، جذباتی عمر تھی، میرے لیے میری زندگی کا اہم ترین دن اور رات تھی اور انہوں نے اپنا مالشیا بنا کر بٹھا لیا تھا۔

''چلو جاؤ اب......'' چالیس منٹ کے بعد انہوں نے پروانۂ آزادی جاری کیا تو میں نے ہاتھ روک لیے۔

''آپ کی تھکاوٹ اتر گئی ہے کہ نہیں؟'' احمد نے پوچھا تھا۔

''کچھ خاص نہیں مگر تم جاؤ...... دلہن کیا سوچے گی کہ ماں سے ہی چپک کر بیٹھ گیا ہے۔'' انہوں نے سخاوت کا ریکارڈ ہی قائم کر دیا تھا۔ ''آج کل کی لڑکیوں کے کچھ ایسے ہی ارمان ہوتے ہیں، فلمی سے، انہیں کہاں شوق ہے کہ ساس سسر کی خدمت کریں۔'' انہوں نے کہا تو میں نے دل میں یہ بھی شکر کیا کہ سسر نہیں تھے ورنہ چالیس منٹ تک انہیں دبانا پڑتا۔

''بھائی آپ کو اماں کو یاد کروانا چاہیے تھا کہ آج آپ کی اور بھابی کی شادی ہوئی ہے۔'' اور تو کوئی نہیں تھا مگر سنبل لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ لاؤنج گھر میں اس طرح مرکزی جگہ پر تھا کہ کسی بھی کمرے سے باہر نکلنے والا لاؤنج میں سے گزر ہی کر جاتا تھا۔

''سو جاؤ تم جا کر، ابھی تک کیوں جاگ رہی ہو؟'' احمد نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے اس سے کہا۔

''کیونکہ مجھے یاد ہے کہ آج آپ کی شادی ہوئی ہے اور کسی نہ کسی نے تو سعد یہ بھابی کو ان کے کمرے تک پہنچانا ہے، رسم کے مطابق۔'' اس نے میز پر رکھی ایک

ٹرے اٹھائی اور ہمارے ساتھ چلی۔ ''آپ لوگ باہر رکیں!'' اس کے کہنے پر ہم کمرے کے باہر ہی رک گئے، اس نے کمرے میں جا کر درمیانی میز پر وہ ٹرے رکھی، مجھے بلا کر اندر بیڈ پر بٹھایا اور دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی، باہر سے مجھے اس کے اور احمد کے بیچ بحث کی آوازیں آنے لگیں۔ اندازہ ہوا کہ وہ ان سے کمرے میں داخلے کا نیگ مانگ رہی تھی مگر اس نے زیادہ بحث نہیں کی۔ دو چار منٹ میں ہی احمد کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔

صرف وہیں تک نہیں، انہوں نے شادی کی پہلی ارمانوں بھری رات میں ہی مجھ پر واضح کر دیا تھا کہ ''ان کی اماں ان سے بہت زیادہ پیار کرتی ہیں اور وہ بھی۔ انہوں نے زندگی میں بہت کٹھنائیاں دیکھی تھیں اس لیے ان کا مزاج ایسا ہو گیا ہے کہ جلدی غصہ آ جاتا ہے۔ مجھے برداشت کرنا ہوگا، ان کا احترام کرنا ہوگا، ان کا خیال رکھنا ہوگا اور کوشش کرنا ہوگی کہ میرے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکلے کہ جو انہیں ناراض کر دے۔'' میں جو سننے کی منتظر تھی کہ احمد اپنی ان بے قراریوں کی داستانیں سنائیں گے جن کا اظہار وہ ٹیلی فون پر کیا کرتے تھے، ان کا اماں نامہ سن کر جمائیاں لینے لگی۔

☆☆☆

دروازے کو تقریباً توڑنے کی حد تک کھٹکھٹایا گیا تھا...... میں گھبرا گئی کہ جانے کیا آفت آ گئی ہے۔ آنکھ کھلتے ہی نیم تاریکی میں مجھے سمجھ ہی نہ آیا تھا کہ میں تھی کہاں۔ جب تک میرے حواس بحال ہوتے، تب تک احمد نے دروازہ کھول دیا تھا، یہ سوچے بنا کہ دروازہ کھولنا بھی چاہیے تھا کہ نہیں۔

''کیا بات ہے منے، ابھی تک سو کیوں رہا ہے؟'' انہوں نے دراوزے سے اندر داخل ہو کر بتی جلا دی، میں نے گھبرا کر رضائی اوپر کھینچی۔ ''نماز پڑھی ہے تم نے؟ ؟'' وہ اندر آ کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ''بہو کو تم کیا پہلے دن سے یہ سکھا رہے ہو کہ دن چڑھے تک پڑی سوتی رہے۔'' میں نے دیوار پر لگی گھڑی میں وقت دیکھا، ابھی ساڑھے چار بجے تھے، نماز کے لیے ابھی اذان تک نہیں ہوئی تھی۔

''ابھی تو نماز کا وقت بھی نہیں ہوا ہے اماں۔'' احمد کی آواز میں بھی جھنجلاہٹ تھی، ظاہر ہے کہ نیند سے بھی جاگے تھے اور وہ بھی اس طرح دروازہ دھڑ دھڑانے سے جیسے کوئی مصیبت آ گئی ہو۔

''یہ تم مجھ سے بات کس لہجے میں کر رہے ہو، ایک رات میں تمہارا لہجہ بدل گیا ہے، مجھ سے!'' وہ دھاڑیں۔

''میں نے کہا ہے اماں کہ ابھی ساڑھے چار بجے ہیں، اذان میں بھی گھنٹا بھر سے زیادہ وقت ہے۔''

''مگر میرے کمرے کی گھڑی میں تو اس وقت چھ بج گئے ہیں، میں تو سمجھی کہ میری نماز بھی لیٹ ہو گئی، میں تو جلدی، جلدی نماز نمٹا کر تمہیں پوچھنے کو آئی ہوں کہ کہیں تم بھی سوتے ہی تو نہیں رہ گئے۔'' انہوں نے وضاحت کی۔

''آپ کے کمرے کی گھڑی رک گئی ہو گی اماں، سویرے اس میں نیا سیل ڈال دوں گا۔''

''کون سے سویرے؟ سویرا تو ہو گئی ہے، آ کر ابھی سیل تبدیل کرو...... اور تم بھی بستر چھوڑو بہو!'' کہہ کر وہ نکل گئیں۔ میری اور احمد کی نظریں ٹکرائیں، ان میں شرمندگی تھی اور میری نظر میں حیرت، جانے میں کس طرح کی آزمائش میں آن پڑی تھی۔ احمد تو فوراً کسی ننھے منے کی طرح اماں کے حکم کی تعمیل کے لیے نکل گئے اور میں نے دوبارہ رضائی اپنے اوپر کھینچی۔ مجھے علم بھی نہ ہوا کہ وہ کس وقت واپس لوٹے ہوں گے۔

☆☆☆

ولیمے کی تقریب میں تو اماں یوں سب کے سامنے میری بلائیں لے رہی تھیں اور صدقے واری جا رہی تھیں جیسے انہیں میری صورت کوئی خزانہ مل گیا تھا۔ میری امی کے گلے لگ کر انہوں نے ان کا شکریہ بھی ادا کیا تھا کہ انہوں نے انہیں اپنی ہیروں جیسی بیٹی دی۔ والدین کے لیے تو ساری بیٹیاں ہیروں جیسی ہوتی ہیں اور مائیں اپنی بیٹیوں کو ہیروں کی طرح تراش کر ہی سسرال بھیجتی ہیں تاکہ ... کوئی ان کی تربیت پر حرف نہ اٹھائے، اس وقت واری صدقے جانے کی اداکاری کرنے والی میری ساس امی نے تو رات سے لے کر اب تک میرا خون جلا، جلا کر مجھے شاید کوئلہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ بار، بار وہ اسٹیج پر آ کر ہم دونوں کے بیچ بیٹھ جاتیں اور فوٹو بنواتیں۔

''کہیں تم دونوں کی چاند اور سورج جیسی جوڑی کو دیکھ کر کوئی نظر نہ لگا دے۔'' وہ کہتیں اور ہم دونوں مسکرا کر فوٹو کھنچواتے۔ سنبل بھی اسٹیج پر آ کر تصویر بنوانے لگی تو اس نے

مجھ سے کہا کہ میری مسکراہٹ بالکل مصنوعی لگ رہی ہے۔ میں اس کی اس بات پر ہنکارا بھر کر رہ گئی۔ تقریب کا اختتام ہو رہا تھا...... کھانا کھا کر مہمان جانا شروع ہو گئے تھے۔

''ہم بچوں کو چند دن کے لیے اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتے تھے، کچھ عزیز جو گھر پر ٹھہرے ہوئے ہیں وہ ان کے لیے دعوتیں کرنا چاہ رہے ہیں کیونکہ پھر انہیں لوٹ کر بیرون ملک واپس جانا ہے۔'' امی جان نے اسٹیج پر آ کر ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتی ہوئی میری ساس امی سے کہا۔ اس تقریب کی وہ میزبان تھیں مگر ان کے رنگ ڈھنگ ایسے تھے۔ جیسے وہ مہمانِ خصوصی ہوں۔

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ ابھی تو گھر جائیں گے۔ پھر سعدیہ کو سامان وغیرہ بھی تو تیار کرنا ہوگا۔ شام تک، تب تک ہمارے ہاں بھی کچھ بچے آئے ہوئے ہیں۔'' خوش دلی سے انہوں نے کہا۔

میرے میکے والے بھی رخصت ہوئے تو ہماری بھی گھر کے لیے روانگی ہوئی۔ گھر پہنچ کر اللہ کا شکر ادا کیا، انہوں نے جانے کہاں سے یہ سستا سا ہال ڈھونڈا تھا کہ جہاں ہیٹر بھی نہیں تھے اور کھانا تھا تو وہ بھی بالکل ٹھنڈا۔ تقریب میں شریک مہمان تو پھر سویٹر اور چادریں وغیرہ اوڑھ لیتے ہیں مگر دلہن کا تو لباس ہی نمائش پر لگا ہوتا ہے سو اس کے ساتھ سویٹر یا شال کا کوئی سوچتا بھی نہیں۔

☆☆☆

''بہو تم جاؤ اپنے سامان کی تیاری کرو۔'' گھر پہنچ کر حکم صادر ہوا، میں نے سب سے پہلے تو اپنا بھاری لباس تبدیل کیا اور سنبل سے فرمائش کر کے چائے بنوائی کیونکہ سردی سے میرے وجود کی قلفی جم گئی تھی۔ میں نے سامان تیار کر لیا تھا، اس کے بعد لاؤنج میں آ گئی جہاں سب لوگ بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے اور چائے پی رہے تھے۔ مجھ سے پوچھا گیا تو میں نے انکار نہ کیا، اس موسم میں تو جتنی بھی چائے مل جائے۔

''سامان تیار ہو گیا؟'' وہی تحکمانہ لہجہ۔

''جی اماں!'' میں نے کوشش کر کے انہیں اماں کہا تھا، کئی مہینوں سے تو انہیں آنٹی کہنے کی عادت تھی مگر رات احمد نے کہا تھا کہ میں انہیں اسی طرح مخاطب کیا کروں جس طرح وہ کرتے تھے۔

''یہاں سے کوئی تمہیں چھوڑنے کے لیے جائے گا یا وہاں سے کوئی لینے کے لیے آئے گا؟'' انہوں نے مجھ سے سوال کیا۔

''جی میں اور احمد خود ہی چلے جائیں گے۔'' نظر اٹھا کر انہیں دیکھا تو ان کی نظر کی تاب نہ لا سکی۔

''پہلی بات تو یہ کہ احمد تمہارا شوہر ہے، چھوٹا بھائی نہیں کہ اس کا تم یوں نام لو۔'' جواب میں انہوں نے میری سب کے سامنے بے عزتی ہی تو کر دی۔

''تو کیا وہ احمد بھائی کو بھائی جان کہنا شروع کر دے؟'' سنبل نے کہا تو سب کا قہقہہ چھوٹا اور ان کے چہرے پر غیظ ......

''نام لینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟'' انہوں نے ابرو اچکا کر کہا۔

''تو کیا وہ آپ کے زمانے کی طرح کہے...... وہ، ان کے، منے کے ابا......'' سنبل نے کہا۔ ''پر وہ تو ابھی تک آپ کے منا ہیں، منے کے ابا کس طرح کہلا سکتے ہیں؟'' وہ خود ہی ہنسی، باقی سب تو ہنس ہی رہے تھے۔

''یوں کریں سعدیہ بھابی کہ آپ انہیں اماں کی طرح منا ہی کہہ لیا کریں۔'' اس کا فقرہ پورا ہونے تک کمرا زعفران زار بنا ہوا تھا۔

''میں ماں ہوں منے کی، وہ ماں نہیں ہے۔''

''اگر وہ ماں نہیں ہے اور بیوی ہے تو اسے ایک بیوی کی طرح ہی بلانے دیں ان کو اماں۔ میں بھی سعد کو سعد ہی کہتی ہوں، باقی ساری بہنیں اور بھابیاں اپنے شوہروں کو ان کے ناموں سے ہی بلاتی ہیں اماں۔'' سنبل نے کہا۔

''تم اپنی حد میں رہو سنبل۔'' انہوں نے غصے سے کہا۔ ''باقیوں کے منہ بھی اس گھر سے جانے کے بعد ہی کھلے ہیں ورنہ اس گھر میں رہتے ہوئے کسی کی جرأت نہ ہوتی تھی کہ شوہر کا نام بلائیں۔'' انہوں نے باقیوں کو بھی رگڑ دیا تھا۔ ''ہاں بہو، تم اپنے میکے سے کسی کو بلا لو اور جاؤ، منا نہیں جائے گا۔''

''مگر اماں آپ نے تو ان کی والدہ سے کہا تھا......''

''کیا کہا تھا؟'' اماں نے اس کی بات کاٹی۔ ''انہوں نے کیا مجھ سے پوچھ کر دعوتوں کے منصوبے بنائے تھے۔ ان کی بیٹی اب صرف ان کی بیٹی نہیں رہی، اب وہ کسی کی بیوی ہے اور کسی کی بہو ہے۔ یہ کہاں کا رواج ہے

کہ کہا کہ بچوں کو بھجوا دیں، کیا شادیاں کر کے لڑکوں کی مائیں فالتو ہو جاتی ہیں؟'' سب کو سانپ سونگھ گیا تھا، وہ سب تو غالباً عادی تھے ان باتوں کے مگر میں وہاں اتنا عجیب محسوس کر رہی تھی۔ جیسے میں کسی عدالت میں پیش ہو کر نا کردہ جرم کی سزا سن رہی تھی۔

''اماں اس وقت کوئی سین نہ ہی بنائیں تو بہتر ہے، کل اس کی شادی ہوئی ہے اور آج آپ اس کی بیوی کو اکیلے میکے بھیجنا چاہتی ہیں، ان پر اس کا کیا تاثر پڑے گا؟'' احمد کے سب سے بڑے بھائی نے کہا، اپنا تاثر قائم کرنا شاید اماں کی دکھتی رگ تھی جس پر انہوں نے ہاتھ رکھ دیا تھا، ابھی ان کے ماتھے کے بل ذرا کم ہوئے ہی تھے کہ فون پر کال آ گئی، سنبل نے فون اٹھایا اور سلام دعا کر کے فون، اماں کی طرف بڑھایا۔

''کون ہے؟'' انہوں نے فون پکڑتے ہوئے سوال کیا۔

''سعدیہ بھابی کی والدہ ہیں۔'' اس نے کہا تو اماں نے فون کان سے لگالیا۔

''ارے بہن اس کی کیا ضرورت ہے؟'' انہوں نے سلام دعا کے بعد کہا۔ ''بچوں کی دعوت ہے ناں تو وہ آ جائیں گے۔ میں نہیں آ سکوں گی کیونکہ یہاں بھی سارے بچے آئے ہوئے ہیں۔ ارے نہیں نہیں، سارے بچوں سے تو وہاں میلا ہی لگ جائے گا۔ نہیں بھئی بہت شکریہ، جانتی ہوں کہ آپ تکلفاً نہیں کہہ رہی ہیں...... آج تو نہیں، کل بچے چلے جائیں گے تو اس کے بعد میں ضرور آ جاؤں گی۔ نہیں نہیں، میں ہرگز تکلف نہیں کر رہی ہوں، آپ ایسا سوچیں بھی نہیں، ہم تو بہنوں کی طرح ہیں اور بہنوں میں کیا تکلف ہوتا ہے۔'' اس طرح کی باتیں کر کے انہوں نے دعا سلام کے بعد فون بند کیا۔ اس وقت تو ان کے لہجے میں ایسی چاشنی گھلی ہوئی تھی کہ امی جان سوچ رہی ہوں گی کہ کتنی میٹھی زبان ہے میری ساس کی۔

''چلو احمد جاؤ تم اپنی تیاری بھی کرو اور دونوں جاؤ، میں کہہ رہا ہوں۔'' ان کے بڑے بھائی نے کہا۔ ''اب تو انہوں نے اماں کو بھی مدعو کر لیا ہے اگر وہ جانا چاہتی ہیں تو بے شک جائیں، ہم میں سے کسی کو اعتراض نہ ہو گا، ہم کون سا اس گھر میں مہمان ہیں۔'' ان کے کہنے پر اماں خاموش رہیں، اس سے زیادہ کچھ کہتیں تو مزید تماشا بنتا، احمد بغیر اماں کی طرف دیکھے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، میں نے بھی ان کی تقلید کی اور ان کے پیچھے، پیچھے کمرے میں آ گئی، وہاں رکتی تو اماں مزید بے عزتی کر دیتیں۔

''اماں ذرا ہاتھ ہلکا رکھیں اس پر۔'' مجھے پیچھے ان کے بڑے بھائی کی آواز آئی۔ ''ہم سب کو بھی آپ کی انہی عادتوں کی وجہ سے یہ گھر چھوڑنا پڑا تھا، ورنہ آج ہم سب اس گھر میں اکٹھے رہ رہے ہوتے۔'' میں اماں کا جواب سننے کے لیے رکی نہیں تھی۔

☆☆☆

تین دن تک ہم وہیں رہے تھے، احمد کی اماں پہلے دن کے بعد کی دو دعوتوں میں آ گئی تھیں، انہوں نے احمد کو ہی فون کر کے بتا دیا تھا کہ انہیں شام کو لے لیں۔ سب کے سامنے ان کی فراخ دلی، اچھی عادت اور میٹھی زبان کا سکہ جم گیا تھا، میں اندر کی بات جانتے ہوئے بھی خاموش تھی کہ ان کے بارے میں کچھ کہنا میرے ہی خلاف جاتا، کوئی میری بات پر یقین نہ کرتا۔

دعوتوں کا سلسلہ ختم ہوا اور ہمارے واپس جانے کا وقت آ گیا تو امی جان نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا، انہوں نے ہمارے اور اماں کے لیے کچھ تحائف تیار کر رکھے تھے اور ساتھ مٹھائی، انہیں اس تردد کے لیے احمد نے منع کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے ہاں کی رسم ہے۔ احمد، امی جان کے کمرے سے باہر نکل گئے تو امی جان نے مجھے اپنے پاس صوفے پر بٹھالیا۔

''شادی صرف خوشی کا نام نہیں ہے بیٹا، اس میں دو فریقین کے بیچ زندگی کے ہر معاملے پر سمجھوتا بھی ہوتا ہے، مجھے دو ایک دن میں ہی تمہارے چہرے کو دیکھ کر اندازہ ہو گیا ہے کہ جب بھی تمہاری ساس کا ذکر آتا ہے یا وہ آتی ہے، تو تمہارے چہرے پر علیحدہ سا رنگ گزرتا ہے، بیٹا وہ تمہارے شوہر کی ماں ہیں، میں نے محسوس کیا ہے کہ شادی سے پہلے کا ان کا رویہ مختلف تھا اور اب وہ اسی لگاؤ اور خلوص کا اظہار کرتی ہیں تو اس میں بناوٹ محسوس ہوتی ہے۔ زندگی شادی کے بعد بہت پٹخنیاں دیتی ہے، بہت سے سبق سکھاتی ہے اور لوگوں کے مختلف چہرے نظر آتے ہیں۔ جو بھی ہے میں اس کی تفصیل نہیں پوچھوں گی مگر صرف اتنا کہوں گی کہ اگر تمہارا شوہر تمہارے ساتھ ہے،

اچھا ہے تو اس کی خاطر بہت کچھ برداشت کر لینا، صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور نہ ہی ساس کی خدمت میں کوئی کمی چھوڑنا، ان کا احترام ہمیشہ ملحوظ رکھنا۔ سارے اچھے برے وقت گزر جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، اس کا بڑا اجر بھی ہے اور وقت گزرے گا تو انہیں تمہاری قدر بھی آ جائے گی۔"

میں امی کا سکھایا ہوا سبق اپنے پلو سے باندھ کر احمد کے ساتھ لوٹ آئی۔ احمد کا ساتھ تھا جس کی وجہ سے میں ہر تلخی کو بھی مٹھاس کی طرح سہتی رہی۔ احمد یہی کہتے تھے کہ ان کی ماں کی ساری زندگی آزمائش کا تسلسل رہی ہے اس لیے میں صبر اور برداشت کے ساتھ ان کے ساتھ رہوں بھی اور ان کی عزت اور خدمت بھی کروں۔ اس ایک بات کے علاوہ ان کا مجھ سے کوئی مطالبہ نہیں تھا، وہ مجھ سے پوچھتے تک نہ تھے کہ میں کیا کرتی ہوں اور کہاں جاتی ہوں۔ جیسا بھی کھانا پکاتی تھی، خاموشی سے کھا لیتے۔ اچھی بات یہ بھی تھی کہ انہوں نے بھی میری اپنی اماں کے سامنے ہتک نہیں کی۔ اگر میں کسی بات پر کچھ کہہ دیتی تو ان کے ماتھے پر بل تو اسی وقت نظر آ جاتے مگر وہ اس وقت تک بات نہ کرتے جب تک کہ ہم دونوں تنہا نہ ہوتے۔ میرا بھی اس وقت تک غصہ اتر چکا ہوتا اور میں ان کی بات رسان سے سنتی تھی۔

وقت نے ہمارے آنگن میں چار بچوں کی کلکاریاں بھر دیں اور میں ان کی پرورش اور اماں کے ناز اٹھانے میں ہلکان ہونے لگی۔ پہلے چند کاموں کے لیے ایک ملازمہ آتی تھی اور کام کر کے چلی جاتی تھی۔ بچوں کی پیدائش کے ساتھ ایک کل وقتی ملازمہ، فرحت کا اضافہ ہو گیا اور اس سے میرا بوجھ بہت بٹ گیا۔ وہ گھر کے سب کاموں میں میری مدد کرتی تھی۔ کل وقتی ملازمہ رکھنے کے لیے ہمیں ہنگامی بنیادوں پر برآمدے کے آخری سرے پر، ہمارے کمرے کے نزدیک ہی ایک کمرا بنانا پڑا تھا۔ اس وقت تک وہ بچوں کے کمرے میں بستر لگا کر سوتی رہی۔ اس کا کمرا تیار ہو گیا اور وہ اس میں منتقل ہو گئی۔ جب وہ بچوں کو دانت برش کروا کر، منہ ہاتھ دھلا کر یا نہلا کر ان کے بستروں میں لٹا کر اپنے کمرے میں جاتی تو اس کا گزر ہمارے کمرے کے سامنے سے ہوتا تھا اور میں جان جاتی تھی کہ بچے سو گئے ہوں گے۔

فرحت واقعی اسم بامسمیٰ تھی۔ اس کے وجود سے زندگی میں ایسا سکون ہو گیا تھا کہ جس کے لیے میں سالوں سے ترس رہی تھی۔ وہ اماں کے بھی کئی کام کر دیتی تھی، انہیں نہانے میں مدد کرتی، ان کی مالش کرتی، ان کی ٹانگیں دبا دیتی جس کی وجہ سے میری اور احمد کی ایک اہم ذمے داری کم ہو گئی تھی۔ میں تو بچوں میں مصروف ہو کر ویسے بھی رات کو دیر تک ان کی ٹانگیں نہیں دبا پاتی تھی تو احمد ہی یہ ذمے داری نبھاتے تھے، اماں اس وقت سوتی تھیں جب میں بھی گہری نیند میں جا چکی ہوتی تھی۔ کئی بار تو مجھے علم بھی نہ ہوتا تھا کہ احمد کمرے میں لوٹے کب۔ زندگی میں سے رومانوی رنگ کم ہو گیا تھا اور میں بچوں کے بیچ گھن چکر بن گئی تھی۔ سالوں پر سال یوں گزرے اور میرے بالوں میں چاندی گھلنے لگی، اماں کے وجود کی کمزوری بڑھی تو زبان میں اور بھی طاقت آ گئی۔ سارا طنطنہ اب زبان میں ہی سمٹ آیا تھا۔ ذرا دیر کو تھم کر دیکھا تو نئی ذمے داریاں نظر آئیں۔ تینوں بیٹیاں میرے قد کے برابر نظر آنے لگی تھیں۔

☆☆☆

مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ اکلوتے بیٹے کی ماں اور بیوی کے بیچ ایک غیر محسوس سی جنگ چلتی رہتی ہے۔ دونوں اس کی ملکیت کی دعوی دار ہوتی ہیں، ماں کو ڈر ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا بیوی چھین کر لے جائے گی اور بیوی سوچتی ہے کہ اگر ماں کو اپنے بیٹے کو اتنا ہی چپکا کر رکھنا تھا تو اس کی شادی نہ کرتیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی تین بیٹیوں کے بعد ایک بیٹا عطا کیا تھا۔ احمد تو تین بیٹیوں کے بعد مطمئن تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے نصیب میں بیٹا لکھا ہوتا تو تین بیٹیوں میں سے ایک بیٹا ہوتا مگر میں مصر تھی کہ ایک بار کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری سنی تو میری نمازیں، دعائیں اور سجدے طویل سے طویل تر ہوتے گئے، امی جان کو بھی بار، بار کہتی کہ میرے لیے دعا کریں کہ میرا بیٹا ہو اور وہ جواب میں کہتیں کہ اللہ تعالیٰ سے نیک، صحت اور سلامتی والی اولاد مانگتے ہیں۔

تینوں بیٹیاں بچپن کی حدود سے نکل رہی تھیں جب میرے ہاں دانیال کی ولادت ہوئی تھی۔ میں نے عہد کیا تھا اور احمد کو بھی بتایا تھا کہ اگر زندہ رہی اور بیٹے کو بیاہنا اور گھر میں بہو لانا نصیب ہوا تو میں اچھی ساس ہونے کی

مثال قائم کروں گی کہ لوگ کہیں ساس کا مطلب فقط ظالم اور غصیلی عورت ہی نہیں ہوتا۔ اپنی بیٹیوں کو بھی سکھاؤں گی کہ نندیں بننا تو ایسی بننا جیسی کہ تم آپس میں بہنیں ہو۔

میں نے تو اماں کو اس بات پر ہمیشہ غصے میں ہی دیکھا کہ اگر احمد کبھی کسی کام میں میری مدد کر دیتے تھے اور تو اور اگر وہ کسی روتے ہوئے بچے کو بھی اٹھا لیتے تو اس پر اماں بپھر جاتیں کہ انہیں شرم نہیں آتی، بچہ اٹھایا ہوا ہے اور وہ بھی اپنا۔ گویا وہ کسی اور کا بچہ تو اٹھا سکتے ہیں کہ وہ کم بڑا جرم ہے مگر اپنا بچہ اٹھانا تو ناقابلِ معافی جرم تھا۔ جانے اس کے پیچھے ان کا کیا جواز تھا جس کا ہمیں کبھی علم نہ ہوا تھا۔

ہماری شادی کے بعد تیس سال تک اماں زندہ رہیں، اس میں سے آخری پانچ سال وہ بالکل بستر سے لگ گئی تھیں۔ اس سارے عرصے میں وہ کبھی کہیں گئی نہیں، اگر گئیں بھی تو ہمارے ساتھ ہی یا احمد کے ساتھ، دن، دن میں جاتیں اور لوٹ آتیں۔ کوئی بھرا پُرا خاندان نہ تھا، اپنے بچوں کے ہاں ہی عموماً جاتیں مگر کم، کم اور اکثر یوں کہ ہم سب ہی مدعو ہوتے تھے۔ ان کے نزدیک، میاں بیوی کا رشتہ صرف رات کے وقت کا ہوتا ہے، دن میں اگر میں اور احمد کہیں اکٹھے بیٹھ بھی جاتے تو وہ فوراً ٹوک دیتیں۔

''رات کیا کم ہوتی ہے تم لوگوں کو جڑ جڑ کر بیٹھنے کے لیے؟'' اب اماں کو کون بتائے کہ رات سونے کے لیے ہوتی ہے، جڑ جڑ کر بیٹھنے کے لیے نہیں۔ وہ کسی چیل کی طرح اپنے بیٹے کا پہرہ دیتیں کہ کہیں دن میں، میں ان کے پاس نہ چلی جاؤں، ہم آپس میں کوئی بات نہ کر لیں، کسی کے ہاں جاتے اور وہاں بھی اکٹھے بیٹھ جاتے تو احمد کو ایسی ظالم گھوری مارتیں کہ وہ ڈر کر میرے پاس سے اٹھ جاتے اور دور ہو کر بیٹھ جاتے۔

احمد اگر بیٹیوں کو پیار کرتے تو کہتیں کہ باپ بیٹی کے بیچ کوئی حیا ہوتی ہے، کوئی شرم ہوتی ہے۔ ہم بل کھا کر رہ جاتے مگر جرأت نہ ہوتی کہ انہیں کوئی جواب دیں کہ جن توپوں کا منہ کھلتا تھا، ان کے سامنے ہماری کھڑے ہونے کی بھی مجال نہ تھی۔ بچیاں بھی گھر میں سہمی، سہمی سی رہتیں کہ جانے کس بات پر دادی جان کا مزاج بگڑ جائے اور ان کے ابا کو شکایت ملے اور بیٹیوں کو خواہ مخواہ میں ڈانٹ پڑ جائے۔ اگر کبھی احمد کو سمجھانے کی کوشش کرتی کہ اماں بچیوں کے ساتھ سختی اور زیادتی کرتی ہیں تو ان کا پارہ چڑھ جاتا کہ میں ان سے اماں کی شکایت کر رہی ہوں۔ عجیب سا جال تھا جس میں پھنسی ہوئی تھی، اپنے شوہر سے بھی دل کی بات نہیں کر پاتی تھی۔

ہاں اماں کا رویہ دانیال کے ساتھ تو یوں تھا جیسے ان کی ہتھیلی پر کوئی چھالا نکلا ہوا ہو۔ اسے کوئی کچھ نہ کہے، کوئی ڈانٹے تک نہیں خواہ وہ میں ہوں یا احمد۔ اس کے لیے دودھ اور انڈوں کا خاص اہتمام کرواتیں اور کہتیں کہ اسے یہاں میرے سامنے دودھ اور انڈے لا کر دو تا کہ میرے سامنے کھائے۔ ایسا ہی کرنا پڑتا لیکن میں اتنے ہی انڈے اور دودھ سب بیٹیوں کو بھی کھلاتی تھی کہ انہیں احساسِ کمتری نہ ہو، انہیں کھلانے کے لیے مجھے اماں سے چوری موقع ڈھونڈنا پڑتا تھا۔ میری نظر میں تو سب اولادیں برابر تھیں، جب دانیال چھوٹا تھا تو اماں اس کی خود تیل سے مالش کرتیں، نہلاتیں، پاؤڈر اور سرمہ لگاتیں اور اپنے پاس اس کا پنگھوڑا رکھا تھا کہ سوئے بھی تو ان کی نظر کے سامنے رہے۔

''اب مجھ سے مقابلے بازی میں ایسا نہ ہو کہ ایک کے بعد ایک اور بیٹیاں پیدا کرتی جاؤ، بس دانیال کافی ہے۔'' اماں نے خود تین بیٹے جیسے اپنی کاوش اور محنت سے پیدا کیے تھے۔ نہ صرف یہ کہ اماں نے میری کسی بھی بیٹی کی دفعہ ایسے چاؤ نہ کیے تھے بلکہ اماں تو ان بیٹیوں کو اپنے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتی تھیں اور دانیال تو جیسے انہیں کوئی کھویا ہوا ہیرا مل گیا تھا۔ اماں کو چڑانے کے لیے ہی میں نے بہت چھوٹی عمر سے دانیال کو چھوٹے، چھوٹے کام کہنا شروع کر دیے، وہی کام میں نے بیٹیوں سے بھی اسی طرح کروائے تھے جیسے کہ خود اٹھ کر پانی پییں، کھانے کے بعد اپنے برتن باورچی خانے میں رکھیں، اپنا بستر جیسا بھی ہو خود سویرے اسکول جانے سے پہلے ٹھیک کریں، اپنی الماریاں صاف کریں، گھر کی صفائی میں میری مدد کر دیں۔

میں نے ہمیشہ سوچا تھا کہ اپنے بیٹے کو بھی گھر کے کاموں میں اسی طرح طاق کروں گی جیسے کہ اپنی بیٹیوں کو کیا۔ اسی لیے میں اسے کام کہتی مگر اماں چڑتیں اور جتنا وہ چڑتیں، اتنا ہی میں دانیال کو اور بھی کام کہتی۔ دانیال نے کبھی بھی کسی کام کے کرنے میں عار نہ سمجھی اور نہ ہی کبھی کسی کام کے لیے دوبارہ کہلوایا، وہ شوق سے میری مدد کرتا بلکہ ہر کام میں بہنوں سے سبقت لے جانے کی

کوشش کرتا۔ میں اس پر مطمئن ہوتی کہ میری بیٹیوں کو کبھی یہ احساس نہیں ہوگا کہ میں نے بھائی کو کسی طور بھی زیادہ اہم سمجھا، اس کے لیے اماں ہی کافی تھیں جو بیٹیوں کو اچھوت سمجھتی تھیں۔ جوں، جوں ہم عمر میں آگے جا رہے تھے، ہمت جواب دیتی جا رہی تھی اس لیے میں نے اماں کی ٹانگیں دبانے کی ذمے داری بچوں کو دے دی تھی اور ہر بچہ اپنی باری پر رات دیر تک دادی کے پاؤں اور ٹانگیں دبا کر سوتا تھا۔

احمد کو آرام کرنے کا وقت مل جاتا تھا۔

☆☆☆

تینوں بیٹیوں کے رشتے ایک کے بعد ایک کر کے خاندان میں ہی طے ہوئے اور اپنوں میں کون سا جانچ پڑتال کرنا ہوتی ہے، اتنا ہی وقت لیا کہ جتنے وقت میں تیاری ہو جاتی اور بچیوں کو بی اے تک تعلیم دلوا کر رخصت کیا۔ اللہ کی کرم نوازی کہ ہر بیٹی کے نصیب میں ایسا بر آیا کہ گھروں میں خوش حالی تھی اور بیٹیوں کو ملازمت کی ضرورت نہ پڑتی۔ میں نے خود اپنا وقت احمد کی تنخواہ میں ہی گزارہ تھا اور اسی میں بچتیں کر کرا کے گھر میں بھی کچھ وسعت پیدا کر لی تھی۔ راحت ہماری مستقل ملازمہ ہی بن گئی تھی، اس کے کوئی آگے پیچھے نہ تھا، گھر کے فرد کی طرح ہر کام کرتی، کھانا پکانے میں بھی بچت کا خیال رکھتی، اسے بنیادی کھانا بنانا آتا تھا مگر اتنے سالوں میں اس نے ہر قسم کا کھانا پکانا سیکھ لیا تھا۔ بچیوں کو چھوٹی چھوٹی باتیں سمجھاتی جیسے کہ مائیں سمجھاتی ہیں۔ بچے اس کا بہت احترام کرتے اور اسے خالہ جان کہہ کر بلاتے۔ میری تینوں بیٹیوں کو اس نے سلائی کڑھائی کی بنیادی تربیت بھی دی تھی۔ بچیوں کی شادیوں کے لیے اس نے اپنے ہاتھوں سے کئی چیزیں بنائیں، وہ ہمہ وقت کسی نہ کسی کام میں لگی رہتی تھی۔ کبھی کڑھائی، کبھی سلائی اور کبھی کروشیا کے ٹرے کور، رومال، نیپکن، ٹرالی سیٹ، کشن، ٹی کوزیاں اور جانے کیا کیا وہ بناتی رہتی تھی، ہمارے گھر میں بھی اس کی بنائی ہوئی کئی چیزیں استعمال ہوتی تھیں۔ اماں حالانکہ ویسے اس سے نالاں رہتیں اور اسے مخاطب بھی غصے سے ہی کرتیں مگر وہ بھی اسے کوئی نہ کوئی کام دیے رکھتیں اور وہ خوش دلی سے ان کے کام بھی کر دیتی، بہت صبر اور برداشت والی عورت تھی۔

اچانک ہی ایک دن ہمارے ہاں ایک نوجوان آیا جو کہ شکل اور صورت سے پڑھا لکھا لگتا تھا۔ اس نے اپنا تعارف کروایا، احمد نے اسے بیٹھک میں بٹھایا اور ہمیں آ کر کہا کہ کوئی لڑکا ہے جو کہ راحت سے ملنا چاہتا ہے۔ میں اور راحت ساتھ ساتھ ہی بیٹھک میں داخل ہوئیں، میں نے تو اسے ظاہر ہے کہ نہیں پہچانا مگر راحت وہاں کھڑی کھڑی سسکیاں لے کر رونے لگی۔

''السلام علیکم۔'' وہ نوجوان ہمیں دیکھ کر تعظیم سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' میں نے کہا۔ ''تم کیا لگتے ہو راحت کے؟''

''میں ان کا بیٹا ہوں جی۔'' اس نے کہا اور راحت کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ذرا جھجکی اور پھر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

''میں نے تو تمہیں دیکھتے ہی پہچان گئی تھی میرے لعل!'' وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔ ''کہاں تھے ابھی تک تم؟''

''آپ کو لینے کے لیے آیا ہوں امی جی۔'' اس نے ماں کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ ''مت پوچھیں کہ کیسے آپ کا سراغ لگایا ہے۔ پوچھ، پوچھ کر نفیسہ خالہ تک پہنچا اور انہوں نے انکل کا نام بتایا تھا اور یہ کہ یہ کسی کالج میں پروفیسر ہیں۔ چھ ماہ سے شہر کے سارے کالجوں کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں اور کل ہی انکل کا اتا پتا ایک کالج سے مل گیا۔'' اس نے تفصیل سے بتایا۔ نفیسہ، راحت کی ایک سہیلی تھی جسے وہ سال میں دو ایک بار ملنے جاتی تھی، یقیناً اس کے سسرال والوں کو بھی اس کا علم ہوگا۔ اس واقعے کے بعد راحت نے اپنی زندگی کے اس باب سے پردہ اٹھایا جس کے بارے میں اس نے کبھی بتایا تک نہیں تھا۔

''میرے شوہر سے میری شادی ہوئی تو علم ہوا کہ میرے ساتھ ان کی یہ تیسری شادی تھی۔ عمر میں بھی وہ مجھ سے بہت بڑے تھے مگر میری سوتیلی ماں نے اپنا بوجھ اتارنے کے لیے اپنے دور کے ایک عم زاد سے میری شادی کروا دی تھی۔ ان کی پہلی بیویوں سے نباہ نہ ہو سکنے کی وجہ بھی مجھے جلد ہی معلوم ہو گئی تھی کہ میرا شوہر انتہائی بد زبان، شکی اور ہتھ چھٹ انسان تھا۔ اپنی جھوٹی انا کی تسکین کے لیے وہ خواہ مخواہ میں مارنا شروع کر دیتا تھا، شاید کوئی نشہ وغیرہ بھی کرتا تھا، اس کی ماں نے ان سب باتوں پر

پردہ ڈالے رکھا اور جب بھی اس کی ایک بیوی چھوڑ کر چلی جاتی تو وہ اس کے لیے فوراً نئی بیوی کا انتظام کر لیتی تھی۔ نفیسہ کا تعلق میرے سسرالی خاندان سے تھا، اسی نے مجھے یہ سب کچھ بتایا تھا، اسے مجھ سے بہت ہمدردی تھی اور وہ ہمیشہ کہتی تھی کہ تم اتنی اچھی ہو اور اتنی برداشت والی کہ اگر مجھے تم پہلے مل جاتیں تو میں تمہیں اس جال میں پھنسنے سے بچا لیتی۔ وہ رشتے میں میری سوتیلی ماں کی بھانجی لگتی تھی مگر اسے اپنی اس خالہ کے بارے میں بھی علم تھا، سوتیلی ماں کا تو نام ہی ایسا ہے کہ شاید لاکھوں میں کوئی ایک اچھا دانہ نکلتا ہو۔ نفیسہ کا گھر میرے لیے واحد سکون کی جگہ تھی اور جب بھی موقع ملتا تو میں اس کے ہاں چلی جاتی۔ ایک بار تو مجھے میرے شوہر نے اس قدر مارا کہ بس میں مر ہی جاتی اگر نفیسہ اچانک نہ آ جاتی اور شور مچا کر چار لوگوں کو اکٹھا نہ کر لیتی۔ اسی نے کوشش کر کے مجھے اسپتال پہنچایا جہاں پر میرے زخموں کی مرہم پٹی کی گئی اور اسی دوران یہ بھی انکشاف ہوا کہ میں ماں بننے والی تھی۔ اس خبر پر مجھے خوش ہونا چاہیے تھا یا پریشان، اس کا فیصلہ ہی نہیں کر پا رہی تھی کہ نفیسہ نے ہی ڈاکٹر سے کہا کہ اس بچے کو ضائع کر دیں کیونکہ میرا شوہر ہی میرے ساتھ اچھا نہ تھا تو اس کا بچہ پیدا کرنے کا کیا فائدہ۔ لیکن ڈاکٹر اس پر تیار نہ ہوئی اور میں اسپتال سے لوٹی تو نفیسہ کے گھر پر ہی رکی، اس کا شوہر کسی یورپی ملک میں ہوتا تھا اور شادی کے بعد اسے سات سال گزر چکے تھے کہ وہ لوٹ کر نہیں آیا تھا، وہ بھی اپنے گھر میں اکیلی ہی ہوتی تھی۔

میری ساس نے کئی بار آ کر نفیسہ کے ساتھ جھگڑا کیا کہ وہ مجھے واپس بھیجے۔ ظاہر ہے کہ ان کی مفت کی ملازمہ جو چلی گئی تھی مگر نفیسہ نے ایک ہی بات کی رٹ لگا لی تھی کہ وہ مجھے تب تک واپس نہیں بھیجے گی جب تک کہ میرا شوہر اس کے گھر آ کر ناک سے لکیریں لگا کر مجھ سے معافی نہیں مانگے گا اور چار معتبر لوگوں کے سامنے یہ نہیں لکھ کر دے گا کہ وہ اس پر آئندہ کبھی ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔ اس پر وہ ہرگز راضی نہیں تھا۔ میں نفیسہ کے گھر پر ہی تھی، اس پر بوجھ نہ ڈالنے کے لیے میں نے سلائی کا کام کرنا شروع کر دیا تھا اور محلے میں ہی لوگوں کے اتنے کپڑے سینے کو مل جاتے کہ میرا خرچہ نکل آتا۔ نفیسہ ہی مجھے اسپتال لے کر جاتی اور جب تک نظر نہ آنا شروع ہو گیا تھا تب تک یہ

راز، راز ہی رہا تھا۔ بات ایک سے دوسری زبان تک ہوتی ہر طرف پھیلی اور میری سسرال میں بھی پہنچ گئی۔

میری ساس پھر نفیسہ کے ہاں آئیں اور انہوں نے اصرار کیا کہ میں گھر چلوں۔ میں بھی جانتی تھی کہ بچے کی پیدائش کے اخراجات کا بوجھ نہیں اٹھا پاؤں گی اور نفیسہ سے یہ کہا کہ ایک بار اسے اور موقع دے کر دیکھتی ہوں، شاید بچے کے اس دنیا میں آ جانے سے اس کی فطرت میں کوئی تبدیلی آ جائے۔ یوں بھی اتنا آسرا مان تو ملا تھا کہ ساس کم از کم خود لینے آئی تھیں ورنہ جب سے ڈاکٹر نے کہا تھا کہ بچہ آپریشن سے پیدا ہوگا تب سے میں سوچنا شروع ہو گئی تھی کہ واپس چلی جاؤں، وہاں مالی تنگی تو نہ تھی۔ یہاں لوگوں کے کپڑے سی سی کر کتنا کما لیتی، عام محلوں میں لوگ اسی لیے کپڑے سلواتے ہیں کہ میری طرح کی ضرورت مند عورتیں کم اجرت پر کام کرتی ہیں کیونکہ وہ دکان کھول سکتی ہیں نہ گھر گھر جا کر کام لینے اور دینے کی ہمت ہوتی ہے۔ اب زیادہ دیر تک بیٹھ کر کام کرنا بھی مشکل ہو گیا تھا سو خاموشی سے اپنی ساس کے ساتھ لوٹ آئی۔

چند ہی ہفتوں کے بعد بچے کی پیدائش متوقع تھی، ساس کچھ خیال رکھنا شروع ہو گئیں، بالخصوص اس لیے بھی کہ اس سے پہلے کسی بھی بیوی سے اولاد نہیں ہوئی تھی یا شاید اگر کوئی حمل سے تھی بھی تو اس نے اس کی اولاد پیدا کرنا پسند نہیں کیا، اگر ڈاکٹر مان جاتی تو میں بھی اسی قطار میں کھڑی ہوتی۔ کسی حد تک وہ میری خوراک کا بھی خیال رکھتیں اور گھر کے کام کار کے لیے تو انہوں نے ویسے بھی ملازمہ رکھ لی تھی۔ میں اپنے شوہر سے کھنچی کھنچی سی رہتی تھی، وہ اگر دل میں شرمندہ تھا بھی تو زبان [illegible] سے اس کا اظہار [illegible] تو ہین کے مترادف تھا۔ کام سے واپسی پر کوئی پھل وغیرہ لے آتا، میری ساس نے پنجیری بھی بنالی کہ بچے کی پیدائش کے بعد مجھے کھانا ہوگی، مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بیٹے کی ہر بے جا بات میں حمایت کرنے کے علاوہ، دل کی بری نہ تھیں۔ ماں تھیں تو بیٹے اور وہ بھی اکلوتے بیٹے کی حمایت کرنا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔ اگر ان کا بیٹا اپنی بیویوں کے حق میں ذرا سا بھی اچھا ہوتا تو گھر جنت بن جاتا۔ مگر بدقسمتی سے ان کا بیٹا صرف بیویوں ہی نہیں، ماں اور بہنوں کے حق میں بھی زبان کا اتنا اچھا نہ

تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے بیٹا دیا ورنہ میری بیٹی ہوتی تو وہ بھی باپ کے عتاب سے محفوظ نہ رہتی۔ ایک بچہ تو دنیا میں آ گیا تھا اور اس کے بعد اس کے باپ کے وہی اطوار شروع ہو گئے تھے، میں نے نفیسہ ہی کی مدد مانگی کہ کچھ عرصے کے لیے کوئی اور بچہ دنیا میں نہ آئے تا کہ میں مزید بوجھ تلے نہ دبتی جاؤں۔

ایک دن شوہر نے مجھے اتنا مارا کہ میں نڈھال ہو گئی، اسی وقت سوچ لیا تھا کہ اب خاموشی سے اپنا بچہ لے کر اس گھر سے نکل جاؤں گی اور کہیں غائب ہو جاؤں گی۔ ساری تیاری میں نے کر لی تھی، اپنا زیور کیا، تھوڑا سا سامان بچے کا بھی اور ایک رات جب سب سو رہے تھے میں نے اپنے گہری نیند میں سوئے ہوئے بچے کو اٹھایا اور دوسرے کندھے پر بیگ ڈال کر گھر سے نکلی، دل خوف سے لرز رہا تھا اور سوچ رکھا تھا کہ اس بار نفیسہ کے گھر نہیں جانا۔ پیدل ہی چل کر بسوں کے اڈے پر گئی اور اپنے شہر کی بس میں سوار ہو کر راتوں رات اپنے شہر... پہنچ گئی مگر وہاں بھی میرا ارادہ یہی تھا کہ دو ایک دن رک کر اپنے ابا کو سارے حالات بتاؤں گی اور ان سے کہوں گی کہ مجھے عدالت سے خلع لے دیں، میں کسی نہ کسی طرح اپنا اور اپنے بچے کا پیٹ بھر لوں گی۔

میرے وہاں پہنچتے ہی میری سوتیلی ماں اور ان کے بچوں کے ہاتھوں پر گویا بجلی پڑ گئی۔ اپنے ابا کو سارے حالات بتائے ان کا دل بہت دکھا کہ میں نے اتنی تکلیف کاٹی تھی۔ جانے سوتیلی اماں نے ان پر کیا جادو کر رکھا تھا کہ ایک ہی دن پہلے میری داستان سن کر دکھی ہو جانے والے میرے باپ نے [illegible] دن مجھے کہا کہ مجھے واپس اپنے گھر چلے جانا چاہیے کیونکہ بیٹیاں اپنے گھروں میں ہی اچھی لگتی ہیں اور بالخصوص جب ان کے ہاں بچے بھی ہو جائیں۔ میری سوتیلی ماں نے تو کئی ایسی فضول باتیں بھی کیں کہ جنہیں بتانا بھی مجھے اچھا نہیں لگتا، میرے کردار تک کے بارے میں میرے ابا کو مشکوک کر دیا، ان کا رشتے کا بھانجا تو ہر وقت ہر عورت کو بدکردار کہنے کا عادی تھا، شاید جو لوگ خود بدکردار ہوتے ہیں وہ اپنے اوپر سے دوسروں کا دھیان ہٹانے کے لیے یہی کرتے ہیں۔

تین دن کے بعد میرا شوہر اور میری ساس مجھے واپس لینے کے لیے آ گئے، میں نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔

میں اس سے جس، جس طرح بے وجہ مار کھاتی تھی، اس طرح تو پولیس چور.... کو بھی تھانے میں نہیں مارتی ہوگی۔ میرے انکار پر اس نے میرے بچے کو اٹھالیا، میں ماں تھی، چیل کی طرح لپک کر اس سے اپنا بچہ چھینا اور اپنے سینے سے لگالیا، اس نے پھر بچے کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کی، بچہ تھا، اس چھینا جھپٹی سے رونا شروع ہوگیا، میں نے اپنی کوشش چھوڑ دی کیونکہ دونوں طرف سے کھینچ تان کرنے سے دو ماہ کے بچے کو نقصان ہوسکتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ ساتھ چلوں ورنہ وہ بچے کو ساتھ لے جائے گا اور اگر میں نے عدالتی کارروائی سے بچے کے حصول کی کوشش کی تو وہ بچے کو مار دے گا۔ میں پھر مجبور ہو کر لوٹ گئی کیونکہ نہ میرے باپ نے مجھے اپنے گھر میں رکھنا تھا اور نہ ہی میں ابھی اس قابل تھی کہ اپنے بچے کو لے کر کہیں چلی جاؤں اور اسے عزت سے پال سکوں۔

بار، بار پٹتی رہی اور ایک بار تو ایسی پٹی کہ بے ہوش ہوگئی، میرا شوہر غائب ہوگیا کیونکہ اس دفعہ نفیسہ نے میری حالت دیکھ کر پولیس بلالی تھی۔ کتنے ہی دن مجھے اسپتال میں رہنا پڑا تھا اور جب ٹھیک ہو کر واپس گھر گئی تو ماں بیٹا میرے چھ ماہ کے بچے سمیت غائب تھے۔ ابا کو فون کیا کہ وہ اپنی بیوی سے بات کریں کہ میرا بچہ لے کر ان کے رشتے دار کہاں چلے گئے۔ ان کے پاس اس کا کوئی سراغ نہ تھا اور وقت بھی نہ تھا کہ میری شنوائی کو آتے کیونکہ ان کی بیٹی کی شادی تھی۔

میں بلکتی رہی، پاگلوں کی طرح ہر طرف اپنے بیٹے کو ڈھونڈتی رہی مگر وہ تو زمین میں کسی سوئی کی طرح غائب ہو گئے تھے۔ میں نے پھر نفیسہ کے ساتھ رہنا شروع کردیا، جس اسپتال میں آخری بار علاج کے لیے رہی تھی، وہاں ایک آیا کی جگہ خالی تھی، میں نے درخواست دے دی۔ وہاں میری نوکری ہوگئی۔ میں دن کو کام کرتی اور شام میں ہر طرف اپنے بیٹے کو ڈھونڈتی پھرتی، ان کے خاندان کی ہر تقریب میں بن بلائے بھی پہنچ جاتی تاکہ اگر وہ لوگ اس میں شریک ہوں تو میں ان سے اپنا بیٹا واپس لے سکوں۔ اس کے بعد آپ کے ہاں اسی اسپتال میں ولادت ہوئی اور آپ نے کہا تھا کہ اگر کوئی بچوں کی دیکھ بھال کے لیے آیا مل سکے تو۔ میں نے سوچا کہ اسپتال سے گھر کی ملازمت آسان ہوگی اور اسپتال کی نوکری چھوڑ کر آپ کے پاس آگئی۔ یہاں مجھے ماں اور بہن جیسا مان ملا، عزت ملی، چھت بھی ملی۔ نفیسہ کے پاس گاہے بگاہے، اسی لیے جاتی تھی کہ اگر اسے کوئی ان کی خیر خبر ملے تو میں تو اب مایوس ہوگئی تھی مگر آج میری پچیس سال کی تلاش ختم ہوگئی ہے۔'' وہ اپنے بیٹے کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب اس نے کہا کہ اس کا کوئی آگے پیچھے نہیں ہے تو میں نے بھی اس سے زیادہ کرید نہیں کی۔ اس کا شوہر مر چکا تھا اور اس کی ماں بھی، اس کا بیٹا اسے ڈھونڈتا ہوا نفیسہ تک پہنچا اور پھر ماں کو پالیا وہ اسے عزت سے اپنے ساتھ لے گیا جہاں اس کی بہو بھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

☆☆☆

ہاں تو بات ہو رہی تھی بچیوں کی شادیوں کی جو کہ یکے بعد دیگرے ہوتی گئیں۔ گھر میں خاموشی ہونے لگی اور پھر شوق جاگا کہ گھر میں بہو لائی جائے۔ اماں کا اصرار تھا کہ سنبل کے ہاں رشتہ کیا جائے۔ رملہ، سنبل کی بیٹی تھی اور عمر میں دانیال سے پانچ برس بڑی۔ دھان پان سی بچی تھی اور دیکھنے میں بڑی لگتی بھی نہیں تھی کیونکہ لڑکے تو قد کاٹھ نکالتے ہیں اور ساتھ ہی مرد لگنے لگتے ہیں۔ دانیال کی اٹھان بھی اچھی تھی۔ رملہ کی عمر پر کوئی خاص اعتراض نہ تھا، سنبل سے بھی میری بہت دوستی تھی مگر میں جانتی تھی کہ رملہ منہ پھٹ اور بدتمیز لڑکی تھی۔

''جانے کس سے اس نے ایسی عادات لے لی ہیں۔'' اکثر سنبل میرے سامنے دل کے پھپھولے پھوڑتی کہ اسے اندازہ تک نہ تھا کہ کبھی ہمارے گھر میں اس کی اسی بیٹی کے لیے رشتے کی بات کی جائے گی۔

''دانیال اور رملہ کی شادی کا خیال آپ لوگوں کا ہے یا اماں اس معاملے میں بھی آپ پر زور زبردستی کر رہی ہیں؟'' سنبل نے ایک دن مجھ سے پوچھا تھا۔

''کیوں؟'' ا[illegible] اچانک سوال کے لیے میں ذہنی طور پر تیار نہ تھی اس لیے اور کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی۔

''اماں نے مجھ سے بات کی ہے کہ آپ دونوں کا خیال ہے کہ جس طرح ساری بیٹیوں کے رشتے اپنے خاندان میں [illegible] ہی طے پاگئے ہیں، اسی طرح دانیال کے لیے بھی [illegible] آپ بہو خاندان سے لانا چاہ رہے ہیں، اماں نے تجویز دی ہے اور وہ تجویز آپ دونوں کو بہت بھائی ہے؟''

''ہاں، اماں نے تجویز دی ہے بلکہ وہ مصر ہیں۔'' میں نے حقیقت بیان کی۔

''بھابی، عادت میں رملہ، اماں کا پرتو ہے اور اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اماں نے اسے کافی عرصہ اپنے پاس رکھا تھا، میں ضد بھی کرتی تو کہتیں کہ تم جاؤ میں اسے رکھ لوں گی، مجبوراً مجھے بھی اس کے ساتھ رکنا پڑتا تھا، وجہ یہی تھی کہ میں اماں کی سب سے چھوٹی، لاڈلی اور منہ چڑھی اولاد اور رملہ میری بیٹی میری شادی کے بہت سالوں بعد پیدا ہوئی تھی۔ آپ یہ سب کچھ جانتی ہی ہیں۔ رملہ کو اماں کے لاڈ پیار نے اتنا بگاڑ دیا ہے کہ وہ بچپن سے ہی اپنے بہن بھائیوں کی میری اور سعد کی شکایتیں تک اماں سے کرتی اور اماں ہم سب کو لتاڑ دیتیں۔ اس سے رملہ کی جانے کس حس کی تسکین ہوتی تھی لیکن غلط یہ ہوا کہ اس سے رملہ دوسری اماں بن گئی، وہ اپنی ضد اور خواہش کے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتی۔'' اس نے وضاحت کی۔

''بچی ہے، ٹھیک ہو جائے گی آہستہ، آہستہ۔'' میں اور کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

''جسے یہ سب معلوم نہ ہو اور وہ اسے بیاہ کر لے جائے اور بھگتتا پھرے تو اور بات ہے مگر میں اور سعد دونوں اس حق میں نہیں ہیں کہ رملہ اور دانیال کا رشتہ ہو۔ آپ تو اتنی اچھی ہیں کہ آپ سے رشتہ مضبوط کرنے کو خاندان کا ہر گھر مرنے کو بھی تیار ہو جائے مگر میں نہیں چاہتی کہ آپ ایک ہی بھولائیں اور وہ آپ کے لیے مشکلات کھڑی کر دے۔ اب آپ عمر کے اس حصے میں ہیں کہ آپ کی بہو آپ کی اسی طرح خدمت اور عزت کرے جس طرح اماں کی آپ نے کی ہے۔'' اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''اللہ تعالیٰ سب کے لیے بہتر کرے گا سنبل۔'' میں اسے اتنا ہی کہہ سکی۔

رملہ کو مجھ سے زیادہ [illegible] بہت کہا، جانتا تھا اور اب تو اس کی ماں اپنے منہ سے سب [illegible] کچھ کہہ رہی تھی۔ میں اسے کیسے کہہ سکتی تھی کہ نہیں نہیں سنبل، بچیاں شادی کے بعد بدل جاتی ہیں۔ ہماری ماؤں نے تو ہمیں ہمیشہ [illegible] یہی سبق دیا تھا کہ ساس، سسر کی عزت اور خدمت کرو اور ہم نے [illegible] ماؤں کی بات کو پلو سے باندھ لیا تھا مگر آج کل کی بچیاں تو اپنی ماؤں کی بھی نہیں سنتیں۔ سنبل اور میرے بیچ بہت پیار اور دوستانہ تھا اور ہم ایک دوسرے سے ہمیشہ اپنے دل کی بات کہہ لیتے تھے۔ اماں میرے ساتھ کوئی زیادتی کرتیں تو احمد بھی میری بات نہیں سنتے تھے کہ میں ان کی ماں کے خلاف ان کے کان نہ بھروں، اس لیے بے تکلفی کے باوجود، سنبل خود سے محسوس کر کے، اماں کے بارے میں چاہے جو بھی کہتی، میں نے کبھی اماں کے بارے میں اس سے ایک لفظ بھی منفی نہیں کہا۔ اسی وجہ سے سسرال میں سب لوگ میری اس خوبی کو سراہتے تھے، میں نے بڑی کٹھن منزلیں طے کر کے سسرال میں اپنی عزت اور نیک نامی بنائی تھی۔

☆☆☆

رملہ ڈرائیور کے ساتھ اکیلی آئی تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک بڑا بیگ بھی تھا۔ اس نے مجھے میرے کمرے میں آ کر سلام کیا اور بتایا کہ وہ نانو کے پاس جا رہی تھی، میں نے اس سے کچھ بھی نہیں پوچھا، شاید ان کے لیے کچھ لائی ہو گی۔

''رملہ کچھ دن کے لیے یہاں رہنے کے لیے آئی ہے سعدیہ!'' کھانے کی میز پر انہوں نے مجھے خاص طور پر مخاطب کر کے کہا تھا۔ ''میں اس کے لیے اداس تھی تو میں نے اس سے کہا کہ کچھ دن کے لیے میرے پاس آ کر رہے۔''

''چار قدم پر گھر ہے نانو، دن میں دس دفعہ آ کر واپس جا سکتی ہوں مگر آپ نے تو جانے کیا ضد باندھ لی کہ مجھے آنا ہی پڑا۔'' اس نے نانی پر احسان جتانے کا موقع ضائع نہیں کیا۔

''نانو کی جان، میرا بس چلے تو میں تمہیں ہر وقت سامنے بٹھا کر دیکھتی رہوں۔'' اماں کا سارا لاڈ اور پیار اُمڈ، اُمڈ کر آ رہا تھا۔ میرے اندر غصے سے ابال اٹھ رہے تھے مگر میں مسکرا رہی تھی۔ کھانے کے بعد میں برتن سمیٹنے لگی، راحت کے جانے کے بعد گھر میں ہمیشہ جز وقتی ملازمہ ہی رہیں۔

''اٹھو رملہ، سعدیہ کے ساتھ برتن اٹھانے میں مدد کرواؤ۔'' اماں نے کہا تھا، میں اس وقت کھانے کے کمرے کے دروازے پر ہی پہنچی تھی۔

''مجھے ملازموں کی طرح کام کرنے کی عادت نہیں نانو۔'' اس نے اٹھلا کر کہا۔

''کام کرنے سے کوئی ملازم نہیں بن جاتا رملہ۔'' احمد نے اسے گھرکا تھا۔ ''ساری بچیاں گھروں کے کام

کرتی ہیں۔''

''میرے علاوہ..... سوری ماموں!'' کہہ کر اس نے قہقہہ لگایا تھا۔ دانیال اٹھا اور اس نے باقی برتن سمیٹ کر اٹھا لیے، باورچی خانے میں آ کر میرے ساتھ کھانا سمیٹنے اور برتن دھونے میں مدد کرنے لگا۔ کھانے کے کمرے سے تینوں کی باتوں کی آواز آ رہی تھی مگر مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کچھ برتنوں کا شور بھی تھا۔

''میں دھوتی ہوں برتن دانیال بیٹا، تم کھانا ڈونگوں میں ڈال کر فریج میں رکھ دو۔'' میں نے کہا۔

''واؤ..... تم تو بالکل عورتوں کی طرح کام کر لیتے ہو، وہ تھی ناں ایک ہندی فلم 'کی اینڈ کا' اس کی طرح، تمہاری بیوی تو بڑی خوش قسمت ہوگی اور تم سے خوش بھی رہے گی۔'' وہ کہہ کر پھر منہ پھاڑ کر ہنسی۔ میں نے مڑ کر بے تاثر نظر سے اسے دیکھا اور دوبارہ پلٹ کر برتن دھونے لگی۔

''جس ملک میں آپ جیسی لڑکیاں کام کرنے کو عار سمجھتی ہوں، وہاں لڑکوں کو ہی کام کرنا پڑتا ہے آپی۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ہاتھ پاؤں اسی لیے دیے ہیں کہ میں ان کا استعمال کروں، آپ کے نزدیک شاید ان کا استعمال معیوب سمجھا جاتا ہے۔'' دانیال نے پلٹ کر اسے جواب دیا تھا۔ وہ عمر میں اس سے خاصی بڑی تھی تو بچپن سے ہی وہ اسے اس طرح مخاطب کرتا تھا۔

''چلو اچھی بات ہے، اصل میں مجھے اپنی جلد کی دیکھ بھال کا بہت شوق ہے، ناخن بھی بڑے رکھے ہوئے ہیں اور کام کرنے سے ناخن ٹوٹ جاتے ہیں۔'' اس نے یوں اترا کر کہا جیسے اسے عمر بھر کام کرنا ہی نہ تھا۔

''لڑکیوں کو عمر بھر اپنی جلد کی دیکھ بھال کرنے کا خبط ہوتا ہے، میری بہنوں کو بھی ہے مگر وہ گھر کے سارے کام کرتی ہیں۔'' دانیال اپنی دانست میں اسے سمجھا رہا تھا۔

''ان کی مجبوری ہوگی، ہمارے ہاں تو ملازم ہیں کام کرنے کے لیے۔''

''ملازم کسی کے پاس ہمیشہ تو نہیں رہتے۔''

''میں تو ہمیشہ اس بات کا خیال رکھوں گی کہ میرے پاس ہمیشہ ملازم ہوں۔'' اس نے جواباً کہا۔

''وقت ایک سا نہیں رہتا بیٹا!'' میں نے برتن دھو لیے تھے اور تولیے سے ہاتھوں کو خشک کر لیا تھا۔ ''کام کسی سے کروانا ہو تو اس کے لیے بھی خود کام آنا ضروری ہوتا ہے۔''

''کام کرنا آتا تو ہے مجھے.....'' اس نے کہا۔

''میں نے لوگوں کو کام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''

''کام دیکھنے سے نہیں بلکہ کرنے سے آتا ہے۔'' دانیال نے کہا۔ ''آپ کو چائے بنانی آتی ہے آپی؟''

''ہاں آتی ہے.....'' اس نے فوراً کہا۔

''چلیں پھر اسی بات کا ٹیسٹ ہو جائے، آپ چائے بنائیں۔'' دانیال نے مسکرا کر کہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ فوراً تیار ہو گئی۔ ''مجھے بتا دیں کہ چائے کا سامان کہاں ہے؟''

''دانیال اسے چائے کا سامان دے دو۔'' میں پسینہ سکھانے کو کرسی پنکھے کے نیچے گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ دانیال اسے سامان نکال کر دینے لگا، احمد نے مجھے بلایا تھا، میں ان کی بات سننے کو نکل گئی اور جب احمد لباس تبدیل کر چکے اور ہم لاؤنج میں واپس آئے تو وہاں ٹرے میں سب کے لیے چائے لیے رملہ بیٹھی تھی۔

''چائے تو اچھی بنا لی ہے تم نے رملہ۔'' میں نے دل سے اس کی تعریف کی۔

''بنائی تو اسی نے ہے، میں نے تو صرف کپوں میں انڈیلی ہے مامی جی۔'' اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہا تھا۔ ''بڑا سگھڑ ہے آپ کا بیٹا ویسے۔'' میں خاموش رہی اور اماں اس کی بات پر مسکرا اٹھیں، احمد کے چہرے پر ایک رنگ سا آیا تھا۔

☆☆☆

''مجھے لگتا ہے کہ یہ اماں کی نئی سازش ہے۔'' اتنے سال کے بعد احمد کے منہ سے میں پہلی بار ایسی بات سن رہی تھی۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''یہ رملہ کو یوں گھر پر بلا کر رکھنا اور......'' وہ رک گئے۔ ''میں رملہ کو اچھی طرح جانتا ہوں سعدیہ، وہ ایک پھوہڑ اور بدتمیز لڑکی ہے۔ کسی صورت میں یہ شادی نہیں ہونے دوں گا، اگر اماں مصر رہیں تو میں ان سے کہوں گا کہ سنبل کی چھوٹی بیٹی کا جوڑ بھی دانیال سے بنتا ہے، اس سے رشتہ کرنے کو ہم تیار ہیں۔''

''جس طرح آپ مناسب سمجھیں۔'' انہوں نے میرے دل کی بات کی تھی، مجھے بھی رملہ کی نسبت عیشا پسند

تھی، وہ عمر میں دانیال سے چار برس چھوٹی بھی تھی مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ سنبل کے سب بچوں سے چھوٹی تھی، رملہ اور عیشا کے بیچ اس کے تین بیٹے تھے۔ شاید سب بچوں کو چھوڑ کر سب سے چھوٹی بیٹی کا رشتہ کرنے پر وہ اور سعد راضی نہ ہوتے۔ میں سوچ کر رہ گئی مگر دل میں خوش تھی کہ اس معاملے میں احمد میرا ساتھ دیں گے۔

رملہ ہمارے پاس دو ہفتے رہی تھی، اس دوران دو، ایک بار سنبل بھی آئی تھی اور اس نے اسے واپس چلنے کا کہا تو اس نے انکار کر دیا اور اس کے علاوہ بھی اس نے ڈرائیور بھیجا کہ واپس چلی جائے تو اماں نے اسے بھیجنے سے انکار کر دیا۔ اماں اسے ہمہ وقت اپنے کمرے میں گھسائے رکھتیں اور کسی نہ کسی بہانے، دانیال کو بھی وہاں بلا لیتیں، کبھی لوڈو کھیلی جا رہی ہوتی اور کبھی کیرم، کبھی لطیفے سنا، سنا کر ہنسی اڑائی جاتی اور کبھی باہر سے چاٹ اور سموسے منگوا کر اماں کے کمرے میں چائے کے ساتھ سموسوں کی محفل جمتی۔ میں یہ دیکھتی اور کڑھتی رہتی مگر دل میں تسلی بھی تھی کہ احمد میرے ساتھ مل کر اماں کے اس منصوبے کو ناکام کر دیں گے۔

میں نے ساری عمر کبھی کسی بات پر پلٹ کر احمد کو جواب نہیں دیا تھا، انہیں اپنے میکے اور سسرال میں عزت دلوائی اور ان کی ہر بات کا مان رکھا تھا، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے بھی ایک دو مواقع کے علاوہ مجھے گھر کی تیک نہیں دی، وہ بھی تنہائی میں۔ اس کی وجہ عموماً یہی ہوتی تھی کہ میں نے کبھی بہت زچ ہو کر انہیں اماں کی زیادتی کے بارے میں بتایا ہو، وہ اماں کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتے تھے، ان کے باقی بہن بھائی جب اکٹھے ہوتے تو وہ اماں کے بارے میں بات کر کے اپنا غبار نکال بھی لیتے مگر احمد اس بات پر ناراض ہو جاتے تھے۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ احمد کے دل میں اماں کے کسی اقدام پر مخالفت کا تاثر ابھرا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اماں کے دباؤ کا سامنا کریں گے اور کسی صورت رملہ کو بہو نہیں بنائیں گے۔

''اگر مجھے کچھ ہو بھی گیا سعدیہ اور اماں چاہے جتنا بھی زور لگا لیں، تم نے دانیال کا رشتہ رملہ کے ساتھ ہرگز طے نہیں کرنا۔ اماں چھوٹے موٹے معاملات میں چاہے اپنی من مانی کر لیں مگر میں اپنے بیٹے کی شادی اس ضدی لڑکی سے کر کے اس کی زندگی عذاب نہیں بنانا چاہتا۔ مجھے تو دانیال کے لیے کوئی تمہارے جیسی صابر اور صلح جو لڑکی چاہیے......'' ان کے الفاظ نے میری عمر بھر کی ریاضت کو قبولیت کا درجہ دے دیا تھا۔

''آپ مجھے لڑکی کہہ رہے ہیں؟'' میں نے مسکرا کر انہیں چھیڑا۔

''میری نظر میں تو تم ہمیشہ وہی پیاری سی لڑکی رہو گی، جسے میں نے تین دہائیوں پہلے اپنے دل کی ملکہ بنایا تھا۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا تھا۔

''آپ بہت اچھے ہیں احمد، آپ اچھے نہ ہوتے تو میں یہاں اتنا وقت بھی خوش رہ کر نہ گزارتی۔'' میں نے جواباً کہا۔

''تم نے کتنے سال لگا دیے سعدیہ مجھے یہ بتانے میں۔'' انہوں نے ابرو اچکائے۔ ''میں تو یہ سننے کو ہمیشہ ترستا ہی رہا۔''

''ہائیں، اگر آپ یہ سننا چاہتے تھے تو آپ مجھ سے پوچھ لیتے؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

''جو پوچھ کر تعریف ملی تو کیا فائدہ!'' انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''آپ نے بھی تو میری خوبیوں کا آج ہی پہلی بار کھل کر اعتراف کیا ہے۔'' میں نے ناز سے کہا۔

''میں تو سب کو کہتا ہوں کہ تم مجھے میری کسی نیکی کا انعام ملی ہو......'' انہوں نے میرے ماتھے پر بوسہ دیا۔

''سوائے اماں کے!'' ان کا کہنا تھا کہ میری ہنسی چھوٹ گئی۔

''ان سے کہیں گے تو مانوں گی۔'' میں نے انہیں شہ دی۔

''جانتی تو وہ بھی ہیں، ان کا کسی کے ساتھ ایک دن بھی گزارہ نہیں ہوتا، تمہارے ساتھ ہو رہا ہے، اس لیے کہ تم میں برداشت ہے اور صبر ہے۔ پلٹ کر انہیں جواب نہیں دیتی ہو۔ وہ خوفزدہ رہتی ہیں کہ کہیں تم بھی دوسروں کی طرح نہ ہو جاؤ، ان کے منہ پر پلٹ کر جواب نہ دینے لگو۔''

''اللہ نہ کرے، میں کیوں انہیں پلٹ کر جواب دوں، آپ کی ماں ہیں اور میرے لیے بھی ماں جیسی ہی ہیں، میرے بچوں کی دادی ہیں۔ ہمیں کہیں جانا ہوتا تھا تو چاہے وہ بچیوں سے پیار کریں یا نہ کریں مگر ہمیں انہیں گھر پر چھوڑتے ہوئے یہ تسلی تو ہوتی تھی کہ ان کے پاس ان کی دادی ہیں اور وہ ان کا خیال ضرور رکھیں گی۔''

''سوتو ہے......'' احمد نے کہا۔ ''تم خود اچھی ہوناں تو تمہیں دوسرے کی چھوٹی سی اچھائی بھی اچھی لگتی ہے۔''

اس رات احمد نے مجھ سے اتنی باتیں کیں، اتنے اعترافات کیے، اتنی تعریف کی اور کئی ایسی باتیں جو وہ پہلے بھی کئی، کئی بار بتا چکے تھے...... کیونکہ اس رات کے بعد احمد کو دوبارہ مجھ سے باتیں نہیں کرنا تھیں۔ وہ ان کی اور میری رفاقت کی آخری رات تھی۔

☆☆☆

میری تو دنیا اجڑ گئی تھی اور اماں کا بھی انتہائی پیارا بیٹا ان سے جدا ہوا تھا، اس عمر میں والدین کے لیے اولاد کا صدمہ کمر توڑ دیتا ہے۔ اماں پہلے تو کچھ چل پھر لیتی تھیں مگر احمد کے جانے کے بعد تو انہوں نے بستر ہی پکڑ لیا۔ پہلے انہیں احمد کے قل والے دن دل کا شدید دورہ پڑا اور انہیں ایمرجنسی میں اسپتال لے کر جانا پڑا، میرے بچے میری دلجوئی میں لگے ہوئے تھے اور اماں کے بچے ان کے ارد گرد۔ ان حالات میں بھی میں اس بات کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکی تھی کہ رملہ احمد کی وفات کے دن سے لے کر اب تک ہمارے ہاں ہی تھی، بچیاں بھی آئی ہوئی تھیں اور وہ ان کے ساتھ مل کر کچھ نہ کچھ کام بھی کر رہی ہوتی، کبھی چائے بنا لیتی، کبھی مہمانوں کو پیش کر رہی ہوتی، گرمی زیادہ ہوتی تو شربت بنا لیتی۔ میں نادانستگی میں بھی اس کے ہاتھوں کو دیکھتی کہ ان پر کوئی جلنے کا نشان نہ نظر آئے کوئی ناخن نہ ٹوٹ جائے۔ اسے اتنا خیال تھا اپنے ہاتھوں کی جلد اور ناخنوں کا مگر ان دنوں وہ قدرے...... بے پروا سی نظر آ رہی تھی۔

اسے احمد کا صدمہ بھی ہوگا کہ وہ اس کے ماموں تھے مگر اس کے ساتھ، ساتھ وہ اماں کی بیماری سے بھی پریشان تھی کیہ اس میں تو نانی کی جان تھی۔ میں یہ بھی سوچے بنا نہ رہ سکی تھی کہ اسے گھر کے بجائے ان کے ساتھ اسپتال میں ہونا چاہیے مگر ظاہر ہے کہ جوان بچی تھی، اسے اسپتال میں بھی تو تنہا نہیں رہنے دیا جا سکتا تھا۔ بچے دن میں ایک بار اسپتال جا کر دادی کو دیکھ آتے، میں نہیں جا سکتی تھی۔ چند دنوں میں وہ کچھ بہتر ہوئیں تو انہیں گھر پر منتقل کر دیا گیا مگر ان کی خوراک میں بہت احتیاط کرنا تھی۔ راحت بھی احمد کے جانے کا سن کر آئی تھی، میرا اس سے رابطہ رہا تھا اور میں اسے کبھی کال کر لیتی اور کبھی پیغامات پر ایک دوسرے کی خیریت پوچھ لیتے۔ کوئی اور غم گسار نہ تھا، احمد کے جانے کے لگ بھگ دو ماہ کے بعد وہ چند دن ہمارے پاس رہنے کے لیے آئی، اس وقت تک بچیاں تو اپنے، اپنے گھروں میں جا چکی تھیں، رملہ اب تک ہر روز ہی آ جاتی یا آتی تو دو تین دن رکتی۔ مجھے راحت نے ہی کہا تھا کہ اسے رملہ کا یہاں آنا جانا اور رہنا کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا وہ بھی تو ہمارے ہاں اتنے سال رہی تھی، اسے بھی اندازہ تھا کہ رملہ کا مزاج کیسا تھا۔ وہ اس وقت راحت سے بھی بدتمیزی کر جاتی اور اسے یوں محسوس کرواتی کہ وہ اس گھر میں محض ایک ملازمہ ہے جبکہ میرے اپنے بچے اسے اپنی خالہ کہتے اور سمجھتے بھی تھے۔ بعد ازاں علم بھی ہوا کہ حالات نے اسے ہمارے ہاں ملازمت پر مجبور کر دیا تھا ورنہ اس کا میکا اور سسرال غریب نہ تھے۔

''باجی آپ کو نہیں لگتا کہ یہ رملہ کچھ زیادہ ہی آنے لگی ہے اور اپنے دانیال بابا کے ساتھ چپکنے کی کوشش بھی کرتی ہے؟'' اس نے کہا تو میں حیران رہ گئی کہ کیسے اس نے دو دن میں یہ بات محسوس کر لی تھی۔ میں اس وقت خاموش رہی مگر رات کے کھانے کے بعد جب وہ میرے کمرے میں میرے پاس آ بیٹھی تو میں نے اسے آہستہ، آہستہ اس کے بارے میں بتایا، اماں کی ضد، میرا اور احمد کا متفقہ فیصلہ، سنبل کی باتیں اور دانیال کی اس معاملے سے لاعلمی، سبھی کچھ۔

''مگر مجھے تو لگتا ہے کہ دانیال بابا بھی اس کے ساتھ خوش رہتے ہیں، اس سے ہنس، ہنس کر بات چیت کرتے ہیں۔''

''وہ تو اسے آپی کہتا ہے راحت، بچہ ہی ہے، اسے کیا علم کہ اندر خانے کیا کھچڑی پک رہی ہے۔ اور تو اور احمد کا بھی خیال تھا کہ یہ صرف اماں کا ہی خیال ہوگا کہ وہ اس طرح آنا جانا شروع کر دے تو دانیال کی نظر میں آئے گی۔'' میں نے وضاحت کی اور اس میں بھی میں نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا کہ کہیں میرے منہ سے سازش کا لفظ نہ نکل جائے جو کہ احمد نے اس رات کہا تھا۔

''اچھا!'' وہ مسکرائی۔ ''یہ آپ کا خیال ہے باجی، اب دانیال بابا اس کو آپی نہیں کہتے بلکہ......'' وہ رکی۔

''کیا، کیا کہہ رہی ہو راحت؟'' میرا سر سن ہونے لگا تھا۔

''وہ تو رملہ کو اس کے گھر کے نام سے بلا رہے تھے، اسے بے بی کہہ رہے تھے۔'' راحت نے جھجک کر کہا۔

''مگر اس کا تو کوئی گھر کا نام نہیں ہے، سب اسے رملہ ہی کہتے ہیں۔'' میں نے اسے کہا اور ساتھ ہی میرے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔ میں نے غور سے راحت کو دیکھا۔

''تم نے غور سے اور خود سنا ہے راحت، کب اور کہاں؟'' میں نے کریدا۔

''جی میں کھانے والے کمرے میں تھی اور پہلے دانیال بابا نے اسے کچھ کہا، اسے بے بی کہہ کر مخاطب کیا اور پھر رملہ نے بھی اسے واپس بے بی کہا۔ جیسے کہ ہم چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں۔'' میں عجیب کشمکش و پیچ میں پڑ گئی۔ اس وقت خاموش رہی، صبح اٹھ کر سنبل کو کال کی اور کہا کہ وہ آ کر رملہ کو واپس لے جائے اور اسے آئندہ یہاں رہنے کے لیے بھی نہ بھیجے اور نہ ہی اکیلے۔ میں کسی بات کی ذمے داری نہیں لے سکتی، کل کلاں کو کوئی بات کرے اور جوان لڑکی بدنام ہو جائے تو بہتر ہے کہ وہ اسے سنبھال کر رکھے۔ اسے میری بات سے مکمل اتفاق تھا۔ اگلے ایک گھنٹے کے بعد وہ آ گئی تھی اور زبردستی رملہ کو ساتھ لے گئی تھی، رملہ کئی حجتیں اور بہانے گھڑتی رہی مگر اسے جانا پڑا۔

چند ماہ گزرے تو اماں نے مجھ سے تنہائی میں ہی اس معاملے پر پھر بات کی، میں نے انہیں صاف صاف بتا دیا کہ نہ ہی میں اور نہ احمد اس حق میں تھے، میں اس بات پر انہیں قسم دینے کو تیار تھی کہ احمد نے اپنی آخری گفتگو میں مجھے خاص طور پر کہا تھا کہ وہ نہ بھی رہیں تو بھی میں رملہ کے ساتھ دانیال کا رشتہ نہ کروں، ہاں اگر وہ ہوں تو میں سنبل کی چھوٹی بیٹی کا رشتہ لے لوں گی کیونکہ اس کا اور دانیال کا جوڑ بنتا ہے۔ ان کی لاڈلی تھی اس لیے نہیں کہہ سکتی تھی کہ رملہ ایک بدتمیز اور بے لحاظ لڑکی ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو گئیں۔

☆☆☆

میری امی بھی اچانک بیمار ہوئیں اور مجھے ان کی دیکھ بھال کے لیے جانا پڑا تو میں نے سنبل سے کہا کہ وہ اماں کو کچھ دنوں کے لیے اپنے ہاں لے جائے مگر اماں نے اس کے ہاں جانے سے انکار کر دیا۔ میں اماں کی دیکھ بھال میں کسی قسم کی غفلت نہیں کرتی تھی اور ان کا اسی طرح خیال رکھتی تھی جس طرح کہ احمد کی زندگی میں مگر اپنی امی جان کی بیماری کا سنا تو دل مچل اٹھا، سنبل کو ہی اپنے گھر آنے کا کہہ کر میں اسپتال چلی گئی اور جب تک وہ مکمل صحت یاب نہ ہو گئیں تب تک میں خود سے بھی غافل رہی تھی، فون پر ہر روز سنبل سے بات کر کے اماں کی خیریت پوچھ لیتی اور یہ بھی کہ کوئی مسئلہ تو نہیں ہے۔

امی جان صحت یاب ہو کر گھر آ گئیں تو میں نے دو ایک دن ان کے پاس رکنے کا سوچا، اس معاملے پر میں ان سے بات کرتی تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔ انہیں ساری بات وضاحت سے بتائی اور ان کی رائے پوچھی۔

''میرے خیال میں تو اگر تمہاری ساس بہت مجبور کر رہی ہیں تو تم ہامی بھر لو۔''

''ہائیں امی، آپ کیا کہہ رہی ہیں، جان بوجھ کر مکھی نگل لوں کیا، اتنی پھوہڑ، بدلحاظ اور بدتمیز بہو لے آؤں، اپنے اور اپنے بیٹے کے لیے مصیبت کھڑی کر لوں؟'' مجھے حیرت تھی کہ وہ مجھے کیا مشورہ دے رہی تھیں۔

''بیٹا، دنیا میں بہت کچھ ہوتا ہے، اس لڑکی رملہ میں تو وہ اوصاف ہیں کہ جن کا درست کرنا ممکن ہے، شکل کی اچھی ہے، خاندان اس کا اور تمہارا ایک ہی ہے، تم اسے اس وقت سے جانتی ہو جب سے وہ پیدا ہوئی ہے۔ اگر اس میں لاڈ پیار سے کچھ بگاڑ پیدا ہو گیا ہے تو وہ سب شادی کے بعد سدھر جاتا ہے۔ کیا تم نازوں کی پلی نہیں تھیں؟ خاندان سے باہر نکلو گی تو کیسے چھان پھٹک کرو گی، تمہیں اندازہ نہیں کہ تمہاری بیٹیوں کے رشتے تو گھر بیٹھے ہو گئے ان کے گنوں اور تمہاری نیک سیرتی کے باعث، اللہ نے ان کے اچھے اسباب خاندان میں بنا دیے اور تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ لڑکوں کے رشتے کرنا زیادہ مشکل کام ہے، گھر سے نکلو گی، لوگوں کی بیٹیوں کو دیکھو گی، انہیں سوئی کے ناکے سے گزارو گی، ان کے سو عیب ڈھونڈو گی اور کئیوں کو ٹھکراؤ گی۔ ان کے ہاں کا رزق کھاؤ گی اور پھر سوچو گی کہ کس وچولن (رشتہ کرانے والی بوا) کو کیا بہانہ بتاؤں، کسی کا تمہیں رنگ پسند نہیں آئے گا اور کسی کا ڈھنگ، کوئی شکل میں تمہارے بیٹے سے مار کھائے گی اور کوئی باتوں سے اچھی نہیں لگے گی، کسی کی ذات اور کسی کا قبیلہ تمہاری مرضی کا نہیں ہوگا، کسی کا باپ اچھا نہیں ہوگا اور کسی کی ماں۔ بڑی مشکل سے

گزرو گی تو ایک بیٹا بیاہ پاؤ گی، اس عمل میں جانے کتنے دل دکھاؤ گی اور بلاوجہ ہی کتنوں کی بددعائیں سمیٹ لیتا ہے بندہ۔'' امی جان نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔

''آپ نے تو مجھے پریشان ہی کر دیا ہے امی، میں نے تو ایک ہی بہولانی ہے اور اسے سوچ سمجھ کر نہیں لاؤں گی تو زندگی کیسے گزرے گی؟'' میں نے سوال کیا۔

''پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ سوچ کر بہو مت ڈھونڈو کہ وہ تمہارے جیسی ہو گی، تمہاری ساس کو لگتا ہو گا کہ تم اچھی بہو نہیں ہو، تمہیں لگتا ہو گا کہ تمہاری ساس اچھی نہیں ہے۔''

''اس میں آپ کو کوئی شک ہے امی؟'' میں نے ان کی بات کاٹی۔

''میں سب جانتی ہوں بیٹا مگر اب زمانہ مختلف ہے، آج کل کی لڑکیاں کہاں اپنی سسرالوں میں جا کر ان کی خدمتیں کرتی ہیں، تمہاری بیٹیوں کو ایسی سسرال ملی ہیں کہ جہاں ان پر کوئی بوجھ پڑا ہوا اور نہ ہی تم سوچو کہ تم بہو پر کوئی بوجھ ڈالو گی، نہ اس سے خدمت کی توقع کرو۔ اگر وہ اپنے شوہر کے ساتھ اچھی رہے اور اپنی اولادوں کی اچھی پرورش کر کے انہیں اچھے انسان بنا لے تو وہ کافی ہے۔ تم خود صحت مند ہو، چلتی پھرتی ہو، تمہیں اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج ہی نہ کرے۔''

''پھر بھی امی......'' میں متذبذب تھی۔

''تم خود سنبل سے بات کر کے دیکھ لو، سنبل اچھی ہے، تمہاری اور اس کی دوستی ہے، اگر وہ خود کہہ رہی ہے کہ اس کی بیٹی تمہارے قابل نہیں ہے تو تم اس سے چھوٹی بیٹی کی بات کر لو، تمہارا اور اس کا رشتہ مضبوط ہو جائے گا اور اماں کی بات بھی رہ جائے گی۔'' انہوں نے مجھے بڑے رسان سے سمجھایا اور میں قائل ہو گئی کہ اماں کا دل بھی نہ ٹوٹے۔

☆☆☆

''سنبل، دانیال بھی اب شادی کی عمر کو پہنچ گیا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ میری اور تمہاری دوستی اور رشتہ اور بھی مضبوط ہو جائے۔'' میں نے سنبل کو اس روز گھر واپس آ کر کہا تھا۔ سنبل میرے گھر پہنچنے کے بعد واپس جانے کو تیار ہو گئی تھی، رملہ بھی اس کے ساتھ ہی تھی۔ اب مجھے یہ علم نہ تھا کہ وہ اسی روز آئی تھی یا جس دن سے میں گئی تھی، اس روز سے ہمارے گھر پر تھی، مجھے یہ سوچ کر پچھتاوا بھی

جینے کے گُر

ایک صاحب نے دفتر سے فارغ ہو کر اپنی سیکرٹری کو ساتھ لیا اور ہوٹل میں کھانا کھانے چلے گئے۔ وہاں سے دونوں نے فلم کا پروگرام بنایا۔ اس کے بعد صاحب، سیکرٹری کے ساتھ اس کے گھر بھی چلے گئے، رات گئے جب وہ سیکرٹری کے یہاں سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے اس سے ایک پینسل مانگ کر اپنے کان پر پھنسالی گھر پہنچے تو بیوی نے تاخیر کی وجہ پوچھی صاحب نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔

''جھوٹ......بکواس......'' بیوی نے فاتحانہ انداز میں کہا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ تم دیر تک دفتر میں کام کر کے آ رہے ہو.... پینسل ابھی تک تمہارے کان میں لگی ہوئی ہے۔''

از: ارم کمال، فیصل آباد

ہوا کہ مجھے اس دوران گھر کا چکر ضرور لگانا چاہیے تھا، چاہے کچھ دیر کو ہی آتی۔ میرے پیچھے تو دانیال کو ورغلانے اور اپنا جادو دکھانے کا، رملہ کو بھرپور موقع ملا ہو گا۔

''اماں کی ضد کو سنجیدگی سے لینے کی ضرورت نہیں ہے سعدیہ بھابی!'' سنبل نے فوراً کہا۔ ''میں رملہ کو اچھی طرح جانتی ہوں، اس کی ماں ہوں اور جانتی ہوں کہ وہ کس قدر ضدی اور بگڑی ہوئی ہے۔ صرف نانی ہی نہیں، دادی نے بھی اس کے بہت ناز اٹھائے ہیں، انہوں نے مجھے اس کی تربیت ہی نہیں کرنے دی۔ دانیال کو اچھی سے اچھی لڑکی کا رشتہ مل جائے گا، اس کی زندگی کو رملہ کے ساتھ نہ برباد کریں تو بہتر ہے۔''

''رملہ تو دانیال کی بڑی بہن جیسی ہے۔'' میں نے رسان سے کہا۔

''اچھا خاصا وہ رملہ کو آپی کہتا تھا مگر میں نے محسوس کیا ہے کہ اب وہ اسے نام سے بلاتا ہے، لگتا ہے کہ اماں نے اسے کہا ہے کہ اسے آپی نہ کہا کرے۔'' سنبل نے میری معلومات میں اضافہ کیا۔ ''یقیناً یہ اماں کا ہی کام ہو گا۔''

میں نے سنبل سے کہا کہ وہ رملہ کو یہاں تنہا نہ بھیجا کرے مگر یہ نہیں جانتی تھی کہ ایسی صورتِ حال بھی ہو سکتی ہے کہ رملہ ہمارے ہاں آئے تو اپنی ماں کے ساتھ اور ماں اپنی اماں کی دیکھ بھال میں مصروف رہے اور بیٹی سارے گھر میں جو چاہے کرتی پھرے۔ اسی لیے خود پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ میرا اس طرف دھیان ہی نہیں گیا۔

''میں چاہتی ہوں کہ اماں کی بات بھی رہ جائے اور تمہاری بھی، میں رملہ کے بجائے تم سے عیشا کا رشتہ مانگ رہی ہوں۔'' میں نے دو فقروں میں اس کے سر پر دھماکا کیا تھا۔

''کیا؟'' اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ ''میں رملہ سے نو دس سال چھوٹی بیٹی کی شادی پہلے کس طرح کر دوں؟ میرے پانچ بچوں میں عیشا سب سے چھوٹی ہے۔''

''میں کون سا دانیال کی آج ہی شادی کر رہی ہوں، اماں کی خواہش ہے کہ تمہاری بیٹی میری بہو بنے تو وہ عیشا بھی ہو سکتی ہے۔'' میں نے فوراً جواب دیا۔

''تم رملہ کی شادی کر لو، بڑے بیٹے کی بھی کر لو، تمہارا اور میاں والا بیٹا اور دانیال ہم عمر ہیں، عیشا اور اس کی شادیاں ایک ساتھ ہو سکتی ہیں۔ ابھی تو دانیال اپنے کام میں اتنا سیٹ بھی نہیں ہوا ہے، اسے کچھ وقت چاہیے کہ اس قابل ہو جائے کہ اپنے بیوی بچوں کا بوجھ اٹھا سکے۔''

''ہوں، میں سعد سے بات کرتی ہوں، دیکھتی ہوں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''جب تک رملہ کی شادی نہیں ہو جاتی، میرے اور تمہارے بیچ کی بات ہمارے درمیان میں ہی رہنی چاہیے۔'' میں نے اس سے وعدہ لیا۔

''آپ فکر ہی نہ کریں، ہم بھی ایسا ہی چاہیں گے۔'' اس نے کہا، اماں سے مل کر دونوں ماں بیٹی رخصت ہوئیں۔ میں نے یہی سوچا تھا کہ جب سنبل کی طرف سے مثبت جواب ملے گا تو اس وقت اماں کو بھی تھوڑا سا اشارتاً بتا دوں گی تا کہ ان کا رملہ کو بہو بنانے کا اصرار ختم ہو جائے، اگر سنبل منفی جواب دیتی تو پھر انہیں بتانے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا تھا۔

☆☆☆

''ماما میں رملہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' تھوڑی دیر پہلے ہی دانیال، اماں کے پاس سے اٹھ کر میرے کمرے میں آیا تھا اور اس نے پوچھا تھا کہ مجھے زیادہ نیند تو نہیں آ رہی کیونکہ وہ مجھ سے کوئی بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اس نے پہلے امی جان کی خیر خیریت پوچھی اور اس کے بعد اپنے اصل مدعا پر آ گیا۔ میں اس کا منہ تکتی رہ گئی، میرے پاس اس کے سوال کا کوئی فوری جواب نہ تھا کیونکہ میں اس کی توقع ہی نہیں کر رہی تھی۔

''یہ نہ صرف دادو کی خواہش ہے بلکہ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ انہوں نے پاپا سے بھی بات کی تھی اور پاپا کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ میں پاپا اور دادو، دونوں کی خواہش کا احترام کروں۔''

''اور میں؟ میری خواہش، میں اس سارے میں کہاں ہوں؟'' میں نادانستگی میں بڑبڑائی۔

''آپ کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے، آخر دادو نے ہم سب کی بہتری کے لیے ہی ایسا سوچا ہے۔'' وہ مجھے سمجھا رہا تھا۔

''بات اعتراض کی نہیں ہے، میں نے تمہارے لیے کچھ اور ہی سوچا تھا بلکہ میں اس کے بارے میں بات بھی کر چکی ہوں۔'' میں نے ہوا میں تیر چلایا۔

''میرے بارے میں کسی سے بات کرنے سے پہلے آپ کو میری مرضی تو پوچھنا چاہیے تھی۔'' اس نے جھنجلا کر کہا۔

''میں نے آج تک تمہارے لیے کب کچھ برا سوچا یا کیا ہے؟'' میں نے کہا۔

''کس کے بارے میں بات کر رہی ہیں آپ؟'' اس نے سوال کیا۔

''میں داؤد بھائی کی منجھلی کے بارے میں بات کر رہی ہوں۔'' میں نے اسے بتایا، میں نے امی جان سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں داؤد بھائی کی منجھلی کو بہو بناتی۔ وہ نازک سی اور ذہین لڑکی مجھے بہت اچھی لگتی تھی۔

''وہ...... ماما کیا ہو گیا ہے آپ کو......'' اس نے جیسے ناک بھوں چڑھائی۔ ''وہ تو ابھی تک منی کہلاتی ہے اور مجھے تو وہ تنک چڑھی سی لگتی ہے، کبھی اس نے سلام سے زیادہ بات تک نہیں کی مجھ سے، جانے اس کس بات کا زعم ہے۔''

''بری بات ہے دانیال، تمہیں اگر وہ اچھی نہیں لگتی تو بھی تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ اس پر یوں تنقید کرو۔'' میں

نے فوراً اسے ٹوکا۔ ''منی اس کا پیار کا نام ہے اور وہ بہت پیاری ہے، خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے۔''

''مجھے زندگی گزارنے کے لیے ایسی لڑکی چاہیے جس کے ساتھ میرا مزاج ملتا ہو اور وہ مجھے سمجھتی ہو۔'' اس نے وضاحت کی۔ ''رملہ ایک سمجھدار لڑکی ہے اور اس کا اور میرا مزاج، پسند ناپسند بالکل ایک جیسی ہے۔'' اس نے یوں کہا جیسے وہ اسے صدیوں سے جانتا ہو۔

''کل تک تو تم اس کو آپی کہتے تھے، آج وہ تمہاری نظر میں لڑکی بن گئی ہے؟'' میں نے ابرو اچکائے۔

''عمروں کا اتنا تھوڑا سا تفاوت میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا ماما، اہم بات یہ ہے کہ میں یہ شادی اماں اور پاپا کی پسند سے کر رہا ہوں، بہتر ہوگا کہ آپ بھی اس میں خوش اور راضی رہیں۔'' اس کے لہجے میں ایسی دبی، دبی بغاوت تھی پھر بھی مجھے وہ بہت بری محسوس ہوئی، اس وقت میں اس سے بحث کرتی تو جانے کتنی لمبی ہو جاتی۔ وہ تو تیار ہو کر بات کرنے کے لیے آیا تھا مگر میرے لیے یہ سب بہت اچانک تھا۔

''دادو کا یہ کہنا کہ یہ پاپا کی بھی خواہش تھی، بالکل غلط ہے، پاپا تو اس کے شدید مخالف تھے اور تو اور سنبل اور سعد دونوں ہی اس کے حق میں نہیں ہیں۔''

''دادو جھوٹ کیوں بولیں گی؟'' اس نے لہجہ تلخ اور آواز بلند کی۔

''دادو جانتی نہیں ہیں، جس شام دادو نے ہمارے ساتھ بات کی تھی اسی رات پاپا نے مجھ سے کہا تھا کہ میں نہ بھی رہوں تو بھی دانیال کی شادی رملہ سے نہ کرنا۔''

''اس بات کا کوئی گواہ ہے آپ کے پاس؟'' اس نے تنک کر سوال کیا۔

''میاں بیوی کے بیچ بات چیت کا گواہ بسا اوقات صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔'' میں نے اپنا غصہ پی کر کہا، میں نہیں چاہتی تھی کہ کوئی ایسی تلخ بات کروں کہ اس کے دل میں ہمیشہ کے لیے گرہ بندھ جائے۔ ''اگر تمہیں میری بات پر شک ہے تو میں قرآن پر ہاتھ رکھ کر بھی تمہیں یہ بات کہنے کو تیار ہوں۔''

''چلیں، ہو سکتا ہے کہ آپ درست ہی کہہ رہی ہوں مگر دنیا سے چلے جانے والوں سے زیادہ اہم ان لوگوں کی خواہشات ہوتی ہیں جو زندہ ہیں۔''

''تم جاؤ اور سو جاؤ۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔'' اس وقت مجھے اس کے سوا اور کچھ نہ سوجھا تھا۔

☆☆☆

''میں نے سعد سے بات کرنے کے بعد عیشا سے بات کی تھی، سعد کا خیال تھا کہ ہم اس کی مرضی جانے بغیر آپ کے ساتھ کوئی عہد نہیں کر سکتے۔''

''اچھا، پھر کیا کہا اس نے؟'' میں نے مسکرا کر سوال کیا۔ مجھے یقین تھا کہ اسے کوئی اعتراض نہیں ہوا ہوگا، وہ بھی بہت پیاری اور متین سی بچی تھی، رملہ کے بالکل الٹ۔

''وہ......'' وہ ہچکچکی، میں اس کا چہرہ بغور دیکھ رہی تھی، اسے کچھ سوجھ نہ رہا تھا۔

''کیا وہ کسی اور سے شادی کرنا چاہتی ہے؟'' میں نے اپنے اندیشے کو زبان دی کیونکہ اس کی خاموشی بہت طویل ہو گئی تھی۔

''نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔'' اس نے فوراً کہا۔ ''اس نے کہا کہ وہ کسی ایسے لڑکے سے شادی نہیں کر سکتی جس کے اس کی بہن کے ساتھ......'' وہ پھر رک گئی۔

''اس کی بہن کے ساتھ کیا؟'' میرے سر میں چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں کہ کہیں وہ غیر شرعی تعلقات ہی نہ قائم کر بیٹھا ہو اس سے اور ان کا کوئی غلط نتیجہ نہ نکل آئے۔

''اس کی بہن کے ساتھ شادی کے عہد و پیمان ہوئے ہوں۔'' اس نے فقرہ مکمل کیا۔

''صرف زبانی عہد و پیمان ہی ہوئے ہیں ناں سنبل، تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔'' میں نے سکھ کی سانس لی۔

''زبانی عہد و پیمان میں ہی وہ کافی دور جا چکے ہیں بھابی۔ رملہ نے سعد کو دھمکی دی ہے کہ اگر ہم دونوں نہ مانے تو وہ اور دانیال عدالت میں جا کر شادی کر لیں گے۔'' اس کے اس انکشاف نے میرے دماغ کے سارے چراغ گل کر دیے تھے۔

☆☆☆

میں نے ہی ہار مان لی کیونکہ سارا میدانِ جنگ میرے خلاف سجا تھا۔ سنبل اور سعد نے کہا بھی کہ وہ اپنی بیٹی کو زور زبردستی سے سمجھا لیں گے مگر مجھے علم تھا کہ وہ سمجھا بھی لیتے تو میرا بیٹا مجھ سے باغی ہو جاتا۔ میں نہیں بھی چاہتی تو اس نے رملہ سے شادی کرنا ہی تھی۔ میں نے اس

کی رضا کی خاطر احمد سے کیا ہوا وعدہ توڑا، خوشی سے رشتہ مانگا کہ شاید اللہ تعالیٰ رملہ کی سوچ اور عادات کو تبدیل کر دے۔ سارے چاؤ اور ارمانوں سے بیاہ کرا سے اپنے گھر میں لائی۔ انہیں آپس میں خوش دیکھ کر دل سے خوش ہوتی۔ اچھی سے اچھی خریداری کر کے اس کی بری بنائی، بہنوں کے بھی سارے ارمان پورے کیے اور اس کے لیے اپنے سارے زیورات بیچ کر بھاری زیورات بھی بنوائے۔ اس کے سارے ارمان پورے کیے اور یہ سب اس لیے کہ وہ میرے بیٹے کی خوشی تھی، چاہے اسے کسی نے اس کی خوشی بنانے میں کردار ادا کیا تھا۔

خود کو یہی سمجھا لیا تھا کہ رملہ ہی دانیال کا نصیب تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کا جوڑ بنایا تھا، اسباب کوئی بھی بن گئے تھے۔ سنبل اور سعد مجھ سے شرمندہ سے رہتے تھے مگر میں نے انہیں بھی آہستہ آہستہ سمجھا دیا تھا کہ ہمیں ان کی خوشی میں خوش رہنا چاہیے۔ میں نے رملہ کو گھر لاتے وقت اس کے سارے ارمان اور چاؤ چونچلے پورے کیے تھے۔ اس کے بعد بھی میں ہر کام میں اس کی خوشی کا خیال رکھتی، اس کا جو کھانے کو جی چاہتا وہ پکاتی۔ میاں بیوی کئی بار میرا پکا ہوا کھانا چھوڑ کر باہر کھانا کھانے چلے جاتے اور وہ کھانا جو اس نے کہہ کر پکوایا ہوتا وہ میں اور اماں کھاتے تھے۔ اماں تو اس کی ہر ادا پر صدقے واری جاتیں مگر جلد ہی وہ بھی دنیا سے رخصت ہوئیں اور میں گھر میں اس وقت تنہا رہ جاتی جب وہ دونوں کہیں جاتے تھے۔

رملہ امید سے ہوئی تو میرے قدم زمین پر نہیں ٹکتے تھے، سوچتی تھی کہ کب میرے پاس وہ ننھا منا وجود آئے گا، میں اس کا پنگھوڑا اماں کی طرح اپنے کمرے میں لگاؤں گی اور اسے خود نہلایا کروں گی، اس کی مالش کیا کروں گی۔ ہاں یہ فرق تھا کہ میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو تو ایسا ہوگا، میرے لیے اس گھر میں آنے والا بچہ ایک جیسی اہمیت کا حامل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے گھر میں پہلے بیٹا، اس کے دو سال کے بعد بیٹی اور اس کے چند سال کے بعد پھر ایک اور بیٹا بھیج دیا تھا۔

میں نے کبھی رملہ کو یہ احساس بھی نہیں ہونے دیا کہ اس کے ساتھ شادی میں میری خوشی نہیں تھی، میں نے دل سے اسے قبول کیا تھا اور اسے ہمیشہ اس طرح رکھا تھا جیسے کہ وہ میری بیٹی ہو۔ اس پر کسی کام کا بوجھ نہیں ڈالا، اس کی خوشی کا ہمیشہ خیال رکھا، اس کے بچوں کی دیکھ بھال اس سے بڑھ کر کرتی۔ اسے ہمیشہ آرام سے رکھا اور اس کی خاطر اگر خود بے آرام بھی ہو جاتی تو زبان پر شکوہ نہ آتا۔ وہ ایک چالاک اور مطلب پرست عورت تھی اور جب اسے خود آرام کرنا ہوتا تو بچے میرے حوالے کر دیتی مگر جب میرا جی چاہتا کہ بچے میرے پاس ہنسیں، کھیلیں تو اس وقت انہیں اپنے کمرے میں پابند کر دیتی کہ دادی کے پاس نہیں جانا۔ میں کبھی بیمار ہوتی تو دن بھر پلٹ کر نہیں پوچھتی اور نہ ہی کسی کام کو ہاتھ لگاتی۔ دانیال کو تو اس نے کاٹھ کا الو بنا رکھا تھا، اسے وہی نظر آتا جو اسے رملہ بتاتی تھی۔ سنبل اور سعد میری حالت اور حالات دیکھتے اور مجھ سے اظہارِ ہمدردی کرتے مگر ان کا بھی کوئی بس نہیں چلتا تھا، نہ اپنی بیٹی پر اور نہ ہی حالات پر۔ انہیں علم تھا کہ اسے اس وقت سمجھانا بھی مشکل تھا جب وہ ان کے گھر میں رہتی تھی، اب تو وہ اپنے گھر میں راج کر رہی تھی اور میں اس گھر میں پہلے اپنی ساس کی خدمت گار بن کر آئی تھی، اب بہو کی خدمت گار بن گئی تھی۔ خدمت کروانا تو میرے نصیب میں تھا ہی نہیں۔

رملہ کی کئی ناگوار باتوں کے جواب میں خاموش ہو جاتی کہ پلٹ کر جواب دیتی تو بات بڑھتی اور گھر سے باہر نکلتی تو زمانہ سنتا۔ وہ یوں ہی اونچا بولنے کی عادی تھی، اس سے ذرا اونچی آواز نکالتی تو خاندان کے ہر گھر میں سنی جاتی۔ اپنے کام کے علاوہ اس کے اور بچوں کے کاموں کے کئی بوجھ میں نے فالتو میں اٹھا رکھے تھے، کئی بار سوچا کہ دانیال سے بات کروں مگر مصلحتاً خاموش ہو جاتی، مجھے علم تھا کہ وہ میرے لیے کچھ نہیں کر سکتا، ماں اور بیوی کو کبھی ترازو کے دو پلڑوں میں رکھ کر تولا نہیں جا سکتا مگر وہ مجھے بیوی کے مقابلے میں کوئی اہمیت دینے کو تیار ہی نہیں تھا۔

وقت گزرتا جا رہا تھا اور ہر گزرتا دن میری ہمت کم سے کم کرتا جا رہا تھا۔ گھر میں رملہ کے آرام کی خاطر ملازمین رکھے تھے، پہلے صفائی کے لیے ایک ماسی آتی تھی، پھر باہر کے کاموں کے لیے ایک لڑکا رکھا اور پھر اس کے اور بچوں کے کپڑے دھونے اور استری کرنے کے لیے ایک اور ملازمہ۔ اس کے علاوہ جو کام تھے وہ میں خود کرتی تھی۔ کھانا پکانا، باورچی خانے کی صفائی، برتن دھونا۔ کبھی میری ہمت جواب دے جاتی یا تھکاوٹ زیادہ ہوتی تو

کپڑے دھونے والی سے کہتی کہ چار برتن دھو دے یا باورچی خانے کی صفائی کر دے۔ اس پر بھی رملہ کے چتون چڑھ جاتے کہ میں ان ملازمین سے زیادہ کام لیتی ہوں۔ میں خود تو بے دام کی ملازمہ بنی ہوئی تھی، چاہتی بھی تو نہ ریٹائر ہو سکتی تھی اور کبھی کام سے چھٹی بھی نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

آج بھی میں نے کھانے کے برتن مشکل سے دھوئے کہ گیزر میں پانی بھی گیس کی کمی کے باعث گرم نہیں ہوتا، اس کے بعد چولہا جلایا، اس پر اپنے ہاتھ بھی ذرا دیر کو سینکے اور اس دوران اس خوف میں بھی مبتلا رہی کہ کہیں رملہ یا دانیال باہر نکل آئے تو خواہ مخواہ میں ڈانٹ دیں گے کہ میں گیس ضائع کر رہی ہوں۔ اپنے کمرے میں جانے سے پہلے مجھے ان کے کمرے کے سامنے سے گزرنا پڑتا ہے کیونکہ ان کے پاس وہ کمرا ہے جو کبھی اماں کا کمرا ہوتا تھا، بیٹوں کے پاس اوپر کا کمرا ہے اور بیٹی کے لیے مجھے اپنے کمرے سے ہجرت کا حکم دیا گیا تھا۔ رملہ کا خیال تھا کہ میرے ساتھ سونے سے اس کی بیٹی کی صحت پر فرق پڑے گا کیونکہ بوڑھے لوگ کھانستے، تھوکتے ہیں تو اس سے کئی طرح کے جراثیم بچوں کو بیمار کر سکتے ہیں۔ وہ اوپری منزل میں سیڑھیاں چڑھ کر نہیں جا سکتی تھی اور اسے بیٹی کو بھی اپنے کمرے کے نزدیک رکھنا ہے، میرے حصے میں پھر لے دے کے وہی کمرا رہ گیا تھا جو کہ ہم نے کبھی راحت کے لیے بنوایا تھا کہ وہ بچوں کے نزدیک بھی رہے گی اور اماں بھی آواز دیں گی تو فوراً پہنچ سکے گی۔ اب اس کمرے میں مختصر سے سامان کے ساتھ میں اپنا وقت گزار رہی تھی۔

آج حسب معمول اپنے لیے دودھ گرم کر کے لا رہی تھی تو دانیال کے کمرے کے سامنے سے گزری، چند دن پہلے ہی میں اس کمرے میں منتقل کی گئی تھی۔ رملہ، مامی کہہ کر کوئی بات کہہ رہی تھی، میرے قدم نادانستگی میں رک گئے۔

"میں نے خود سے عہد کیا تھا... جس دن مامی نے میری ماما کو کہا تھا کہ رملہ کو ہمارے ہاں نہ بھیجا کرو، اس دن میں نے خود سے عہد کیا تھا کہ ایک دن میں مامی جی کو اس گھر کے ہر حصے پر اپنا قبضہ کر کے دکھاؤں گی۔" وہ ہنس رہی تھی۔ "دیکھا کر لیا ناں قبضہ گھر کے ہر حصے پر؟" اس نے تفاخر سے سوال کیا تھا۔

"گھر پر بھی میری جان اور گھر والے پر بھی۔" دانیال نے بھی ہنس کر جواب دیا تھا۔

"مامی کو میں اتنی بری جانے کیوں لگتی تھی؟"

"جانتا ہوں، اس حد تک کہ وہ جھوٹا قرآن بھی اٹھانے کو تیار تھیں کہ پاپا تمہارے اور میرے رشتے کے خلاف تھے۔" دانیال نے جواب دیا تھا۔ "اگر میں اپنی عقل اور ضد استعمال نہ کرتا تو ماما نے تو باندھ دینا تھا اپنی منی سی بھانجی کے ساتھ مجھے......"

"اور تم نے ناچ، ناچ کر کہنا تھا، منی بدنام ہوئی......" وہ منہ پھاڑ کر ہنسی تھی۔

"آہستہ بولو میری جان، ماما کو اپنی بھانجی کے خلاف کوئی بات سننا پسند نہیں ہے۔"

"جانے ماموں جان نے تمہاری ماما کو کس طرح برداشت کیا ہوگا اتنے سال۔ وہ تو بہت اچھے انسان تھے، مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔" وہ دانیال کے کانوں میں اپنی زہریلی محبت کا رس گھول رہی تھی۔ "نانو بھی مامی کی طرف سے اتنی دکھی گئیں، انہوں نے بھی نانو کا خیال نہیں کیا، جانے کیا، کیا تعویذ گھول کر ماموں جان کر پلا رکھے تھے کہ ماموں جان ان کی ہر بات میں ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ نہ نانو کی قسمت اچھی کہ انہیں کوئی بھی اچھی بہو ملتی اور نہ ہی میری ایسی قسمت کہ نانو جیسی اچھی ساس مل جاتی۔" اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

"تمہیں اچھی ساس کی کیا ضرورت ہے رملہ، میں ہوں ناں تمہارا سب کچھ۔ تم اس طرح کہہ رہی ہو تو مجھے لگتا ہے کہ میری محبت میں کوئی کمی ہے؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے......" اس سے زیادہ میں کیا سنتی، خود کو گھسیٹ گھساٹ کر کمرے تک لائی ہوں اور اب سوچ رہی ہوں کہ محبت کا زہر جانے ایسی عورتوں کو کہاں سے مل جاتا ہے کہ اپنے شوہر، بیٹے اور پوتے تک اس سے زہریلے کر دیتی ہیں؟ میرے جیسی عورتیں اس کا تریاق ہی نہیں ڈھونڈ پاتیں۔ ہر نسل میں ایک ایسی عورت ضرور ہوتی ہے جو کہ ایسا ہی زہر پھیلاتی ہے...... ایک نسل میں ایسی ایک عورت کافی ہوتی ہے۔ میں نے اپنے پیروں کے گرد رضائی لپیٹ لی ہے، دوا کھالی ہے اور اب مجھ پر ہلکی، ہلکی نیند غالب ہونا شروع ہو گئی ہے۔

❀❀❀

سلونی محبت کی دل گیر داستان

اُس کی رنگت سے میل کھاتی ہے

سیدہ علیشاہ

"چائے بنا کر اوپر جا رہا ہوں، تم بھی فری ہو کر اوپر آجانا۔" میں اسے میسج کر کے تیزی سے زینہ چڑھ گیا اور اس کے اور اپنے گھر کی چھت کی مشترکہ دیوار پر اپنا چائے کا مگ رکھ کر اس کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

یہ ہم دونوں کی سالوں پرانی روٹین تھی، جب میں دن بھر آفس اور گھر کے کاموں سے فراغت کے بعد اسے میسج کرتا تو... وہ بھی اپنے گھر کے سارے کاموں سے فراغت کے بعد اپنے لیے دودھ کا بڑا سا گلاس لیے چھت پر چلی آتی جہاں ہم ایک دوسرے سے دن بھر کے سارے دکھ سکھ بانٹتے اور اپنے، اپنے مشروب سے لطف اندوز ہوتے۔

ہمارے درمیان بہت ہی خوب صورت دوستی کا رشتہ تھا اور ساتھ ہی ساتھ ہمیں ایک دوسرے کی عادت بھی ہو چلی تھی۔ چھت کی کھلی فضا، پُرسکون رات اور

چاند تاروں کا ساتھ، اس پر سرگوشیوں میں گفتگو کرنا ہم دونوں کو ہی بہت پسند تھا۔

میں اس کے گھر کی چھت کی دیوار سے ٹیک لگائے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ”وہ آرہی ہے۔“ میں اس کی چھن، چھن کرتی چوڑیوں کی آواز سے فوراً ہی سمجھ گیا مگر انجان بنا رہا۔ وہ دیوار پر چڑھی، ہاتھ میں تھاما دودھ کا گلاس میری چائے کے مگ کے ساتھ رکھا اور میرے کاندھے پر اپنا ہاتھ زور سے مارا۔ مجھے یہ پہلے سے ہی پتا تھا کہ وہ ایسا ہی کرے گی مگر میں انجان بنا رہا اور اس کے اس طرح مارنے پر چونکنے کی اداکاری کی۔ وہ میرے چونکنے پر ہنسی اور ہنستی ہی چلی گئی۔ اس کی ہنسی نہایت دلکش تھی یا پھر مجھے لگتی تھی۔

میں نے اسے ایسے ہنسنے سے روکا تو وہ اور ہنس دی۔

”ایسے نہ ہنسو، اس وقت سب سو رہے ہیں اور اگر کسی نے ہمیں اس وقت یوں ایک ساتھ دیکھ لیا تو جانتی ہو کیا ہوگا؟“ میں نے اسے ڈرایا۔

”دیکھ لے جس نے دیکھنا ہے، مجھے کون سا ڈر لگتا ہے۔“ وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے بولی۔

”ڈر نہیں لگتا کی بچی، بتاتا ہوں تمہیں ابھی۔“ میں نے اسے مصنوعی غصہ دکھایا۔ ”تم جانتی ہو ناں مجھے سب سے پہلے تمہاری عزت عزیز ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی تمہاری آواز سن کر ہمیں اس طرح ساتھ دیکھے اور کوئی بات بنے۔“ میں نے اسے رسان سے سمجھایا۔

”اچھا، اب لیکچر تو نہ دو، یہ بتاؤ دن کیسا رہا آج کا؟“ اس نے مجھ سے پوچھا اور دودھ کا گھونٹ بھرا۔

میرے خیال سے وہ دنیا کی واحد لڑکی ہوگی جسے دودھ پسند تھا اور چائے سے اسے چڑ تھی۔ دودھ پینے سے اس کی سفید مونچھیں سی بن گئی تھیں۔ مجھے اس کے سانولے چہرے پر دودھ سے بنی سفید، سفید مونچھیں دیکھ کر ہنسی آگئی جسے چھپانے کے لیے میں نے اپنی لاڈلی چائے کا سہارا لیا اور مگ لبوں سے لگالیا۔

”اتنی کالی چائے؟“ چائے کے کپ کی طرف دیکھ کر اس نے منہ بنایا۔ ناک چڑھانے سے اس کی تیکھی سی کھڑی ناک میں پڑی لونگ لشکارے مارنے لگی۔ مجھے اس کی سانولی رنگت پر یہ سفید نگ والی لونگ بہت بھلی لگتی تھی۔

”تم آخر کیسے پی لیتے ہو یہ کالی کسیلی چائے؟“ مجھے چائے کی سوچ میں ڈوبا دیکھ کر وہ بولی۔ ”دودھ پیا کرو، دودھ۔“ اس نے دودھ کا گھونٹ بھر کے کہا۔

”دفع کرو اس نگوڑی چائے کو، کیا ملتا ہے تمہیں یہ کڑوی کسیلی چائے پی کر؟ کلیجا جلاتی ہے بس یہ کالی سڑی سی چائے۔“ وہ بنا رکے چائے کے خلاف بولے ہی جا رہی تھی۔ میں جو چائے کا عاشق تھا چائے کی اتنی توہین برداشت نہ کرسکا اور بولا۔

”ذرا تمیز سے، چائے تو اُمّ المشروبات ہے۔ تم کیا جانو چائے کی قدر۔“

”اچھا......!“ اس نے میری بات کو ہنسی میں اڑایا۔ مجھے اس وقت اس کی ہنسی زہر لگی تھی۔

”اگر چائے اتنی ہی اچھی ہے ناں تو مجھے بتاؤ کیا فائدہ ہے اس کا؟ کیا اثر کرتی ہے یہ تمہاری صحت پر؟“ وہ تو چائے کے فائدے ہی پوچھنے لگی۔

”اثر ہوتا ہے ناں چائے کا، مجھ پر نہ سہی تو تمہاری رنگت پر ہی سہی۔ چائے میں پیتا ہوں اور رنگت تمہاری جلتی ہے۔ میری چائے کا اثر تم پر آتا ہے۔“ میں نے اس کی سانولی رنگت پر چوٹ کی۔ ”اور تم جو دن رات دودھ پیتی ہو، بتاؤ ذرا کتنا نکھر رہی ہو؟ ہو تو کالی کی کالی ناں!“ میں نے اسے چڑانے کی غرض سے کہا۔

”دیکھنا تمہارا دولھا بھی کوئی کالا پیلا ہی ہوگا۔“

میری بات سن کر اس کے چہرے کی چمک یک دم ماند پڑی۔ ایسا مجھے لگا تھا یا شاید میرا وہم تھا۔ وہ چپ سی ہوگئی۔ جلدی سے اپنا دودھ کا آخری گھونٹ پیا اور جانے کے لیے دیوار سے اتری۔

”کیا ہوا، آج اتنی جلدی جانے لگی ہو؟ ابھی تو میری چائے بھی ختم نہیں ہوئی۔“ اسے جاتا دیکھ کر میں نے کہا۔

”ہاں، جا رہی ہوں۔ مجھے نیند آرہی ہے۔“ وہ اتنا کہہ کر رکی نہیں اور چلی گئی۔ میں حیران سا اپنی چائے کے مگ

ماں کی یاد

اپنا تو چاہتوں میں یہی اک اصول ہے
تیرا بھلا برا ہمیں سب کچھ قبول ہے
یہ عمر بھر کا جاگنا بیکار ہی نہ جائے
تو نہ ملا تو ساری ریاضت فضول ہے
خود ہی کہا تھا تو نے مری جان چھوڑ دے
اب چھوڑ دی تو کیوں ترا چہرہ ملول ہے
اے ماں یہ میری شہرتیں میری یہ عزتیں
کچھ بھی نہیں ہے بس ترے قدموں کی دھول ہے
آئی جو تیری یاد تو آنکھیں برس پڑیں
اس وقت ترے درد کا دل پر نزول ہے
اِک دوسرے کے واسطے دونوں بنے وصیؔ
گلدان میرا دل ہے تری یاد پھول ہے

کلام: وصیؔ شاہ

مرسلہ: نگہت زیدی، بہارہ کہو

کے ساتھ وہیں اکیلا کھڑا رہ گیا۔ اس کے جانے سے چائے کا سارا لطف ہی ماند پڑ گیا تھا اور ماحول کا حسن بھی۔

اگلے دن پھر رات کو میں نے اسے ہمیشہ کی طرح میسج کیا اور چھت پر چلا آیا اور اس کا انتظار کرتا رہا مگر وہ نہیں آئی۔

دن اسی طرح گزرتے رہے۔ میں روز رات کو اسے میسج کرتا اور اس کا انتظار کرتا مگر وہ نہیں آتی۔ اب اس انتظار کو تین ماہ ہونے والے تھے کہ ایک شب وہ چلی آئی۔ اسے دیکھ کر میری جان میں جان آئی کیونکہ ان تین مہینوں میں مجھے اس کی عادت کا نہیں، اس سے محبت کا بھی اچھے سے اندازہ ہو گیا تھا اور یہ بھی کہ وہ میری صرف دوست ہی نہیں محبوب بھی تھی۔

''شکر ہے تم آ گئیں۔'' میں نے خوشی سے پاگل ہوتے ہوئے کہا۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ کچھ دیر مجھے چپ چاپ کھڑی دیکھتی رہی اور اپنے لال رنگ کے دوپٹے کے نیچے سے ایک کارڈ نکال کر میری جانب بڑھا دیا۔

''یہ لو، یہ میری شادی کا کارڈ ہے۔ تم ضرور آنا میری شادی پر اور اسے ضرور دیکھنا جو میرا نصیب ہوگا۔ تم سے زیادہ ہینڈسم اور دلکش......'' یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں کے ساتھ اس کا لہجہ بھی بھیگا تھا۔

میں اس کی بات پر حیران سا اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ جب وہ جانے کے لیے مڑی تو میں نے لپک کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ اس نے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی تو اس کی چوڑیاں ٹوٹ کر کچھ اس کی کلائی میں چبھ گئیں اور کچھ نیچے گریں اور کچھ میرے ہاتھ میں ہی رہ گئیں۔

''بازو چھوڑو میرا۔'' اس نے غصے سے کہا اور میں نے اس کی عزت کی خاطر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ تیزی سے زینہ اتر گئی اور میں ہاتھ میں اس کی ٹوٹی ہوئی چوڑیاں لیے وہیں گم صم کھڑا رہا، یہاں تک کہ رات بیت گئی۔ فجر کی اذانیں ہونے لگیں تو میں چپ چاپ نیچے چلا آیا اور اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔

پانچ سال کا عرصہ کب اور کیسے گزر گیا پتا ہی نہ چلا۔ سب کچھ بدل گیا لیکن میری عادت نہیں بدلی۔ اس کی شادی کے پانچ سال بعد بھی میں ہر روز رات کو چھت پر اس کی یادوں کے سنگ چائے پیتا ہوں اور سوچتا ہوں کاش میں اسے بتا سکتا کہ وہ میرے لیے کیا تھی، مجھے اس کی رنگت سے بھی عشق تھا، وہ میری چائے جیسی ہی تھی اور میں نے اسی کی توہین کر ڈالی تھی۔ کاش میں اس سے معافی ہی مانگ لیتا اس کا دل دکھانے کی۔

میں اب انہی سوچوں میں چائے ختم کرتا ہوں اور خالی مگ اٹھائے اپنے کمرے میں آتا ہوں۔ اپنی لاکڈ دراز میں رکھی اس کی ٹوٹی ہوئی چوڑیاں دیکھتا ہوں اور بے بی کاٹ میں سوئی ہوئی اپنی سانولی سلونی سی بیٹی کے ماتھے پر ایک محبت بھرا بوسہ دیتا ہوں اور سو جاتا ہوں...... اور کبھی، کبھی بڑے ہی جذب سے یہ شعر گنگناتا ہوں۔

اس کی رنگت سے میل کھاتی ہے
چائے مجھے اس لیے تو بھاتی ہے

بلاعنوان

ریحانہ اعجاز

مس رضوانہ سمیت سب ٹیچرز مسلسل تذبذب کا شکار تھیں۔

''آخر یہ ہو کیا رہا ہے؟''

ایک ماہ میں یہ پانچویں ''انوکھی واردات'' تھی جس پر پرنسپل صاحبہ نے پورے اسٹاف کی کھنچائی کر ڈالی تھی۔

☆☆☆

''مس نادیہ آپ نے اپنا پرس اچھی طرح چیک کیا ہے؟ کیا اس میں سے صرف پانچ سو کی رقم غائب ہے، باقی رقم موجود ہے؟''

پرنسپل تک آج کی تازہ اور پانچویں واردات کی بن گن پہنچی تو مس نادیہ سمیت پورے اسٹاف کو اپنے آفس میں طلب کر لیا تھا کہ گزشتہ چار وارداتیں اتنی سنگین نہیں تھیں لیکن حیرت کا باعث ضرور تھیں کہ جس بھی ٹیچر کے پیسے غائب ہوتے وہ محض ایک سے ڈیڑھ ہزار ہی غائب

ہوتے اور بقیہ تمام چیزیں اور پیسے جوں کے توں بیگ میں موجود ہوتے اور آج صرف پانچ سو کی رقم غائب ہوئی تھی۔ جب سے یہ وارداتیں شروع ہوئی تھیں سب باقاعدہ گن کر رقم رکھتے تھے۔

آج کی واردات مس نادیہ کے ساتھ پیش آئی تھی اور وہ خود ہی مجرم بنی سر جھکائے پرنسپل کے سامنے کھڑی تھیں۔

"یس میم، میرے پرس میں کچھ زیادہ رقم نہیں تھی کل تین ہزار روپے ہی تھے جو میں نے خود گن کر رکھے تھے کہ مجھے واپسی پر کچھ گھر کا ضروری سامان لینا تھا۔ لیکن میں جب کلاس لے کر باہر نکلی اور اپنا ہینڈ بیگ دیکھا تو اس کی زپ ادھ کھلی تھی اور یوں لگتا تھا کسی نے عجلت میں بند کرنے کی کوشش کی ہے اسی لیے ادھ کھلی زپ اندرونی کپڑے میں الجھی ہوئی تھی۔ میں نے زپ درست کی اور یوں ہی اندر کا جائزہ لیا تو پیسے جو میں نے سلیقے سے اندرونی چھوٹی جیب میں رکھے تھے وہ سامنے ہی پڑے نظر آئے، میں نے انہیں اٹھا کر گنا تو پورے پانچ سو کم تھے۔ میں نے کلاس کا بہ نظر غائر جائزہ لیا لیکن کلاس چہارم کے بچے بہت چھوٹے اور معصوم ہیں، میرا دل نہ کیا کہ ان سے پوچھ گچھ کروں اس لیے ساتھی ٹیچرز سے ڈسکس کیا کہ "صرف پانچ سو روپے ہی کیوں نکالے گئے؟" مس نادیہ نے متانت سے ساری بات تفصیل سے پرنسپل کے گوش گزار کی۔

"ہم م......م، کچھ ہی عرصے میں ایسا کئی بار ہو چکا ہے جبکہ اس سے پہلے کبھی یہاں، اس اسکول میں ایسا کچھ نہیں ہوا۔ آخر کون ہو سکتا ہے جو چھوٹی موٹی رقم ہی اٹھاتا ہے اور باقی چھوڑ دیتا ہے؟" پرنسپل نے سوچ میں گم لہجے میں جیسے خود سے ہی سوال کیا تو تمام ٹیچرز میں کھسر پھسر شروع ہو گئی۔

"چلیں خیر، پلیز آپ سب اپنے، اپنے بیگز کا خود خیال رکھیے اور اپنے اردگرد گہری نگاہ۔" پرنسپل نے بات ختم کرتے ہوئے سب کو جانے کا اشارہ کیا تو سب ٹیچرز ایک دوسرے کے پیچھے نکلتی چلی گئیں۔

☆☆☆

یہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول تھا جو کلاس ون سے کلاس دہم تک کی طلبا کو اپنے دامن میں سمیٹے زندگی کے اتار چڑھاؤ سے آشنائی دیتے ہوئے انہیں علم کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔

تمام ٹیچرز اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سلجھے ہوئے اطوار کی مالک ہیں۔

خوش شکل و خوش اخلاق اسٹاف کے ساتھ پرنسپل بھی بہت اچھی باوقار شخصیت کی مالک ہیں۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے اس اسکول کی عمارت بڑی شان سے شہر کے بیچوں بیچ استادہ ہے۔

عام طور پر گورنمنٹ اسکول میں تعلیم کے ساتھ تربیت پر اتنی توجہ نہیں دی جاتی لیکن یہاں تمام اسٹاف حق حلال کی کمائی پر یقین رکھتا ہے اور اپنی انتھک محنت سے بچیوں میں علم کی روشنی بانٹ رہا ہے۔

ہرے بھرے درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں، ان پر چہچہاتے پرندے صبح کے وقت اسکول میں عجب سماں پیدا کرتے ہیں۔

بچیاں اسمبلی کے لیے اسکول کے وسیع میدان میں جمع ہو کر حمد و ثنا پروردگار کے بعد سبز ہلالی پرچم کو سیلوٹ کر کے ترانہ پیش کرتی ہیں تو سورج کی کرنیں ایک نئی اجلی صبح کا پیغام دیتی نظر آتی ہیں۔

مس رضوانہ نہم اور دہم جماعت کی کلاس ٹیچر ہیں۔

بہت اچھی طبیعت اور نرم خو لہجے کی مالک مس رضوانہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ جو ایم فل کی ڈگری کے ساتھ ٹیچنگ کا قریباً پندرہ سالہ تجربہ بھی رکھتی ہیں۔

مس رضوانہ فری پیریڈ میں اسٹاف روم میں بیٹھی تھیں اور اپنے کام میں مصروف تھیں کہ اسکول کے چوکیدار کی بیوی نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ مس رضوانہ نے اسے اندر بلایا۔

"مس جی، میری دیسی مرغیوں نے انڈے دیے ہیں، آپ کو خریدنے ہیں تو بتا دیں۔"

چوکیدار کی بیوی اسکول کے احاطے میں موجود کینٹین سنبھالتی تھی اور اکثر اپنی ذاتی مرغیوں کے دیسی انڈے ٹیچرز کو فروخت کرتی تھی۔

مس رضوانہ ویسے بھی اس کی حتی الامکان مدد کر دیا کرتی تھیں۔ اس لیے وہ سب سے پہلے مس رضوانہ کو ہی

بتایا کرتی تھی۔

"ارے واہ بھئی، کتنے انڈے ہیں؟" مس رضوانہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

"سات انڈے ہیں۔" چوکیدار کی بیوی نے انگلیوں پر حساب کتاب لگاتے ہوئے بتایا۔

"چلو ٹھیک ہے چار انڈے مجھے دے دو، کتنے پیسے ہوئے؟" مس رضوانہ نے بیگ کھولتے ہوئے کہا۔

"مس، پچاس روپے کا ایک انڈا ہے۔" چوکیدار کی بیوی نے چمکتی آنکھوں اور خوشی سے لبریز آواز میں کہا۔

"یہ لو دو سو روپے اور انڈے مجھے یہیں لا دو۔"

انہوں نے اسے پیسے پکڑاتے ہوئے کہا اور اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔ کچھ ہی دیر میں چوکیدار کی بیوی نے تھیلی میں چار انڈے لا کر مس رضوانہ کی میز پر رکھ دیے۔

مس رضوانہ نے وہ تھیلی اٹھا کر ایک سائڈ پر رکھے فریم کے پیچھے رکھ دی کہ جاتے وقت اٹھا کر کسی خالی ڈبے وغیرہ میں ڈال لیں گی کہ بیگ میں ٹوٹنے کا خدشہ ہے۔

انہوں نے اپنا کام مکمل کر کے رجسٹر بغل میں دبایا اور بیگ ہاتھ میں لیے اپنا اگلا پیریڈ لینے کلاس نہم کی جانب چل دیں۔

اسی اثنا دو ٹیچرز اپنے پیریڈز ختم ہونے کے بعد اسٹاف روم میں داخل ہو رہی تھیں۔ ٹھیک دو بجے اسکول میں چھٹی کی گھنٹی بجی تو پُرسکون ماحول میں گہما گہمی کا راج ہو گیا۔

ایک سائڈ پر پرائمری کلاسز اور دوسری سائڈ پر سیکنڈری کلاسز جبکہ درمیان میں ایک طرف کمپیوٹر لیب پھر پرنسپل کا آفس اور اس کے ساتھ اسٹاف روم تھا۔

دونوں اطراف میں لمبے، لمبے کاریڈور جو ایک طرف سے کمپیوٹر لیب اور دوسری طرف سے اسٹاف روم پر اختتام پزیر ہوتے تھے جبکہ پرنسپل کے آفس، اسٹاف روم اور کمپیوٹر لیب کے سامنے چوڑی چوڑی چند سیڑھیاں تھیں جو دونوں کاریڈور کو جوڑتی تھیں انھی سیڑھیوں سے ہوتے ہوئے ہر ایک اپنی مطلوبہ کلاس تک پہنچتا تھا۔ سیڑھیوں کے سامنے بڑا میدان تھا جو ہرے بھرے درختوں میں گھرا بہت دلکش نظر آتا تھا۔ میدان کے اختتام پر اسکول کا بڑا سا مین گیٹ نصب تھا۔

بچیاں اچھلتی، کودتی، باتیں کرتی مگن انداز میں گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ ٹیچرز خوش گپیاں کرتیں اسٹاف روم میں اپنی، اپنی چادر اور عبایا اوڑھتے ہوئے گھروں کی جانب روانگی کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔

مس رضوانہ نے اپنا عبایا پہنا۔ بیگ اٹھایا اور اسٹاف روم سے ایک چوکور گتے کا ڈبا برآمد کر لیا جس میں وہ انڈے بحفاظت لے جا سکتی تھیں۔

جب انہوں نے فریم کے پیچھے سے انڈے اٹھانا چاہے تو وہ چار نہیں بلکہ تین تھے۔ وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

"تھیلی میں تو چار انڈے تھے، پھر یہ تین کیوں؟"

مس رضوانہ نے میز کے نیچے جھانکا کہ کہیں گر کر ٹوٹ نہ گیا ہو۔ لیکن ایک انڈا غائب تھا اور نیچے کہیں نہیں تھا۔

"کیا ہوا مس رضوانہ؟" مس فائزہ نے عبایا درست کرتے ہوئے سوچ میں گم مس رضوانہ سے پوچھا۔

"آں... کچھ نہیں۔" انہوں نے گہری سوچ سے نکل کر جواب دیا۔

"آپ مجھے کچھ پریشان لگ رہی ہیں؟" مس فائزہ نے تفکر سے کہا تو انہوں نے انڈے کی بابت بتایا۔

"چلو جی، پہلے پیسے گم ہو رہے تھے اور اب انڈا بھی گم ہو گیا۔" مس فائزہ نے کچھ ایسی بے ساختگی سے کہا کہ مس رضوانہ کی ہنسی نکل گئی۔

"لگتا ہے اس اسکول میں جنات آگئے ہیں۔"

مس فائزہ دوبارہ گویا ہوئیں تو رضوانہ نے بھی ہنستے ہوئے ہاں میں ہاں ملائی اور دونوں اسٹاف روم سے باہر نکل کر اپنی، اپنی منزل کی جانب چل پڑیں۔

☆☆☆

قریباً پندرہ دن سکون سے گزر گئے اور مزید کسی کے پیسے گم ہونے کی اطلاع نہیں ملی۔

صبح بہت خوشگوار تھی۔ مس رضوانہ حسب معمول اپنے شوہر کے ہمراہ اسکول پہنچیں جو انہیں ڈراپ کر کے اپنے آفس کی جانب روانہ ہو گئے۔

وہ خراماں، خراماں چلتی ہوئی جاتی سردیوں کے سورج کی نرم گرم کرنوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اسکول میں داخل ہونے والی بچیوں اور ٹیچرز سے ہیلو ہائے کرتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ کر اسٹاف روم کی جانب جانا چاہ رہی تھیں کہ کمپیوٹر لیب کے کھلے دروازے

سے اندر نظر پڑی تو سامنے ہی مس سدرہ انہاک سے سر جھکائے کچھ لکھنے میں مصروف تھیں۔
مس رضوانہ نے دروازے میں رک کر انہیں السلام علیکم کہا تو مس سدرہ نے خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے وعلیکم السلام کہا اور اپنا رجسٹر بند کرتے ہوئے کھڑی ہوگئیں۔ دونوں ٹیچرز دوست بھی تھیں اس لیے دونوں کی آپس میں بہت بنتی تھی۔ دونوں کھڑے کھڑے ہی اِک دوسرے سے حال احوال دریافت کرتے ہوئے باتوں میں مگن ہوگئیں اور اس وقت چونکیں جب اسمبلی کے لیے بیل کی آواز کان میں پڑی۔
مس رضوانہ نے اسٹاف روم کا رخ کرنے کے بجائے اپنا بیگ آگے بڑھ کر ایک کمپیوٹر ٹیبل پر رکھا اور عبایا بھی بعد میں اتارنے کا قصد کرتے ہوئے مس سدرہ سمیت اسمبلی کی جانب چل دیں۔
اسمبلی سے فارغ ہو کر مس رضوانہ سیدھی کمپیوٹر لیب پہنچیں اور اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا ہی تھا کہ بری طرح چونک گئیں۔ بیگ کی زپ پوری طرح کھلی ہوئی تھی۔
انہوں نے پرس کے اندر نظر ڈالی تو ان کا چھوٹا سا بٹوا جس میں وہ پیسے رکھتی تھیں وہ بھی کھلا ہوا تھا اور اس میں سے نوٹ جھانک رہے تھے۔
مس رضوانہ نے دھڑکتے دل سے بٹوا نکالا۔ نوٹ گنے اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں۔
آج مس رضوانہ نے کمیٹی دینی تھی جو اسکول میں چند ساتھی ٹیچرز نے مل کر ڈالی ہوئی تھی۔
کمیٹی کے سات ہزار روپے انہوں نے گن کر بٹوے میں ڈالے تھے اور بٹوا ہینڈ بیگ میں رکھ لیا تھا کہ بریک کے دوران ساتھی ٹیچرز کو سب نے رقم جمع کروانی تھی۔
اب ان ہزار، ہزار کے سات نوٹوں میں سے ایک نوٹ غائب تھا۔
مس رضوانہ کو سمجھ نہیں آیا کہ بڑی رقم بچ جانے پر اللہ کا شکر ادا کریں یا غائب ہو جانے والے ایک نوٹ کا افسوس......
ابھی وہ اسی تذبذب کا شکار تھیں کہ لیب ٹیچر مس سدرہ اپنا رجسٹر اٹھانے وہاں چلی آئیں۔
''خیریت مس رضوانہ؟''
بیگ پکڑے کھڑی رضوانہ، مس سدرہ کے سوال پر چونک گئیں۔
''نہیں، خیریت نہیں مس سدرہ، آج پھر جنات اپنا کام دکھا گئے۔'' انہوں نے اپنے نوٹ کے غائب ہونے کی بابت مس کو بتایا تو وہ پریشان ہوگئیں۔
''سچ ہے اب تو مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے کوئی شریر جن ہمیں محض تنگ کرنے کے لیے یہ سب کر رہا ہے، اگر کوئی انسان چوری کرتا تو وہ باقی رقم کیوں چھوڑ دیتا؟''
مس سدرہ کے ماتھے پر بھی تفکر کی لکیریں نمایاں ہوگئیں۔
''آج آپ لوگوں نے کلاسز نہیں لینی؟'' مس نادیہ نے لیب کے سامنے سے گزر کر پرائمری سیکشن کی جانب جاتے، جاتے اندر جھانکتے ہوئے کہا اور دونوں کو متفکر دیکھ کر اندر ہی چلی آئیں۔
آج کے واقعے کی بابت علم ہوا تو وہ بھی سوچ میں پڑ گئیں۔ دفعتاً مس نادیہ کی آنکھیں ایک دم چمک اٹھیں۔
''مس رضوانہ، آج تو چور پکڑا جائے گا۔'' جوش سے مس نادیہ کا چہرہ تمتما اٹھا۔
''وہ کیسے؟'' دونوں نے حیرت سے مس نادیہ کو تکتے ہوئے بیک وقت سوال کیا۔
''وہ ایسے کہ اب تک جس ٹیچر کے بھی پیسے غائب ہوئے وہ مختلف کلاسز سے اور بریک کے دوران غائب ہوئے جب ٹیچرز اپنا پیریڈ لینے کے بعد اپنا بیگ.... بے پروائی سے کبھی کلاس میں بھول گئیں یا ایک بار اسٹاف روم سے پیسے چوری ہوئے اور آپ کو پتا ہے کہ پرنسپل کے آفس، مین انٹرنس اور کمپیوٹر لیب کے علاوہ کہیں بھی کیمرے نصب نہیں اس لیے ہم چور کو پکڑ نہیں پائے لیکن آپ کے پیسے کمپیوٹر لیب سے چوری ہوئے ہیں اور یہاں کیمرا نصب ہے تو ہم چٹکی بجاتے ہی چور کو پکڑ سکتے ہیں۔'' مس نادیہ نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے چٹکی بجائی تو دونوں کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ مس نادیہ کو داد دیے بنا نہ رہ سکیں۔
ساڑھے آٹھ بج چکے تھے۔ تینوں ٹیچرز کی اپنی، اپنی کلاس میں حاضری ضروری تھی۔
پرنسپل صاحبہ اکثر نو بجے کے قریب آتی تھیں سو آج بھی اس وقت تک موجود نہ تھیں۔
مارے تجسس کے تینوں ٹیچرز بے قرار تھیں کہ فوراً

سے پیشتر کیمرے کا جائزہ لے کر چور کو رنگے ہاتھوں پکڑلیں لیکن تینوں نے اس کارروائی کو بریک کے لیے اٹھا رکھا تا کہ پرنسپل سمیت سب کے سامنے یہ عقدہ حل کیا جاسکے۔

مس نادیہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دونوں استانیاں سیکنڈری سیکشن کی جانب اور مس نادیہ اپنی کلاس لینے پرائمری سیکشن کی جانب چل دیں۔

☆☆☆

بریک میں مس نادیہ، مس رضوانہ اور مس سدرہ نے پرنسپل کے آفس میں داخل ہونے کے لیے دروازے پر دستک دی۔

پرنسپل جو چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھیں تینوں کو ایک ساتھ دروازے پر کھڑے دیکھ کر حیران تاثرات سے انہیں اندر داخل ہونے کا اذن دیا۔

تینوں نے پرنسپل کے مدِمقابل کرسیوں پر براجمان ہوتے ہوئے انہیں کل سیاق و سباق سے آگاہ کرتے ہوئے کیمرا چیک کرنے کی استدعا کی، مس نادیہ نے دوسری ٹیچرز کو بھی پرنسپل روم میں بلانے کے لیے کہا۔

پرنسپل بہت بردبار اور مخلص شخصیت کی مالک تھیں۔ تمام ٹیچرز کے ساتھ ان کا تعلق بہترین اخلاق پر مبنی تھا۔ کبھی بے جا رعب جھاڑنے کی کوشش نہیں بلکہ ممکنہ حد تک دوستانہ رویہ اختیار کرتیں۔

انہوں نے پورا واقعہ توجہ سے سنتے ہوئے مدبرانہ انداز میں تینوں ٹیچرز کو کیمرا چیک کرنے کی اجازت دیتے ہوئے باقی ٹیچرز کو بلانے سے منع کرتے ہوئے کہا۔

''میں خود بھی چاہتی ہوں کہ اسکول میں ہونے والی ان پے در پے چھوٹی موٹی چوریوں کا سراغ مل جائے لیکن ساتھ ہی میں یہ بھی چاہوں گی کہ کسی کی عزتِ نفس نہ مجروح ہو۔ ایسا نہ ہو کسی نے مجبوری میں یہ قدم اٹھایا ہو اور وہ پھر کسی سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہے۔ میرا خیال ہے آپ سمجھ رہی ہوں گی کہ میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔''

پرنسپل نے نپے تلے الفاظ میں کسی ٹیچر کے ملوث ہونے کے خدشات کے تحت کہا تو تینوں ٹیچرز سمجھ گئیں۔

میڈم کے اشارے پر کمپیوٹر ٹیچر مس سدرہ نے کیمرا چیک کرنا شروع کیا۔

آج کے کیمرے میں معمول کے مطابق صبح کے مناظر میں مین انٹرنس سے بچیاں اور ٹیچرز آرہی تھیں۔
مس سدرہ نے تھوڑا فارورڈ کیا اور دورانِ اسمبلی کمپیوٹر لیب میں واردات کرتی ہوئی شخصیت کو دیکھ کر میڈم سمیت تینوں ٹیچرز ہکا بکا رہ گئیں۔ سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔
مس سدرہ نے کیمرا اپنی جگہ پر سیٹ کیا اور سوالیہ نظروں سے میڈم کی طرف دیکھا۔
''میں حیران ہوں کہ اتنی چھوٹی بچی، اور بڑی مہارت سے نہ جانے کب سے ہم سب کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہے۔ کس کلاس میں ہے یہ بچی؟'' میڈم سخت حیرانی سے گویا ہوئیں۔
''میڈم، یہ کلاس چہارم کی طالبہ ہے ''ارم''۔'' مس نادیہ نے بتایا جو پرائمری کلاسز لیتی تھیں۔
''بچی کو لے کر آئیں۔'' میڈم نے کہا تو مس نادیہ سرعت سے باہر نکل گئیں۔
مس رضوانہ اور مس سدرہ اس ساری سچویشن کو سمجھ نہیں پارہی تھیں کہ آخر کہیں تو کیا کہیں۔ ان کے خیال و خواب میں بھی نہیں تھا کہ ملزم اتنی چھوٹی بچی ہوگی۔
چند منٹ بعد مس نادیہ، آٹھ، نو سالہ ارم کے ساتھ پرنسپل روم میں داخل ہوئیں۔ بچی کافی سہمی ہوئی لگ رہی تھی۔
''اِدھر آؤ، میرے پاس۔'' میڈم نے ارم کو پاس بلایا تو وہ ڈرتے، جھجکتے ہوئے میڈم کے پاس چلی آئی اور نظریں جھکا کر کھڑی ہوگئی۔
''اِدھر دیکھو میری طرف، مس رضوانہ کے بیگ سے پیسے تم نے نکالے ہیں؟'' میڈم نے حالیہ واردات سے دوٹوک اپنی تفتیش کا آغاز کیا تو یکلخت اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
''ن......ن نہ نہیں، نہیں میں نے کوئی پیسے نہیں نکالے۔'' ارم نے تھوک نگلتے ہوئے بمشکل کہا تو میڈم نے اپنی اسٹک اٹھاتے ہوئے بچی کو ایک بار پھر مخاطب کیا۔
''میں تم سے اب بھی پیار سے پوچھ رہی ہوں، مجھے سختی پر مجبور مت کرو، مس سدرہ اسے کیمرے میں اس کی حرکت دکھایئے ذرا......'' میڈم نے ارم کو ڈراتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی مس سدرہ سے کیمرے میں موجود ارم کی ویڈیو دکھانے کے لیے کہا۔
ویڈیو دیکھتے ہی ارم کی آنکھوں سے ٹپ، ٹپ آنسو بہہ نکلے۔
''مجھے معاف کردیں میڈم، میں آئندہ کبھی چوری نہیں کروں گی، پلیز مجھے معاف کردیں۔'' بچی گڑگڑانے لگی۔
''پہلے بھی تم نے اسکول میں یہ حرکت کی ہے؟'' میڈم نے درشت لہجے میں پوچھا تو ارم نے اگلی پچھلی ساری چوریاں قبول کرلیں۔
''مجھے یہ بتاؤ تم چوری کیوں کرتی ہو؟ اور وہ بھی تھوڑے سے پیسے نکال کے باقی چھوڑ دیتی ہو، کیوں؟''
جو بات سب کے لیے معما تھی وہ مس رضوانہ نے ارم سے پوچھی تو اس نے جو بتایا اسے سن کر ایک بار پھر چاروں ہق دق رہ گئیں۔
''مس جی وہ تاں...... میری امی کہتی ہیں چوری کرنے کو، وہ جب مجھے بتاتی ہیں کہ کتنے پیسے نکال کر لاؤ۔ میں اتنے نکال لیتی ہوں، باقی چھوڑ دیتی ہوں۔''
میڈم نے اس کی والدہ کو بلانے کے لیے مس سدرہ سے فون کرنے کے لیے کہا۔ ''ہمارے گھر فون نہیں ہے۔'' ارم نے بتایا۔
''تمہارا گھر کہاں ہے؟''
میڈم کے پوچھنے پر اس نے گھر کا بتایا تو میڈم نے مس نادیہ سے کہا۔
''گھر نزدیک ہی ہے، آپ چوکیدار کو ایڈریس بتا کر کہیے، اس کی والدہ کو بلا کر لائے۔''

☆☆☆

اس ساری کارروائی میں بریک بند ہوچکی تھی۔ ایک دو بار ساتھی ٹیچرز بھی پرنسپل کے کمرے میں جھانک چکی تھیں اور میڈم کے کہنے پر کہ ''وہ ذرا ٹیچرز کے ساتھ مصروف ہیں، لہٰذا ڈسٹرب نہ کیا جائے۔'' پھر کوئی پرنسپل کے روم میں نہیں آیا۔
کچھ دیر بعد ارم اور اس کی والدہ سر جھکائے پرنسپل روم میں موجود تھیں۔ میڈم نے ارم کی والدہ کو کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا جبکہ بچی ہنوز کھڑی تھی۔
میڈم کی پوچھ گچھ پر پہلے تو ارم کی ماں نے صاف انکار کرتے ہوئے سارا ملبہ بچی پر ڈال دیا پھر میڈم نے

جب پولیس کی دھمکی دی تو اس کے پاس سچ بولنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

''میڈم، میں جانتی ہوں میں نے غلط کیا۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ ارم میری سب سے بڑی بیٹی ہے۔ اس سے چھوٹے دو بھائی اور ایک بہن ہے۔ چار بچوں کے ساتھ میں بہت مشکل سے گزارہ کرتی ہوں۔ شوہر مزدور ہے۔ پہلے پھر بھی روز دیہاڑی لگا لیتا تھا اچھی گزر بسر ہو جاتی تھی لیکن جب سے ہر چیز خاص طور پر آٹا مہنگا ہوا ہے اس کی ہمت بھی جواب دے گئی۔ پتا نہیں کس نے اسے نشے پر لگا دیا۔ اب جو کماتا ہے آدھے سے زیادہ اپنے نشے میں اڑا دیتا ہے۔ مجھے اور کوئی صورت سمجھ نہیں آئی تو میں نے ارم سے یہ کام کروایا۔ لیکن میڈم جی میرا اللہ جانتا ہے میں نے صرف اتنے پیسے ہی کہے ارم سے جتنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی آٹا نہیں تو کبھی دال نہیں۔ مجھے معاف کر دیں میڈم، آپ پولیس کو نہ بتانا، میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔'' زار و قطار روتے ہوئے ارم کی ماں نے ایک ہی سانس میں ساری داستان کہہ سنائی جسے سن کر میڈم سمیت تینوں ٹیچرز کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

میڈم نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''تمہیں پتا ہے تم کیا کر رہی ہو؟ اس طرح تم اپنی بیٹی کو عادی چور بنا رہی ہو، اسکول میں لوگ تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں، اچھی باتیں سیکھنے آتے ہیں اور تم اسکول سے اسے چوری کرنا سکھا رہی ہو، مجھے سمجھ نہیں آ رہا میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں۔'' میڈم نے بیچارگی سے سر تھام لیا۔

''سنو تم یہ سب کرنے کے بجائے کوئی کام بھی تو کر سکتی تھیں ناں؟ کہیں بھی جھاڑو پوچا کر سکتی ہو، برتن دھو سکتی ہو، بجائے اس کے کہ بیٹی کی زندگی خراب کرو۔'' مس سدرہ نے دکھ اور افسوس کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا۔

''میں نے یہی سوچا تھا میڈم لیکن آس پاس سارے ہم جیسے غریب لوگ ہی ہیں اور دور دراز میں تین چھوٹے، چھوٹے بچے چھوڑ کر کیسے جاؤں؟ لڑکے تو پھر بھی پانچ اور چھ سال کے ہیں چھوٹی بچی تو ابھی تین سال کی بھی نہیں ہوئی اور اسے ساتھ لے کر جاؤں تو کام کیسے کروں گی؟'' ارم کی ماں کے لہجے کی بیچارگی و بے بسی استانیوں کو تکلیف دے رہی تھی۔

''میڈم جی، میں اب بھی اپنی بچی سے یہ کام نہیں کرواؤں گی لیکن خدا کے لیے آپ میری بچی کو اسکول سے نہ نکالنا اور پولیس کو بھی نہ بتانا، دوبارہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔'' ارم کی ماں نے ایک بار پھر آنسو بہاتے ہوئے کہا تو میڈم سوچ میں پڑ گئیں۔

''میڈم، مجھے کچھ کہنا ہے۔'' مس رضوانہ نے میڈم سے کہا۔

میڈم نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''آپ اپنی بچی کو لے کر باہر سیڑھیوں پر بیٹھیں، ہم آپ کو ابھی بلاتے ہیں۔'' مس رضوانہ نے ارم کی ماں سے کہا۔

☆☆☆

''میڈم، آپ یقین جانیں اس وقت مجھے اتنی تکلیف ہو رہی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ یہ ہمارے حکمران اپنی نئی نسل کو کیا دے رہے ہیں؟ صرف غربت؟ مہنگائی، چوری چکاری، اور جو یہ کام نہیں کر سکتے وہ خودکشی پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ آئے دن کوئی نہ کوئی خبر سنائی دے جاتی ہے فلاں باپ نے مہنگائی کے ہاتھوں تنگ آ کر خودکشی کر لی۔ فلاں ماں نے بھوک سے بلکتے بچوں کو اپنے ہاتھوں مار ڈالا، فلاں باپ نے اپنے بیوی بچوں کو مار ڈالا کہ وہ ان کے لیے روٹی کا بندوبست نہیں کر پاتا۔'' ارم کی ماں کے باہر جاتے ہی مس رضوانہ نے نان اسٹاپ بولنا شروع کیا، شدتِ جذبات سے ان کی آواز رندھ گئی تھی۔

''وہ تو ٹھیک ہے مس رضوانہ لیکن آپ ہی بتائیے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ چلو میں ارم کی ماں کو معاف کر دیتی ہوں لیکن کیا ضمانت ہے کہ وہ پھر یہ کام نہیں کرے گی بچی کو عادت پڑ گئی ہے؟'' میڈم نے سوالیہ نشان چھوڑا۔

''میڈم...... ''بھروسا'' ہم بھروسا کریں گے، ارم کی ماں پر، اسے ایک موقع دیں گے اپنی اور اپنی بچی کی زندگی سنوارنے کا۔'' مس رضوانہ نے مضبوط لہجے میں کہا تو میڈم سمیت مس سدرہ و مس نادیہ بھی ان کا منہ تکنے لگیں۔

''میڈم اسکول بہت بڑا ہے، ایک صفائی والا آنا

ہے، وہ چوکیدار اور اس کی بیوی بہت محنتی ہیں جو اس کا ہاتھ بٹا دیتے ہیں۔ کیوں نہ ہم ارم کی والدہ کو بھی فرنیچر کی جھاڑ پونچھ اور صفائی ستھرائی کے لیے رکھ لیں؟'' مس رضوانہ نے میڈم سے کہا۔

''ہاں...... پھر چاہے وہ بچ میں اسکول کا صفایا ہی کر ڈالے۔'' مس نادیہ نے ازراہِ تفنن کہا تو میڈم کے لبوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''مس نادیہ، ہم جانے انجانے کتنے گناہ کرتے ہیں اور ہمارا اللہ ہمیں کتنے مواقع دیتا ہے تو کیا ہم انسان جسے اللہ نے اشرف المخلوقات کا درجہ دیا ہے کسی دوسرے انسان، چلو مان لیں برے انسان کو کیا ایک موقع بھی نہیں دے سکتے؟ ہوسکتا ہے آپ کی بات درست ہو وہ ایسا بھی کر سکتی ہے لیکن میرا ماننا ہے کہ پازیٹو سوچ پازیٹو رویوں کو جنم دیتی ہے۔ انسان اگر ایک دوسرے پر اعتماد، بھروسا کرنا سیکھ جائیں تو بہت مشکلات حل ہو سکتی ہیں لیکن افسوس اخلاقیات کا جنازہ تو دھوم دھام سے نکالا جاتا ہے جبکہ کسی کو سیدھی راہ پر ڈالتے ہوئے بھی ہم ڈرتے ہیں۔'' مس رضوانہ نے تاسف زدہ انداز میں کہا تو مس نادیہ شرمندہ ہو گئیں۔

''سوری، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

''مس رضوانہ، میں آپ کے جذبات کی قدر کرتی ہوں اور آپ کے مشورے پر عمل کرنے کے لیے بھی تیار ہوں اور میرا وعدہ ہے ارم کی والدہ کو کم از کم اتنی تنخواہ ضرور دوں گی کہ اسے یا اس کے بچوں کو فاقے نہ کرنے پڑیں۔ دوسری بات وہ اپنی چھوٹی بچی کو یہاں لا کر چوکیدار کی بیوی کے ساتھ مل کر اپنی بچی بھی سنبھال سکتی ہے اور کام بھی کر سکتی ہے، کوئی اسے کچھ نہیں کہے گا لیکن......''

میڈم اپنی بات کہتے، کہتے سانس لینے کو رکیں اور پھر گویا ہوئیں۔

''لیکن اگر پھر بھی اس نے ایسا کوئی کام کیا تو اس کا ذمے دار کون ہوگا؟'' میڈم نے ایک بار پھر سوالیہ نشان چھوڑا تو مس رضوانہ نے مسکراتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

''میڈم، میرا دل کہتا ہے ان شاء اللہ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی اور بالفرض ایسا کچھ ہو بھی گیا تو میں اس کی تمام تر ذمے داری لیتے ہوئے نقصان پورا کروں گی، کسی کو تو آگے بڑھنا ہوگا ناں، ہمیں اپنے، اپنے حصے کا چراغ جلا کر روشنی کا انتظام کرنا ہوگا۔''

''ویلڈن مس رضوانہ۔'' مس سدرہ اور مس نادیہ نے بے ساختہ ایک ساتھ کہا تو میڈم بھی بھرپور انداز میں مسکرا دیں۔

☆☆☆

میڈم نے تینوں ٹیچرز کو سختی سے تنبیہ کی کہ اس سارے واقعے کا مزید کسی سے ہرگز تذکرہ نہ کیا جائے۔

ارم کو خرابیٔ طبیعت کا کہہ کر ماں کے ساتھ گھر روانہ کر دیا گیا تاکہ اس کی غیر حاضری کے بارے میں کوئی ٹیچر سوال نہ کرے اور ساتھ ہی ارم کی ماں کو یقین دہانی کروائی گئی کہ ہر روز چھٹی ہونے کے بعد وہ اسکول کی صفائی ستھرائی کا کام کیا کرے گی جس کے بدلے اسے معقول معاوضہ دیا جائے گا...... لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ اپنے نشئی شوہر کو بھی راہ راست پر لانے کی کوشش کرے گی اور اپنی کمائی اس کے نشے پانی پر خرچ نہیں کرے گی۔ مزید یہ کہ زندگی میں کبھی بچوں، بچیوں کو غلط راہ پر نہیں چلائے گی۔

ارم اور اس کی والدہ نے ایک بار پھر ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی اور آئندہ ایسے کسی بھی کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی۔

☆☆☆

مس رضوانہ نے اپنے طور پر ارم کے والد عارف کو بھی راہِ راست پر لانے کے لیے سب سے پہلے اپنے شوہر سے کہہ کر اس کا علاج کروایا۔ عارف کوئی عادی نشئی نہ تھا ان کی کوششوں سے بہت کم وقت میں اس نے نشہ چھوڑ دیا۔

رضوانہ کے شوہر نے اسے بھی کام پر لگوا دیا۔

ارم کی ماں صغریٰ مس رضوانہ کو دعائیں دیتے نہ تھکتی تھی۔

رضوانہ کا ضمیر مطمئن تھا وہ خوش تھی کہ ایک خاندان بکھرنے سے بچ گیا۔ لیکن وہ اس سارے قضیے کو نپٹاتے ہوئے ایک سوال کا جواب نہ ڈھونڈ پائی کہ اس ساری صورتِ حال کا اصل ذمے دار کون ہے؟

۞۞۞

اندھیرے راستے، تم روشنی

سائرہ غفار

بعض اوقات اندھیرے سے روشنی کا سفر بڑا ہی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ یہ میں نے تب جانا جب وہ مجسم خوف بن کر میرے روبرو ہوا اور ماضی کے بھولے بسرے سبھی لمحے ایک، ایک کر کے سامنے آتے چلے گئے...... کیسا خوف...... کیسا اضطراب تھا...... جو میری آنکھوں میں در آیا تھا۔ میں اس روشن لمحے کو کبھی بھول ہی نہیں سکتی جس نے میری ہنستی مسکراتی زندگی میں لمحے بھر میں اندھیرا پھیلا دیا تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں اس سے خوفناک لمحہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میرے پورے وجود پر دہشت کا سانپ کنڈلی مار کر بیٹھا تھا۔ دل کے دھڑکنے کی رفتار ایسی ہوگئی تھی گویا سرپٹ گھوڑے پر سوار ہو۔ مجھے لگا کہ یہ لمحے میری زندگی کے آخری لمحے ہیں۔

''اگر وہ کچھ بولا تو......؟ اس نے بھائی جان سے کچھ کہہ دیا تو بھائی جان کیا سوچیں گے میرے

بارے میں......؟''

بھائی جان کے ساتھ وہ اپنی دل جلانے والی مسکراہٹ لیے کھڑا تھا۔ اور میں تھر،تھر کانپ رہی تھی۔

☆☆☆

میری اس سے پہلی ملاقات نیشنل لائبریری کے پارکنگ ایریا میں ہوئی تھی۔ میں اپنی سہیلی بریرہ کے ہمراہ لائبریری آئی تھی۔ بریرہ ان دنوں سی ایس ایس کے مقابلے کے امتحان کی تیاری کررہی تھی۔ میں محض وقت گزاری کے لیے ساتھ ہولیتی۔ اس دن میں اپنا موبائل فون گاڑی میں ہی بھول آئی تھی، یاد آیا تو میں بریرہ کو بتا کر پارکنگ ایریا میں آگئی اور تب میں نے اسے پہلی بار دیکھا۔ میری گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ کو نیم دراز کر کے وہ مزے سے اسٹیرنگ وہیل پر پاؤں چڑھائے بیٹھا بلکہ لیٹا ہوا تھا۔ گاڑی میں تیز میوزک بج رہا تھا۔ نہ جانے ایسے بے ہودہ گانے لوگ کیسے سن لیتے ہیں جس میں میوزک کے علاوہ سنگر کی صرف لٹیں ہی جھولتی نظر آتی ہیں۔ میں نے حیرت سے فرنٹ سیٹ کے ادھ کھلے شیشے سے دھواں نکلتے دیکھا اور پھر اسے سیٹ پر نیم دراز دیکھ کر میرے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔

''اوہ واٹ......؟'' اس نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے شانِ بے نیازی سے پوچھا۔

''تم میری گاڑی میں کیا کررہے ہو؟'' میں نے نہایت بدتمیزی سے پوچھا۔ جواب میں اس نے ایک نظر گاڑی کا جائزہ لیا اور پھر قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

''جاہل، بدتمیز، گھٹیا انسان......'' میں زیرِلب... بڑبڑائی مگر اس کی سماعتوں نے فوراً سن لیا۔

''کیا فرمایا آپ نے؟''

''تم سے مطلب؟ چلو اترو فوراً...... یہاں سے......'' میں نے غصے میں حکم جاری کیا۔

''محترمہ آنکھیں پھاڑ کر دیکھیے یہ میری گاڑی ہے......'' پھر اس نے فر،فر اپنی گاڑی کا نمبر بتایا تو میں نے فوراً سے بیشتر بے یقینی کے انداز میں گاڑی کی نمبر پلیٹ چیک کی اور اس کی بات حرف بہ حرف سچ ثابت ہونے پر ہکا بکا رہ گئی۔ میں نے چکراتے سر کو سنبھالا دینے کے لیے فوراً ساتھ والی گاڑی کا سہارا لیا تو معلوم ہوا کہ وہ میری کار ہے۔ جس کا میں نے اب سہارا لیا۔ ایک ہی رنگ اور ماڈل تھا دونوں کا۔ مارے خجالت کے میں زمین میں گڑی جارہی تھی۔ اس کی تمسخرانہ نگاہیں مجھ پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ میں نے ذرا کی ذرا پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ ذرا سا جھک کر مسکراتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔

''ویسے مخاطب کرنے کا یہ انداز مجھے بہت بھایا۔''

''شٹ اپ......'' میں نے غصے سے کہا تو اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔

میں نے جلدی سے اپنی گاڑی کا لاک کھولا۔ وہاں رکھا اپنا موبائل فون اٹھایا۔ گاڑی دوبارہ لاک کی اور تیزی سے لائبریری کی طرف چل دی۔ لائبریری کی سیڑھیوں تک پہنچتے، پہنچتے نہ جانے مجھے کیا ہوا...... میں نے غیر ارادی طور پر مڑ کر اسے دیکھا۔ میرے مڑ کر دیکھنے پر اس نے بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا اور میں اپنی اس حرکت پر خود ہی شرمندہ ہوگئی۔

☆☆☆

چند دنوں میں اسے بھول چکی تھی مگر قسمت میں اس سے پھر ٹکرانا لکھا تھا۔ اس لیے بک شاپ کے کاؤنٹر پر اس سے ٹکرا گئی۔ میرے ہاتھ سے ساری کتابیں چھوٹ کر فرش پر جاگریں۔ میں جھک کر کتابیں سمیٹنے لگی۔

''اوہ سوری...... معذرت چاہت......'' مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ کہتے، کہتے رک گیا۔ اس کے رکنے پر میں نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تو بت بن کر رہ گئی۔ اس کے چہرے پر دل موہ لینے والی مسکراہٹ سج گئی۔ ایک بار پھر مجھے ڈھیروں شرمندگی اور خجالت محسوس ہوئی۔

''اُف...... یہ پھر سے کیوں مل گیا......؟'' میں نے دل میں کہا...... اور سر جھٹک کر کتابیں سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کتابوں کی پے منٹ کر کے میں باہر نکلی اور وہ میرے پیچھے، پیچھے نکلا۔

''رکو تو سہی......'' اس کی آواز سن کر میں رک گئی۔

''یار تم ہمیشہ اتنی جلدی میں کیوں ہوتی ہو؟''

''آپ کو کوئی کام ہے مجھ سے......؟'' میں نے دانستہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔ مجھے اس کی مسکراہٹ زہر لگتی تھی۔

''ہاں! کام تھا تم سے......'' وہ مسکرا کر بولا۔

''میرے پاس فالتو کاموں کے لیے وقت نہیں......'' میں نے ایک، ایک لفظ پر زور دے کر سخت لہجے میں کہا تو وہ ہنسنے لگا۔ میں نے اسے تعجب بھری نظروں سے دیکھا۔

''اس دن تو مجھ سے بات کرنے کے لیے ایسا زبردست بہانہ گھڑا تھا اور آج قسمت نے ملا دیا ہے تو فالتو ہو گیا؟ واہ جناب......''

اس کی بکواس ختم ہوتے ہی میں نے اس پر ایک تیز نظر ڈالی اور جانے کے لیے پلٹ گئی وہ وہیں کھڑا رہا۔

گاڑی کے پاس پہنچ کر میں نے پھر سے پلٹ کر دیکھا۔ غیر ارادی طور پر......وہ بھرپور انداز میں مسکرایا تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

☆☆☆

یونیورسٹی کے انفارمیشن کاؤنٹر سے میں ابھی پلٹی ہی تھی کہ میری نظر بے اختیار اس پر پڑی......وہ اپنی دل جلا دینے والی مسکراہٹ لیے میری طرف دیکھ کر... جوش و خروش سے ہاتھ ہلا رہا تھا۔ میں گنگ کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر اس کے قدم اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر میں نے فوراً کینٹین کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ بے تحاشا دوڑتے ہوئے مجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ کب میں یونیورسٹی سے نکل کر اسٹاپ تک بھی آ گئی۔ مجھے یہ بھی احساس نہیں رہا کہ سب لوگ مجھے عجیب، عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے فوراً ایک رکشا روکا اور اس میں جلدی سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''صدر......'' رکشا ہواؤں سے باتیں کرتا ہوا مانوس راستہ طے کرتا جا رہا تھا۔ میں نے مطمئن ہو کر رکشے کی سیٹ سے ٹیک لگا لی۔

☆☆☆

''بیٹا لڑکے والوں نے ہمارا جواب مانگا ہے۔''

اماں نے مجھے بڑی آس بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

''تو دے دیں جواب......'' میں نے بیزاری سے کہا۔

''اچھا ایک نظر دیکھ تو لے......'' اماں نے میری طرف لڑکے کی تصویروں والا لفافہ بڑھاتے ہوئے مان سے کہا۔

''رہنے دیں اماں......اگر میں کہوں گی کہ مجھے ابھی مزید پڑھنا ہے اور ابھی تو میری ڈگری بھی کمپلیٹ نہیں ہوئی تو کون سا آپ نے انتظار کر لینا ہے۔ آپ نے فوراً مجھے لڑکے کی اور میری متوقع سسرال کی خوبیاں گنوانا شروع کر دینی ہیں۔ لڑکا اپنے پیروں پر کھڑا ہے۔ اچھا کماتا ہے، کھاتا پیتا گھرانا ہے، بہنیں سب گھروں کی ہو چکی ہیں، گھر میں سب سے چھوٹا ہے۔ پڑھا لکھا ہے، سلجھا ہوا ہے، دیکھا بھالا گھرانا ہے، وغیرہ، وغیرہ......'' میں نے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہوئے ہزار بار کی سنی سنائی باتیں غصے سے دُہرائیں تو اماں ہنس پڑیں۔

''میں نے کوئی لطیفہ سنا دیا ہے کیا؟'' میں نے جھلا کر پوچھا۔

''ارے میں تو سوچ، سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ پتا نہیں میری بیٹی کیسے ایڈجسٹ ہو پائے گی مگر تمہیں تو ان سب کے بارے میں اتنی تفصیل پتا ہے۔ اب میری پریشانی ختم ہو گئی۔ میں آج ہی ان کو فون کر کے ہاں کہہ دیتی ہوں۔'' اماں مسکراتے ہوئے مطمئن ہو کر باہر کو چل دیں۔ میں اماں کی باتیں سن کر جھینپ گئی۔ کیا واقعی مجھے اتنی معلومات تھی۔

☆☆☆

میں، اماں اور بھابی کے ساتھ مارکیٹ میں اپنی شادی کی شاپنگ کر رہی تھی کہ اچانک میرے آس پاس وہی آواز چہکی۔

''ہیلو......کیا ہو رہا ہے؟''

میں نے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس کی آواز پہچان کر سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اس کے لب پھیل گئے......وہی دل جلانے والی مسکراہٹ جو مجھے زہر لگتی تھی۔

میں نے ڈرتی، ڈرتی نظریاں اور بھابی پر ڈالی جو دکان دار سے بحث میں مصروف تھیں۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' میں نے غصے سے دبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''حجامت بنوار ہا ہوں...... ! بھئی شاپنگ مال میں بندہ شاپنگ ہی کرے گا ناں !'' وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔

''تو جاؤ جا کر شاپنگ کرو۔ میرا دماغ مت چاٹو۔'' میں نے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھور کر کہا۔

''ایک تو تم ہر وقت غصے میں ہی کیوں رہتی ہو؟'' وہ ڈھٹائی سے مسکرایا۔

''دفع ہو جاؤ۔'' میں نے درشت لہجے میں اسے ڈپٹا تو وہ منہ بنا تا وہاں سے چلا گیا۔

''کیا ہوا؟ کسے ڈانٹ رہی ہو؟'' اماں نے میرا آخری جملہ سن لیا تھا۔

''نہیں...... نہیں...... وہ فف...... فقیر تھا فقیر......''

میں نے بات بنائی۔ اماں دوبارہ دکان دار کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔ میں نے سکون کی سانس خارج کی۔ اس دن کے بعد میرے دل میں ایک خوف سا بیٹھ گیا تھا کہ وہ پھر سے نہ مجھے نظر آ جائے اور اس سے پہلے کہ میرے لیے کوئی مشکل کھڑی کر دے مجھے خود محتاط ہو جانا چاہیے۔ اس لیے میں نے باقی کی تمام شاپنگ کی ذمے داری امی اور بھابی پر ڈال دی اور خود پیپروں کا بہانہ کر کے سکون سے گھر میں بیٹھ گئی۔

☆☆☆

پیپرز ختم ہونے کے بعد میں ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ دو دن بعد میری منگنی تھی اور ایک ماہ بعد شادی کی ڈیٹ فکس کر دی گئی تھی۔ اس روز جب میں شام کو خوب تھکن اتار کر اٹھی تو میرے بھتیجے معیز نے آئس کریم کی فرمائش کی تو میرا بھی دل للچانے لگا۔ بھائی جان کو آفس سے واپس آتے ہی ہم دونوں نے دھر لیا اور بھائی جان کا وہ دماغ کھایا کہ انہیں ہم دونوں کو آئس کریم پارلر لے جانا ہی پڑا۔ میں نے اور معیز نے ایک ٹیبل پر فوراً قبضہ کر کے کرسیاں ہتھیا لیں اور بھائی جان آئس کریم لینے چل پڑے۔ ہم لوگ آئس کریم پارلر کے تقریباً سینٹر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ابھی بھائی جان آئس کریم لے کر آ کر بیٹھے ہی تھے کہ وہاں پر لائٹ کا ایک فیز چلا گیا۔ آئس کریم پارلر میں نیم اندھیرا پھیل گیا جس جگہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہاں بہت مدھم روشنی، بھائی جان والی کرسی تک آ رہی تھی جبکہ میرے پیچھے کی جانب بالکل اندھیرا تھا۔

اچانک میرے پیچھے سے کسی نے بھائی جان کو پکارا۔ میں کرنٹ کھا کر مڑی۔ یہ وہی آواز تھی۔ وہ اندھیرے سے نیم روشنی میں داخل ہوا تو میں اپنی جگہ سُن رہ گئی...... وہ بھائی جان سے گلے مل رہا تھا۔ بجلی اب آ چکی تھی اور میں اسے دیکھ سکتی تھی۔ وہ وہی تھا۔

بعض اوقات اندھیرے سے روشنی کا سفر بڑا ہی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ یہ میں نے تب جانا جب وہ مجسم خوف بن کر میرے روبرو ہوا اور ماضی کے بھولے بسرے لمحے ایک، ایک کر کے سامنے آتے چلے گئے......

کیسا خوف...... کیسا اضطراب تھا...... جو میری آنکھوں میں در آیا تھا۔ میں اس روشن لمحے کو کبھی بھول ہی نہیں سکتی جس نے میری ہنستی مسکراتی زندگی میں لمحے بھر میں اندھیرا پھیلا دیا تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں اس سے خوفناک لمحہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میرے پورے وجود پر دہشت کا سانپ کنڈلی مار کر بیٹھا تھا۔ دل کے دھڑکنے کی رفتار ایسی ہو گئی تھی گویا سرپٹ گھوڑے پر سوار ہو۔ مجھے لگا کہ یہ لمحے میری زندگی کے آخری لمحے ہیں...... ''اگر وہ کچھ بولا تو؟ اس نے بھائی جان سے کچھ کہہ دیا تو بھائی جان کیا سوچیں گے میرے بارے میں؟''

بھائی جان کے ساتھ وہ اپنی دل جلانے والی مسکراہٹ لیے کھڑا تھا اور میں تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''ارے گڑیا کیا ہوا؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' بھائی جان سے میری حالت پوشیدہ نہ رہ سکی۔ اس کے چہرے سے بھی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔

''ج...... جی...... ٹھ...... ٹھیک ہوں۔'' میں نے بمشکل کہا۔

''ارے ابھی سے یہ حال ہے تو شادی کے بعد کیا کرو گی؟'' بھائی جان اس کی طرف دیکھ کر ہنسے تھے اور اس نے بھرپور ساتھ دیا تھا۔

''ارے پھپھو ڈریں مت۔ میں ہوں ناں آپ کے ساتھ۔ ابھی سے ایسے کریں گی تو سارے امپریشن کی بے ستی خراب ہو جائے گی۔ آپ کو ابھی سے پھوپا پر رعب جمانا چاہیے۔'' معیز میرے کان میں گھسا سرگوشیاں کر رہا تھا۔ پھوپا کے نام پر میں نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

''مجھے نہیں لگتا بھائی جان کہ غانیہ اس رشتے پر خوش ہیں۔''

''یا اللہ اس کو میرا نام بھی معلوم ہے۔'' میں حیران ہو کر سوچنے لگی۔

''ارے ایسی کوئی بات نہیں۔ چھوٹی سی ہے میری گڑیا۔ ایڈجسٹمنٹ میں تھوڑا ٹائم تو لگتا ہے۔'' بھائی جان نے پیار بھری نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔

''اگر آپ کی اجازت ہو تو میں کچھ دیر غانیہ سے بات کر سکتا ہوں؟'' اس نے بھائی جان سے اجازت چاہی اور بھائی جان نے دے دی۔

''میں اور معیز گاڑی میں ویٹ کرتے ہیں۔ آدھے گھنٹے تک آ جانا گڑیا۔'' میں نے مرے، مرے انداز میں سر ہلایا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ بھائی جان کو کیسے جانتا ہے اور مجھے بھی کیسے جانتا ہے؟ وہ میرے رشتے کی بات کیوں کر رہا تھا اور یہ بھی کہ بھائی جان نے اسے اتنی اجازت کیوں دی کہ وہ میری ذاتیات پر بات کرے؟ میرا سر پھٹا جا رہا تھا سوچ، سوچ کر......

بھائی جان کے جاتے ہی میں اس پر پھٹ پڑی۔

''تم ہو کون؟ اور میرا نام کیسے جانتے ہو؟ اور تم بھائی جان کو کیسے جانتے ہو؟ تمہیں میرے پرسنل معاملات میں بولنے کو کس نے کہا ہے؟''

''مطلب؟ تم مجھے نہیں جانتیں؟'' وہ حیرت سے زیادہ خفگی سے بولا تھا۔

''دیکھو اس دن لائبریری میں جو بھی ہوا وہ سب میری لاعلمی کی وجہ سے ہوا تھا۔ میں اس بات کے لیے آپ سے معذرت طلب کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ میں آپ کو جانتی ہوں اور نہ ہی جاننا چاہتی ہوں۔'' میرے سپاٹ لہجے پر وہ ششدر سا رہ گیا۔

''یار میں تو سمجھا تھا کہ تم نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے؟'' وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں نے غصے سے پوچھا۔

''دیکھو بھئی سمپل سی بات ہے۔ میری مام آئی تھیں تمہارے گھر انکل ضیا کے توسط سے۔ مام نے مجھے تمہاری تصویریں دکھائی تھیں۔ میں نے سوچنے کے لیے وقت مانگا تھا کہ لائبریری والا واقعہ ہو گیا اور سچ پوچھو تو مجھے تو یہی لگا تھا کہ تم ڈراما کر رہی ہو۔ مجھے تمہاری وہ ادا سچ مچ بھا گئی تھی۔ میں نے اسی دن امی کو ہاں کہہ دی تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ ہم لوگ بار، بار ملتے رہے مگر تم ہمیشہ میری بات سنے بغیر بھاگ لیتی تھیں، مجھے تو یہی لگتا تھا کہ جیسے تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو اور میں صرف تمہاری خوشی جاننا چاہتا تھا اس لیے تم سے بات کرنا چاہتا تھا۔'' اس کے انکشاف پر میں نے حیرت سے آنکھیں پٹپٹا کر اسے دیکھا تھا۔

''تو آپ رمضاب ہیں؟'' میں نے پوچھا تو وہ سوگوار انداز میں بولا۔

''جی ہاں، میں ہی رمضاب ہوں۔''

''اُف......'' میں نے سر پکڑ لیا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے تشویش سے پوچھا۔

''آئی ایم رئیلی ویری سوری...... مجھے سچ میں معلوم نہیں تھا کہ آپ رمضاب ہیں۔ وہ سب محض اتفاقات تھے۔ امی نے مجھے آپ کی تصاویر دکھانے کی کوشش کی تھی مگر میں نے منع کر دیا تھا کیونکہ یہ رشتہ خالصتاً ان کی مرضی سے طے ہوا ہے۔'' میں نے نظریں جھکا کر وضاحت دی تو رمضاب نے ایک آسودہ سانس خارج کرتے ہوئے پوچھا۔

''چلو ٹھیک ہے جو ہوا سو ہوا۔ پر اب بتاؤ مجھے، تمہاری کیا مرضی ہے؟''

میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا......اس کے چہرے پر وہی دل جلانے والی مسکراہٹ تھی۔ ایسی ہی ایک مسکراہٹ بے ساختہ میرے چہرے پر بھی پھیل گئی...... بالکل غیر ارادی طور پر......میں نے شرما کر سر جھکا لیا تھا۔

❀❀❀

ناولٹ

تمہارے کھوج میں

نگہت سیما

دوسرا حصہ

آج چھٹی تھی اور وہ ٹی وی لاؤنج میں صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ہاتھ میں اخبار تھا لیکن وہ پڑھ نہیں رہے تھے۔ وہ کچھ الجھے ہوئے سے تھے۔ کرن وہاں ہی کارپٹ پر اپنا ڈول ہاؤس لیے بیٹھی تھی اور اس میں سب سامان سجا رہی تھی۔ پاس ہی اس کی ڈولز اور دوسرے کھلونے بھی پڑے تھے۔

''بابا......!'' وہ اٹھ کر ان کے پاس آئی اور ان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر انہیں مخاطب کیا تو وہ چونکے۔

''بابا مجھے نانو کے گھر جانا ہے...... آج تو آپ کی چھٹی ہے ناں...... آپ بھی چلیں۔''

''نہیں میری جان، آج مجھے کچھ کام ہے پھر کبھی چلیں گے۔'' انہوں نے اس کے رخسار تھپتھپائے۔

''اچھا آپ کو کام ہے تو مجھے چھوڑ آئیں۔ وہاں بین آنی بھی آئی ہوں گی۔ انہوں نے مجھ سے پرامس کیا تھا کہ وہ مجھے لاہور لے جائیں گی۔ zoo دکھانے......''

''zoo (چڑیا گھر)'' انہوں نے دُہرایا۔

''نہیں بیٹا بھلا وہ کیوں لے کر جائیں گی... میں خود اپنی بیٹی کو لے کر جاؤں گا لیکن آج نہیں پھر کبھی۔''

انہیں حیرت ہوئی کہ بین بھلا کیسے اسے لاہور اکیلی لے جاسکتی ہے۔ یوں ہی کہہ دیا ہوگا۔

''بابا میں بہت بور ہو رہی ہوں...... رضوانہ باجی بھی تو چلی گئی ہیں۔''

رضوانہ دراصل اپنے شوہر سے ناراض ہو کر مہراں کے پاس آگئی تھی۔ اس کے ماں، باپ نے اسے واپس سسرال جانے کو کہا تھا کہ وہ تمہارا شوہر ہے، مارے یا گالیاں دے جیسے بھی رکھے وہاں ہی

رہو ہم نے ایک بار بیاہ دیا۔ اب اس گھر سے جنازہ ہی اٹھے تمہارا تو وہ سسرال واپس جانے کے بجائے مہراں کے پاس آ گئی تھی۔ کم عمر تھی زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال کی ہوگی۔ مزاج میں تھوڑی ضد تھی۔ مہراں نے ان سے پوچھ کر رکھ لیا تھا۔ اور جب انہوں نے دیکھا کہ کرن اس کے ساتھ خوش رہتی ہے تو انہوں نے کرن کے سارے کام اس کے سپرد کر دیے تھے۔ اور اب اس کا شوہر اسے منا کر لے گیا تھا۔

''ہاں وہ چلی گئی ہیں...... آپ خود ہی تو کہہ رہی تھیں کہ آپ بڑی ہو گئی ہیں، خود تیار ہو سکتی ہیں تو میں نے اسے بھیج دیا۔'' انہوں نے اسے بہلایا۔

''لیکن وہ میرے ساتھ کھیلتی تھیں، مجھے کہانیاں سناتی تھیں اور مجھے ہوم ورک میں بھی ہیلپ کرتی تھیں۔''

''اچھا......'' ان کے علم میں نہیں تھا کہ رضوانہ کچھ پڑھی لکھی بھی ہے۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ بے حد مصروف تھے ورنہ وہ خود کرن کو ہوم ورک کرواتے تھے۔ وہ آفس سے اٹھتے تو اُن کی کھوج میں پھرتے رہتے تھے۔ اور گھر آتے تو اتنے تھکے ہوئے ہوتے کہ کرن کو پڑھانے کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی۔

''آپ رضوانہ باجی کو واپس بلا لیں ناں......''

''وہ تو ابھی نہیں آ سکتیں، میں اپنی بیٹی کو خود ہوم ورک کرواؤں گا...... ٹھیک ہے ناں......''

''جی......'' اس نے سر ہلایا۔

''اور کہانیاں بھی سنائیں گے؟''

''ہاں کہانیاں بھی سناؤں گا......'' اور اپنی عادت کے مطابق ضد اور بحث کیے بغیر وہ پھر جا کر کھلونوں سے کھیلنے لگی۔

''بچے کتنی ضدی، اور شرارتی ہوتے ہیں لیکن کرن ذرا بھی نہیں تھی۔ شاید اس کے اندر کہیں احساس ہے کہ وہ کتنی بڑی نعمت سے محروم ہے۔ سال پہلے تک وہ اکثر پوچھتی تھی کہ اس کی ماما کہاں ہیں، اس کے پاس کیوں نہیں رہتیں۔ لیکن اب اس نے اپنی ماما کے متعلق پوچھنا چھوڑ دیا تھا۔'' وہ سوچ رہے تھے۔

''تو بابا ہم پھر کب جائیں گے zoo دیکھنے؟'' اب وہ بلاکس جوڑ کر کوئی عمارت بنا رہی تھی۔ اس نے اپنے سارے کھلونے سمیٹ کر باسکٹ میں ڈال دیے تھے۔

''کچھ دنوں تک بیٹا......'' وہ نرمی سے بولے تھے انہیں لاہور تو جانا ہی تھا۔ ایک بار پھر ان ہی گلی کوچوں کی خاک چھاننے جہاں سے ان کے متعلق کچھ معلوم ہونے کی امید تھی۔ شاید اب کہیں سے کوئی سراغ مل جائے۔ لیکن دو سال میں تو وہ انہیں تلاش نہیں کر پائے تھے تو اب چھ ماہ میں کیسے تلاش کریں گے۔ یہ الگ بات تھی کہ ان دو سالوں کے ابتدائی چند ماہ میں ہی انہوں نے انہیں ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔ پھر مایوس ہو کر یہ کوشش ترک کر دی تھی لیکن ڈاکٹر داؤد نے لاہور میں کئی لوگوں سے کہہ رکھا تھا کہ جیسے ہی ان کے متعلق کچھ پتا چلے انہیں اطلاع دے دیں۔ بس اسی ایک آس میں وہ ابھی تک یہاں ٹکے ہوئے تھے کہ شاید کہیں سے کوئی اطلاع مل جائے۔

لیکن اب ایک بار پھر نئے سرے سے انہیں اُن کا کھوج لگانا تھا۔

''لیکن بابا...... وہ ثمین آنٹی کہتی ہیں، بابا کے پاس وقت نہیں ہوتا کہ وہ تمہیں کہیں گھمانے لے جائیں۔'' اسے بلاکس جوڑتے، جوڑتے اچانک یاد آیا تھا۔

''وہ کہتی ہیں سب بچوں کے بابا مصروف ہوتے ہیں۔ انہیں آفس کے اور باہر کے سارے کام کرنے ہوتے ہیں۔ پھر وہ گھر آتے ہیں تو تھکے ہوئے ہوتے ہیں تو سب بچوں کو ان کی ماما ہی گھمانے اور شاپنگ کروانے اور فرینڈز کی طرف لے کر جاتی ہیں لیکن میری چونکہ ماما نہیں اس لیے ثمین آنٹی مجھے سیر کروانے بھی لے کر جائیں گی اور شاپنگ کروانے بھی۔''

''یہ ثمین......'' انہیں ثمین پر غصہ آیا۔

''کیا چاہتی ہے آخر......؟'' دل ہی دل میں کہتے ہوئے وہ اپنی طرف دیکھتی کرن کو دیکھ کر مسکرائے۔

''ہاں سب بچوں کے بابا مصروف ہوتے ہیں، تھکے ہوئے بھی ہوتے ہیں لیکن اپنے بچوں کے لیے وہ

وقت نکال لیتے ہیں اور بالکل بھی نہیں تھکتے......پھر سنڈے بھی تو ہوتا ہے ناں فارغ......''

وہ سین کی بات جھٹلانا نہیں چاہتے تھے کہ کرن سین پر بہت ٹرسٹ کرتی تھی۔

''اور آپ کے بابا کے پاس تو آپ کے لیے بہت وقت ہے۔آپ نے جہاں جانا ہے بابا آپ کو لے جائیں گے اور شاپنگ بھی کروادیں گے۔''

''اوکے بابا......!'' وہ پھر بلاکس کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا اور اپنا فون اٹھا کر باہر آگئے اور پھر سین کا نمبر ملاتے، ملاتے وہ برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر نیچے لان میں آگئے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کرن ان کی بات سنے۔

''اوہ زہے نصیب، یہ آج آپ نے مجھ غریب کو کیسے یاد کرلیا۔'' سین نے فون اٹھاتے ہی کہا تو ناگواری سے ان کی پیشانی پر شکنیں سی پڑ گئیں۔

''یہ تم میری بیٹی کو کیا پٹیاں پڑھاتی رہتی ہو......''

''کیا......؟ میں نے بھلا کیا پٹیاں پڑھائی ہیں اسے۔'' وہ کچھ ناراض اور کچھ حیران سی ہوئی تھی۔

''کیوں، کیا تمھیں نہیں پتا کہ کیا پٹیاں پڑھاتی ہو تم اسے......اگر اسے زو دیکھنا ہے۔شاپنگ کے لیے جانا ہے تو میں ہوں ناں کسی دوسرے تیسرے کو اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔''

''واہ......تیمور صاحب واہ......ایک تو میں آپ کی بیٹی کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہوں، کمپنی دیتی ہوں، خالہ کی طرف آتی ہے تو پارک لے کر جاتی ہوں اس خیال سے کہ بیچاری کی ماں نہیں ہے، یہ تو وہی نیکی برباد گناہ لازم والی بات ہوگئی۔کمال ہے تیمور بجائے اس کے آپ میرے ممنون ہوں کہ میں آپ کی بیٹی کا خیال رکھتی ہوں، آپ مجھے غصہ دکھارہے ہیں اور ناراض ہورہے ہیں۔''

وہ ان کی پھپی زاد تھی۔ بچپن میں ساتھ کھیلتے کودتے تھے بے تکلفی تھی گو وہ ان سے دو سال چھوٹی تھی لیکن بچپن سے ہی وہ انہیں نام لے کر بلاتی تھی۔

''تم اگر واقعی اس کا خیال رکھنے اور اسے خوش رکھنے کی کوشش کررہی ہوتیں تو میں ضرور تمہارا شکر گزار ہوتا لیکن تم اسے یہ احساس دلانا چاہتی ہو کہ اس کی ماں نہیں ہے۔ اس لیے دوسروں کو اس پر ترس کھانا چاہیے۔مہربانی کرکے آئندہ میری بیٹی پر ترس کھانے اور ہمدردی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور خبردار جو پھر کبھی اس کے لیے ''بیچاری'' کا لفظ استعمال کیا۔'' وہ تلخ ہوئے تھے۔

''بے شک آپ کرن کی ہر خواہش پوری کرسکتے ہیں لیکن ماں کی کمی پوری نہیں کرسکتے۔ بچوں کو ماں کی ضرورت ہوتی ہے تیمور......خاص طور پر بچیوں کو......آپ یقیناً بہترین باپ ہوسکتے ہیں لیکن ماں کے نہ ہونے سے جو تشنگی اس کی زندگی میں رہ جائے گی وہ کبھی ختم نہیں ہو گی۔'' سین نے ان کے لہجے کی تلخی کو نظر انداز کیا۔

''اور پھر ایک عمر ہوتی ہے جب بچیوں کو ماں کی راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''تو تب دیکھا جائے گا ضرورت ہوئی تو ماں بھی آجائے گی اس کی۔'' لہجے میں اب بھی تلخی تھی۔

''ابھی اس عمر میں اسے کسی بھی عورت کو ماں قبول کرنے میں آسانی ہوگی لیکن جب اس کی عمر زیادہ ہوجائے گی تو مطلب سمجھدار ہوجائے گی تو کسی دوسری عورت کو ماں کی حیثیت دینا اس کے لیے مشکل ہوگا۔''

''تمہارے مشورے کا بہت شکریہ......پھر بھی میں چاہوں گا کہ آئندہ تم کرن سے اس طرح کی باتیں نہیں کروگی نہ ہی خود سے زیادہ اٹیچڈ کرنے کی کوشش کروگی......'' اب کے انہوں نے لہجہ نرم رکھنے کی کوشش کی تھی۔

''تمھیں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن کرن کے لیے مشکل ہوگی۔ جب ہم واپس چلے جائیں گے تو وہ ڈسٹرب ہوگی بہت...اور میں نہیں چاہتا کہ وہ تم سے اتنی اٹیچڈ ہوجائے کہ تمہاری وجہ سے اداس اور دکھی ہو۔''

''کیا مطلب......کیا آپ واپس چلے جائیں گے؟''

سین کا خیال تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے پاکستان

آ گئے ہیں اور پھر وہاں اب ان کا تھا ہی کون...... یہاں تو عزیز رشتے دار تھے۔

''مجھے یہاں ہمیشہ نہیں رہنا سبین...... شاید بہت جلد واپس چلا جاؤں...... اس لیے میں نہیں چاہتا کہ کرن تم سے اتنی مانوس ہو جائے کہ اس کے لیے بچھڑنا مشکل ہو جائے۔'' انہوں نے صاف، صاف بات کرنے کا سوچا تھا کہ اگر سبین کے دل میں ایسا کوئی خیال ہے ان کے حوالے سے جیسا کہ دادا جان چاہتے تھے تو وہ نکل جائے۔

''لیکن وہ بچھڑے ہی کیوں مجھ سے...... ہم ہمیشہ بھی تو ساتھ رہ سکتے ہیں تیمور...... اسے ماں کی ضرورت ہے اور کیا میں اس کی ماں نہیں ہو سکتی......'' وہ کچھ منہ پھٹ اور بے باک تو بچپن سے ہی تھی جو بات دل میں ہوتی صاف منہ پر کہہ دیتی لیکن وہ اس طرح اتنی بے باکی سے بغیر جھجکے اپنی خواہش کا اظہار کر سکتی تھی، تیمور علی کے تصور میں بھی نہیں تھا۔ لمحہ بھر کے لیے وہ اس کی اس جرأت پر خاموش ہو گئے تو چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے پھر بات شروع کی۔

''آپ کو کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں تو شادی کرنی ہی ہے ناں...... اپنے لیے نہ سہی کرن کے لیے...... میں پھر کہوں گی کہ ابھی وہ چھوٹی ہے، آپ کی بیوی کو قبول کر لے گی۔ ہو سکتا ہے بعد میں نہ قبول کر سکے تو اس صورت میں وہ خوش رہ سکے گی نہ آپ...... بچے محبتوں کو پہچانتے ہیں تیمور...... میں اسے محبت دوں گی، ممتا دوں گی تو وہ مجھے ہی اپنی ماں سمجھنے لگے گی۔ اور مجھے تو وہ ہے ہی بہت پیاری، میری بہت پیاری، بہنوں جیسی کزن میری آمنہ آپی کی بیٹی ہے۔ مجھے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہوگی...... اب بھی ہے...... اور وہ بھی مجھ سے مل کر بہت خوش ہوتی ہے، پیار کرتی ہے مجھ سے...... خوش رہتی ہے میرے ساتھ......'' تیمور حیران سے اسے سن رہے تھے پھر غصہ ہولے، ہولے ان کے اندر بل کھانے لگا۔

''وقت اور عمر نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا سبین...... تم اب بھی ویسی ہی ہو بغیر سوچے سمجھے بولنے والی۔'' اس کے خاموش ہوتے ہی وہ بولے تھے۔

''بغیر سوچے سمجھے......'' اس کی آواز ذرا سا بلند ہوئی۔

''ہرگز نہیں...... میں نے بہت سوچ سمجھ کر سب کچھ کہا ہے۔ اب آپ کو سوچنا چاہیے تیمور جو کچھ میں نے کہا اس پر......''

''میں تمہیں کتنی بار کہہ چکا ہوں سبین کہ میں تم سے بڑا ہوں...... اور مہربانی کر کے میرے نام کے ساتھ بھائی لگایا کرو......'' انہیں کچھ سمجھ نہیں آئی کہ اس کی بات کا کیا جواب دیں تو بلاوجہ اعتراض کیا۔ حالانکہ جانتے تھے کہ بچپن میں پھپھو اسے کہہ، کہہ کر تھک گئی تھیں لیکن اس کا ایک ہی جواب ہوتا تھا۔'' یہ میرے بھائی نہیں ہیں تو پھر کیوں بھائی کہوں......'' یقیناً آج بھی اس کا وہی جواب ہوگا۔

''جب میں آپ کو بھائی نہیں سمجھتی تو بھائی کیوں کہوں......'' وہ ہولے سے ہنسی تو جھلا کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

جب پاکستان آنے کے فوراً بعد دادا جان نے ان سے سبین کی بات کی تھی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا کہ انہیں سبین سے شادی نہیں کرنی اگر انہوں نے بابا سے کوئی وعدہ نہ بھی کیا ہوتا اور کرن کا بھی کوئی مسئلہ نہ بھی ہوتا تو تب بھی انہیں سبین سے شادی نہیں کرنی تھی۔ اسفند کی شادی کے وقت بھی یہ ذکر چلا تھا کہ تیمور کی شادی سبین سے کر دی جائے اور تب بھی انہوں نے بابا جان کو منع کر دیا تھا۔ وہ بچپن سے ہی سبین کے مزاج کی وجہ سے اس سے چڑتے تھے۔ گھر والے جسے اس کی صاف گوئی کہتے تھے وہ انہیں بدتمیزی لگتی تھی۔ انہیں دھیمے مزاج والی لڑکیاں پسند تھیں۔ لیکن کرن اب اس سے نہ صرف بہت مانوس ہو گئی تھی بلکہ اسے پسند بھی کرنے لگی تھی۔ جب بھی اپنی نانو کے گھر سے ہو کر اور سبین سے مل کر آتی تو سبین کے متعلق ہی باتیں کرتی رہتی...... اور یہ اچھا نہیں تھا۔ بہتر یہ تھا کہ وہ آئندہ کرن کو نانو کے گھر رہنے کے لیے نہ جانے دیں...... خود ہی

ان سے ملانے کے لیے لے کر جائیں اور اپنے ساتھ ہی لے آئیں تا کہ بیبن کے ساتھ اسے زیادہ رہنے کا موقع نہ ملے...... دل ہی دل میں فیصلہ کرتے ہوئے وہ پورچ میں آئے۔ کریم پائپ لگائے گاڑی دھو رہا تھا۔ ڈرائیونگ کا تو اسے کم ہی موقع ملتا تھا کہ زیادہ تر وہ خود ہی ڈرائیو کرتے تھے۔ یہ خوامخواہ دادا جان کی ضد تھی کہ کریم وہاں ہی رہے ان کے پاس...... ''بھلے تم خود ڈرائیو کر لیتے ہو لیکن کبھی آدمی بیمار بھی ہو جاتا ہے سو مسئلے ہو سکتے ہیں۔'' یہ ان کا کہنا تھا۔

''کریم گاڑی دھو کر ٹینکی فل کروالاؤ......''

ان کا ارادہ اچانک ہی لاہور جانے کا بن گیا تھا۔

''آج چھٹی ہے تو بہتر ہے کہ آج ہی کرن کو زو دکھا لاؤں...... پھر اگلے سنڈے تک کافی دن ہو جائیں گے اور وہ سوچتی رہے گی کہ پتا نہیں میں اسے لے کر بھی جاؤں گا یا نہیں...... پھر لاہور جا کر ایک بار پھر انہیں تلاش کرنے کی مہم شروع کرتا ہوں اگر وقت مل گیا تو دو تین جگہ سے اُن کے متعلق پتا کروں گا نہیں تو پھر چند دن کی چھٹی لے کر چلا جاؤں گا۔ اور کرن کو گاؤں تنویر چاچو کے گھر چھوڑ جاؤں گا۔ چاچی کرن سے بہت پیار کرتی ہیں۔'' انہوں نے کریم کی طرف دیکھا جو چاروں طرف کھوجتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

کسی خیال کے تحت انہوں نے ڈاکٹر داؤد کا نمبر ملایا۔ اور کریم سے مخاطب ہوئے۔

''جلدی کام ختم کرو مجھے ابھی لاہور جانا ہے۔''

''جی......'' وہ جواب دے کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا تو بالکل غیر ارادی طور پر وہ انیکسی کی طرف چل پڑے۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی لیکن ڈاکٹر داؤد نے کال ریسیو نہیں کی تھی۔ وہ انیکسی سے کچھ فاصلے پر رک گئے تھے اور ایک دم ہی ان کی نظر انیکسی کی طرف اٹھی تھی۔ دروازہ کھلا تھا، وہ دروازے میں کھڑی باہر موجود مہراں سے کوئی بات کر رہی تھی۔ چند لمحوں کے لیے ہی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہری تھیں اور پھر فوراً ہی انہوں نے نظریں جھکا لی

تھیں۔ ڈاکٹر داؤد صحیح ہی تو کہتے تھے ایسا غارت گر حسن کسی کا بھی ایمان خراب کر سکتا ہے۔ آج دس دن ہو گئے تھے اسے ان کی انیکسی میں رہتے ہوئے لیکن ڈاکٹر داؤد تھے کہ مطمئن ہی نہیں ہو رہے تھے۔

''کیا کروں یار جس ادارے کا بھی پتا کرتا ہوں اسی کا کوئی نہ کوئی اسکینڈل نکل آتا ہے اور مسز انصاری ہیں کہ ابھی تک کراچی میں ہی ہیں۔''

''ایسا تو نہیں ہو سکتا داؤد کہ کوئی ایک ادارہ بھی ایسا نہ ہو جہاں لاوارث لڑکیاں محفوظ رہ سکیں۔'' انہیں حیرت ہوئی تھی۔

''ہوں گے ضرور ہوں گے لیکن میں نے اب تک جن کے متعلق پتا کیا ہے وہ بہر حال قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ ویسے تمہیں کیا کہہ رہی ہے یہ، خاموشی سے انیکسی میں رہ رہی ہے۔ کم از کم یہ اطمینان تو ہے مجھے کہ یہاں محفوظ ہے۔''

''وہ تو محفوظ ہے لیکن میں بالکل بھی محفوظ نہیں ہوں......'' بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا تھا۔

''وہ کیسے......؟'' ڈاکٹر داؤد نے قہقہہ لگایا تھا۔ ''تمہیں کیا خطرہ ہے اس بیچاری، بے ضرر لڑکی سے...... یقین مانو...... ہم نے اس سے جو دو تین ملاقاتیں کی ہیں اس کے بعد تمہیں اتنا یقین دلا سکتے ہیں کہ وہ نہ تو دہشت گرد ہے نہ چور ڈاکو جو کسی روز تمہارا گھر لوٹ کر چلی جائے گی۔''

اتنا تو وہ بھی سمجھتے تھے کہ وہ کوئی چور ڈاکو نہیں ہے۔ مصیبت کی ماری ہے جو اپنی زندگی ختم کرنے چلی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ اس کی طرف سے مطمئن نہیں تھے کہ اس نے سب سچ نہیں بتایا تھا اس نے ڈاکٹر داؤد کو حادثے کی جو تاریخ بتائی تھی اس تاریخ کو وہاں سیالکوٹ کے گردونواح بلکہ گوجرانوالہ تک کوئی حادثہ نہیں ہوا تھا۔ ڈاکٹر داؤد نے اس مقصد سے تاریخ پوچھی تھی کہ اپنے طور پر پتا کروائیں گے کہ اس روز ہونے والے حادثے کے زخمیوں کو کس، کس اسپتال میں رکھا گیا تھا۔ کیا خبر اس لڑکی کی والدہ زندہ ہو اور بتانے

والے نے اسے غلط بتایا ہو...... چونکہ حادثے کو زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے آسانی سے معلومات حاصل ہوسکتی تھیں۔ لیکن اس تاریخ کو اور آس پاس کی تاریخوں میں بھی اس طرح کا کوئی حادثہ نہیں ہوا تھا۔ البتہ تقریباً ایک ماہ پہلے ایک حادثہ اس روڈ پر ضرور ہوا تھا۔ لیکن وہ تو ابھی کی بات کررہی تھی۔ اگر وہ جھوٹ بول رہی تھی تو کیوں..کیا مقصد تھا۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتے تھے لیکن ڈاکٹر داؤد نے منع کردیا تھا۔

''رہنے دو یار جس مقصد سے بھی اس نے غلط بیانی کی ہے ہمیں اس سے کیا...... اللہ نے اسے ہم تک پہنچایا ہے اور ہمارا فرض ہے کہ اسے ہم کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچادیں۔''

''اور یہ محفوظ ٹھکانا جانے کب تک ڈھونڈ پائیں گے آپ......؟'' دراصل انہیں ڈر تھا کہ اگر دادا جان کو خبر ہوگئی کہ یہاں ان کے گھر کی انیکسی میں ایک لڑکی رہ رہی ہے تو پھر خیر نہیں اور پھر پھپھو وغیرہ نے کہانیاں گھڑنے میں دیر نہیں لگانی تھی اور یہ کریم اس پر تو انہیں ذرا بھی اعتبار نہیں تھا۔ انہیں لگتا تھا جیسے دادا جان نے اسے یہاں ان کی جاسوسی کے لیے بھیج رکھا ہو۔ ورنہ یہاں اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ بوقتِ ضرورت رفیق بھی ڈرائیور کرسکتا تھا۔

''یار پڑھی لکھی ہے، سمیرا نے بتایا تھا کہ ماسٹر کر رکھا ہے اس نے۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ اسے ملازم رکھ لو...... رضوانہ کے چلے جانے سے تم بتا رہے تھے کہ کرن اداس اور پریشان ہے یہ کرن کو پڑھا بھی دے گی اور اس کا خیال بھی رکھ لے گی۔ تم مناسب سی تنخواہ دے دینا۔ اسے بھی ٹھکانا مل جائے گا، تمہیں بھی کرن کی طرف سے پریشانی نہیں رہے گی۔'' ڈاکٹر داؤد نے مشورہ دیا تو انہوں نے ناراضی سے انہیں دیکھا تھا۔

''میں نے جو سمیرا بھابی سے ٹیوٹر کے لیے کہا ہے تو اس لیے کہ وہ کرن کو ہوم ورک وغیرہ کروادیا کرے...... اور وہ صرف گھنٹا بھر کے لیے آتی اور کرن کو پڑھا کر اور ہوم ورک کروا کر چلی جاتی اور جہاں تک خیال رکھنے کی بات ہے، رضوانہ کے آنے سے پہلے بھی مہراں اس کا خیال رکھتی تھی اب بھی وہ ہی رکھ رہی ہے۔''

''ہاں لیکن تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ مہراں کی کمپنی انجوائے نہیں کرتی...... جس طرح رضوانہ کے ساتھ خوش رہتی تھی اس طرح اس کے ساتھ بھی خوش رہے گی۔''

ڈاکٹر داؤد کے پاس ہر سوال کا جواب موجود تھا۔

''سوری...... داؤد بھائی میں اسے گھر پر رکھنا افورڈ نہیں کرسکتا جتنی جلدی ممکن ہوسکے اس کا کوئی بندوبست کردیں۔ پلیز......'' اسفند علی کے دوست ہونے کی وجہ سے وہ کبھی انہیں داؤد بھائی کہہ کر بلاتے اور کبھی ڈاکٹر داؤد کہہ کر...... حالانکہ جب وہ پاکستان آئے تھے تو ڈاکٹر داؤد نے کہا تھا کہ وہ انہیں اسفند کی جگہ ہی سمجھیں...... بھائی دوست......

''بیچاری کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے یار...... کوئی عزیز رشتے دار نہیں ہے یہاں سے نکل کر کہاں جائے گی۔ اکیلی، جوان لڑکی کو تو یہ انسان نما درندے چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے...... تھوڑا سا صبر کرلو یار سمیرا کی مسز انصاری سے تفصیل سے بات ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ بہو اور بیٹے کے امریکا جانے کے بعد وہ یوں بھی اکیلی ہیں تو اسے اپنے پاس رکھ لیں گی۔ مسز انصاری کے علاوہ کسی اور پر ٹرسٹ نہیں کرسکتا......''

اور وہ خاموش ہوگئے تھے کہ اتنے بھی سنگ دل نہیں تھے کہ اسے گھر سے نکال دیتے۔

''اب نہ جانے کب تک یہ گلے پڑا ڈھول بجانا پڑے گا۔'' سوچتے ہوئے انہوں نے ایک بار پھر ڈاکٹر داؤد کا نمبر ملایا۔ اس بار انہوں نے فوراً ہی اٹینڈ کرلیا۔

''داؤد بھائی میں کچھ دیر تک کرن کے ساتھ لاہور کے لیے نکل رہا ہوں۔ شام تک ان شاء اللہ واپس آجاؤں گا......''

''خیریت......! یہ اچانک لاہور جانے کا پروگرام کیوں بنالیا۔'' انہوں نے پوچھا۔

''سوچا ایک تو کرن کی آؤٹنگ ہوجائے گی۔ گھر

میں چھٹی والے دن اکیلی بور ہوتی رہتی ہے۔ دوسرے کچھ اُن لوگوں کے متعلق بھی پتا کرنے کی کوشش کروں گا...... آپ سے یہ پوچھنا تھا کہ ایک بار آپ نے بتایا تھا کہ آپ اسفند بھائی کے ساتھ شاہ میر تایا کو دیکھنے گئے تھے۔ وہ کون سا اسپتال تھا جہاں وہ ایڈمٹ تھے۔ اسفند بھائی نے بتایا تھا کہ وہاں اسپتال میں ہی اُن کی ڈیتھ ہوئی تھی۔ شاید وہاں ان کی کوئی فائل موجود ہو۔ ریکارڈ سے ایڈریس کا پتا چل سکے۔ بابا نے جو ایڈریس دیا تھا۔ اس پر تو وہ نہیں ملے تھے۔ کیا خبر وہاں کوئی اور ایڈریس لکھا ہو...... گھر تبدیل کرلیا ہو اور بابا کے پاس پرانا پتا ہو......''

''کوشش کر کے دیکھ لو وہاں میرے ایک دوست ڈاکٹر ہیں...... ڈاکٹر حبیب، کسی مدد کی ضرورت ہوئی تو ان سے مل لینا۔''

''شکریہ داؤد بھائی لیکن ہوسکتا ہے میں لیٹ ہو جاؤں...... تو سمیرا بھابی سے کہیے گا کہ ایک چکر لگا لیں اس کے پاس۔ مہراں کچھ بے پروا ہے۔ اور یہ کریم جو ہے اس پر مجھے ذرا بھی اعتبار نہیں...... میں نہیں چاہتا کہ میرے گھر کے اندر اس لڑکی کو کوئی نقصان پہنچے۔ وہ جب تک میرے گھر میں ہے میری ذمے داری ہے۔ اگر ممکن ہو سکے تو سمیرا بھابی اسے ایک دن کے لیے اپنے ساتھ ہی لے جائیں گھر......'' وہ کہتے، کہتے جھجکے تھے انہیں کریم بخش کی آنکھوں سے عیاری اور مکاری جھلکتی نظر آتی تھی۔ اور وہ اجنبی لڑکی ان کی پناہ میں تھی۔ مجبوراً ہی سہی وہ جب تک ان کے گھر میں تھی اس کی حفاظت ان کی ہی ذمے داری تھی۔

''دراصل سمیرا آج اپنی بہن کے گھر گجرات گئی ہوئی ہے۔ کل واپس آئے گی ورنہ میں سمیرا کو کہتا اسے ایک دن کے لیے گھر لے آئے۔ اور تم بھی بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو۔ گھر میں مہراں ہے۔ اسے کہنا انیکسی میں ہی سو جائے...... باہر چوکیدار ہے۔ انیکسی میں کون رہ رہا ہے۔ تمہارے ملازموں کو علم نہیں سوائے رفیق اور مہراں کے اور رفیق بقول تمہارے قابلِ اعتبار ہے۔ یوں بھی رات کو وہ گھر چلا جاتا ہے۔ چوکیدار اپنے کمرے (کیبن) میں ہوتا ہے تو باقی رہ گیا کریم...... تو یار اسے ساتھ ہی لے جاؤ...... ڈرائیور ہے تو کس مقصد کے لیے ہے۔ وہ ڈرائیو کرے۔''

ڈاکٹر داؤد کے پاس ہر مسئلے کا فوری حل موجود ہوتا تھا۔

''یوں بھی دادا جان نے خود تمہیں کہا ہے کہ انہیں تلاش کرلو ان چھ ماہ میں تو اگر وہ بقول تمہارے دادا جان کا جاسوس ہے تو بتادے انہیں کہ تم کسی کو تلاش کرنے لاہور گئے تھے۔ اب تو دادا جان سے چھپانے کی ضرورت نہیں ہے ناں......''

''جی بہتر......!''

انہیں ڈاکٹر داؤد کی بات پسند آئی تھی کہ کریم کو ساتھ لے کر جائیں۔ فون آف کر کے ان کی نظریں پھر انیکسی کی طرف اٹھی تھیں۔ اب دروازہ بند تھا لیکن مہراں ابھی تک وہاں ہی کھڑی شاید ان ہی کا انتظار کر رہی تھی جیسے ہی انہوں نے فون آف کیا وہ ان کی طرف بڑھی۔

''صاحب جی وہ......''

''میں نے تمہیں کتنا سمجھایا تھا مہراں کہ جب تک وہ لڑکی یہاں ہے احتیاط کرنی ہے کہ کسی کی نظر نہ پڑے اور یہاں یہ احتیاط کی جا رہی ہے کہ دروازے پر کھڑے ہو کر گپیں لگائی جا رہی ہیں۔''

اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی انہیں خیال آیا تھا کہ ابھی چند لمحے پہلے وہ کس بے احتیاطی سے دروازہ کھولے کھڑی تھی۔ کریم اور چوکیدار وغیرہ کو اس طرف آنے کی اجازت نہیں تھی پھر بھی احتیاط لازم تھی۔ کریم کا کوارٹر گھر کی پچھلی طرف موجود چھوٹے سے احاطے میں تھا۔ یہاں دو سرونٹ کوارٹر تھے جب سب لوگ یہاں رہتے تھے تو ملازم بھی زیادہ تھے لیکن اب دوسرا کوارٹر خالی تھا کبھی کبھار رفیق کو دیر ہو جاتی مہمانوں کی وجہ سے تو اِدھر ہی رہ جاتا تھا۔

''نہیں پہلے تو کبھی اس طرح بے احتیاطی نہیں کی صاحب بس وہ آج ہی بی بی مجھے کہنے آئی تھیں کہ انہیں

آپ سے بات کرنی ہے۔ دراصل میں آرہی تھی تو انہوں نے مجھے کمرے سے آواز دی تھی لیکن میں نے سنا نہیں تو وہ دروازے تک چلی آئیں۔ آئندہ خیال رکھوں گی اور بی بی کو بھی سمجھا دوں گی......'' مہراں سر جھکائے کھڑی تھی۔

''ٹھیک ہے جا کر کرن کو تیار کرو، ہمیں لاہور جانا ہے۔ ایک بیگ میں کرن کی ضروری چیزیں اور ایک جوڑا کپڑوں کا بھی رکھ دینا...... کچھ کھانے پینے کا سامان سینڈوچ وغیرہ بھی......''

''جی صاحب...... آپ فکر نہ کریں۔ میں کر لیتی ہوں سب......'' مہراں کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی احتیاطاً انہوں نے کہہ دیا تھا۔

''اور ہاں رات کو واپس آجائیں گے لیکن ہوسکتا ہے کچھ دیر ہوجائے تو رفیق بھائی کو بھیج دیجیے گا اور دروازہ لاک کر کے انیکسی میں ہی سوجائیے گا...... میرے پاس چابیاں ہیں۔''

انہیں خیال آیا تھا کہ کیا خبر اکیلے میں اسے خوف آتا ہو...... جب سے یہ لڑکی آئی تھی مہراں انیکسی میں ہی سورہی تھی لیکن رضوانہ کے جانے کے بعد وہ گھر کے اندر ہی سورہی تھی کہ جب تک کرن سو نہیں جاتی وہ اس کے پاس ہی رہتی۔ پھر دل چاہتا تھا تو باہر لاؤنج میں بستر بچھا لیتی یا کرن کے کمرے میں ہی۔

''جی اچھا......'' مہراں چلی گئی تو انہوں نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے اس کی آواز آئی۔

''آجائیں سر......''

شاید وہ ان کی ہی منتظر تھی کیونکہ وہ انہیں دیکھ چکی تھی جب مہراں سے بات کر رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ چھوٹا سا صحن عبور کر کے کمرے میں داخل ہوئے وہ سامنے ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ دوپٹا اچھی طرح اپنے گرد لپیٹے نگاہیں جھکائے۔

''مہراں کہہ رہی تھی کہ آپ کو مجھ سے کچھ بات کرنا تھی۔'' وہ دروازے کے قریب ہی کھڑے تھے۔

''جی آپ سے ایک ریکوئسٹ کرنی تھی کہ مجھے اگر آپ کہیں جاب دلوا دیں کسی اسکول یا کالج میں ہوتو بہتر ہے۔ اس طرح اسکول یا کالج کے ہاسٹل میں رہائش کا مسئلہ بھی حل ہوجائے گا۔ سمیرا بھابی نے بتایا تھا کہ ابھی تک رہائش کا بندوبست نہیں ہوسکا تو...... لیکن ایک پرابلم یہ ہے کہ میرے تمام کاغذات جس بیگ میں تھے وہ گاڑی کے حادثے کے وقت کھو گیا تھا۔ تو کیا مجھے میری ڈگری کی نقل وغیرہ مل سکتی ہے۔ میں نے قائداعظم یونیورسٹی سے ماسٹر کیا ہے۔''

اس نے ذرا کی ذرا کی نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا تو وہ جو بہت دھیان سے اس کی طرف ہی دیکھتے ہوئے اس کی بات سن رہے تھے چونکے لمحہ بھر کے لیے نظریں اس کی نظروں سے ملی تھیں۔ بے پناہ خوب صورت آنکھیں تھیں۔ دونوں نے فوراً ہی نظریں جھکالی تھیں۔

''جہاں تک رہائش کی بات ہے تو اس کا بندوبست تو سمیرا بھابی نے کردیا ہے لیکن فی الحال مسز انصاری کراچی اپنی بیٹی کے پاس گئی ہوئی ہیں۔ چند دنوں تک آجائیں گی۔ بہت اچھی اور شفیق خاتون ہیں ان کے ہاں آپ کو کسی طرح کا خوف یا ڈر نہیں ہوگا۔'' غیر ارادی طور پر وہ اسے تسلی دینے لگے تھے۔

''اور آپ کے کاغذات کی نقل ملے گی یا نہیں مجھے اس کے متعلق علم نہیں ہے، یہ تو پتا کروانا پڑے گا۔ ڈاکٹر داؤد سے بات کروں گا کیا خبر ان کا کوئی جاننے والا اسلام آباد میں ہو......'' وہ جو اس کے متعلق کچھ مشکوک سے تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ غلط بیانی کر رہی ہے اور ڈاکٹر داؤد سے اس کے متعلق انہوں نے کافی بحث بھی کی تھی کہ اگر اس تاریخ میں کوئی حادثہ نہیں ہوا تھا تو ساری کہانی من گھڑت ہے اس وقت بنا کوئی بحث کیے جیسے اس کی بات پر یقین کر رہے تھے کہ واقعی اس کے تعلیمی کاغذات حادثے میں کھو گئے ہیں جس پر انہیں خود بھی حیرت ہوئی تھی...... حالانکہ اس وقت وہ کہہ سکتے تھے کہ جب کوئی حادثہ ہوا ہی نہیں تو کاغذات کیسے گم ہوگئے۔ لیکن پتا نہیں کیوں نہیں کہہ سکے تھے۔ کیا ان کے دل میں اس کے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا

ہو گیا تھا اور کیا...... وہ فوراً ہی وہ مڑے تھے۔
''اور ہاں......'' جاتے، جاتے وہ رکے تھے۔
''آپ آج دروازے پر کھڑی تھیں۔ آپ کے لیے بہتر ہے کہ آپ گھر کے اندر ہی رہا کریں...... اور میرے لیے بھی، میں یہاں اکیلا رہتا ہوں...... میری چھوٹی سی بیٹی ہے۔ اور مہراں کے علاوہ کوئی عورت نہیں ہے یہاں۔ میں نہیں چاہتا کہ ملازم یا کوئی اور آنے والا آپ کے اور میرے حوالے سے کوئی غلط بات کرے...... مجھے آپ کی اور اپنی عزت کا خیال ہے۔''
''جی......'' اس نے نظریں اٹھائیں...... ڈبڈبائی نظریں۔ اچانک ہی اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ انہوں نے اس کی طرف دیکھا اور کتنے ہی لمحے نظریں نہ ہٹا سکے۔ سیاہ پانیوں میں جیسے دو جھلملاتے دیے روشن تھے۔
''آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں؟'' گلاب کی پنکھڑیوں جیسے لب تھرتھرائے اور پلکیں بھیگتی چلی گئیں۔
''اس کی ضرورت نہیں۔'' انہوں نے بمشکل نظریں ہٹائیں اور تیزی سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

بیگ میں سامان رکھتے ہوئے نتاشہ کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔
''نہ جاؤ نا شو۔'' رابعہ کی پلکیں بھی بھیگی ہوئی تھیں۔
''آخر تمہیں یہاں کیا تکلیف ہے؟''
''بتایا تو تھا تمہیں کہ کوئی تکلیف نہیں ہے لیکن ساری زندگی میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ زندگی رک جانے کا یا ٹھہر جانے کا نام نہیں ہے۔ مجھے رکنا نہیں ہے، آگے بڑھنا ہے، کچھ کرنا ہے۔'' وہ بولی۔
''میرے کچھ خواب ہیں جنہیں میں نے پورا کرنا ہے۔ تمہاری محبت اور خلوص، تمہارے اماں، ابا کی شفقت پاؤں میں زنجیریں ڈالتے ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ ہمیشہ ان محبتوں کے حصار میں زندگی گزار دوں لیکن رابو زندگی یوں تو جامد ہو جائے گی اور یاد ہے ناں سر مجیب کیا کہتے تھے کہ جمود موت ہے تو مائی ڈیئر میں ابھی جینا چاہتی ہوں......'' اس نے بیگ کی زپ بند کی۔
''ہزاروں برس جیو میری پیاری......'' رابعہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرائی۔
''یار ہزاروں سال نہیں جینا چاہتی......''
وہ بے اختیار ہنسی تو رابعہ کی مسکراہٹ بھی گہری ہوئی۔ وہ نتاشہ کی بات سمجھ سکتی تھی۔ جانتی تھی کہ وہ صحیح کہہ رہی ہے۔ وہ ساری زندگی یہاں اس کے گھر رہ کر اپنی زندگی ضائع نہیں کر سکتی تھی پھر دوسروں کے گھر رہنا آسان نہیں ہوتا...... دل نہ جانے کن، کن احساسات میں گھرا رہتا ہے لیکن پتا نہیں کیوں دل ایک دم اداس سا ہو گیا تھا۔ عجیب سی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ نتاشہ کو روک لے۔ حالانکہ نتاشہ کو ان کے گھر رہتے عرصہ ہی کتنا ہوا تھا۔
''چھٹیوں میں اِدھر ہی آنا کہیں اپنے ماموں کی طرف نہ چلی جانا......'' اس نے تاکید کی۔
''اور کہاں جانا ہے...... ماموں کے پاس جانا ہوتا تو وہاں سے آتے ہی کیوں...... تمہارے گھر کے علاوہ اور کوئی ٹھکانا کہاں ہے اب ہمارا......'' وہ اداسی سے مسکرائی اور اماں کی طرف دیکھا جو بیڈ پر سر جھکائے نہ جانے کس خیال میں گم تھیں۔
''اماں آپ نے آنٹی کے پاس زیور وغیرہ رکھوا دیا۔''
''ہاں......'' انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو نتاشہ نے دیکھا کہ اُن کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ کیا اماں روئی تھیں۔ اس نے سوچا...... اس نے ہمیشہ اماں کو بہت صابر اور شاکر پایا تھا۔
سوائے ابا کی ڈیتھ کے اس نے انہیں کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ امن کا ذکر کرتے اور اسے یاد کرتے ہوئے بھی آخر میں ہمیشہ یہی کہتی تھیں۔ ''میرے اللہ کی مرضی...... اس کی رضا پر راضی ہیں ہم......''
''کیا ہوا ہے اماں...... طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی......'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اُن کے پاس آ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔
''کچھ نہیں...... ٹھیک ہے طبیعت، بس یوں ہی دل گھبرا رہا ہے، شاید نئی جگہ پر جانے کے خیال سے۔'' ایک گہری سانس لے کر وہ خاموش ہو گئیں۔

''میں بھی جب کہیں سے جاؤں...... یا میرے گھر سے کوئی مہمان جائے تو میرا دل بہت گھبراتا ہے۔ میں بہت اداس ہو جاتی ہوں رونے کو جی چاہتا ہے۔'' رابعہ کی آواز بھرّا سی گئی۔

''بچھڑنا اور ملنا تو زندگی کا حصہ ہے۔ پہلی بار ہم یونیورسٹی میں ملے تھے۔ اس سے پہلے ہم ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں تھے۔ پھر دو سال کے ساتھ نے ہمارے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا۔ گہرا تعلق بن گیا۔ یاد ہے ناں فاطمہ اور فارحہ کتنا رو رہی تھیں۔ سب ایک دوسرے سے رابطہ رکھنے اور ملتے رہنے کا وعدہ کر رہے تھے۔ ایک دوسرے کی شادی میں شامل ہونے کا لیکن میں نے کسی سے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا کہ مجھے اندر سے پتا تھا کہ شاید میں کبھی کسی یونیورسٹی فیلو سے دوبارہ نہ مل سکوں...... میرا ابا نہیں تھا، بھائی نہیں تھا، میں تو دوسروں کی محتاج تھی۔ احسانوں کے بوجھ سے دبی' میں کیسے کسی سے کہتی کہ مجھے میری دوستوں سے ملنے جانا ہے۔ پتا ہے رابو، میرے تو تصور میں بھی نہیں تھا کہ ہم کبھی دوبارہ ملیں گے لیکن دیکھو تقدیر مجھے تمہارے در پر لے آئی۔ اور اب یہ ہی تقدیر مجھے کہاں لے کر جا رہی ہے۔'' اداس سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔ تب ہی دروازے سے رابعہ کی اماں نے جھانکا۔

''ڈرائیور آ گیا ہے رابی، تمہارے ابا کہہ رہے ہیں آ جاؤ......'' جیسا رابعہ نے کہا تھا کہ اس کے ابا انہیں سیالکوٹ تک چھوڑ آئیں گے تو وہ اب انہیں چھوڑنے جا رہے تھے۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور چادر اچھی طرح اوڑھ کر رابعہ اور اس کی اماں سے مل کر بیگ اٹھایا۔ اماں اب رابعہ اور اس کی اماں سے مل رہی تھیں۔ وہ بیگ اٹھائے باہر نکلی تو برآمدے میں رابعہ کے ابا ان کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے اس کے ہاتھ سے بیگ لے لیا...... رابعہ نے اماں کا چھوٹا بیگ اٹھا رکھا تھا، وہ بھی انہوں نے اس سے لیا تو اسے بابا یاد آ گئے۔ بابا بھی ایسے ہی تھے وہ ساتھ ہوتے تو کبھی انہیں سامان نہیں اٹھانے دیتے تھے۔ وہ اماں کا ہاتھ پکڑے باہر گاڑی تک آئی تھی۔ رابعہ دروازے میں کھڑی اس وقت تک ہاتھ ہلاتی رہی تھی جب تک گاڑی آگے نہ بڑھ گئی۔ اس نے ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ شیشہ بند کیا اور ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں پونچھیں۔

رات انہیں سیالکوٹ میں ہی رابعہ کی پھپھو کے گھر رہنا تھا۔ صبح رابعہ کے ابا انہیں گوجرانوالہ کی کوچ میں بٹھا دیتے اور وہاں بسوں کے اڈے پر گاؤں سے کوئی نہ کوئی انہیں لینے آیا ہوا ہوتا...... رابعہ نے کوثر سے رات کو فون پر کہہ دیا تھا کہ یا تو وہ خود آئے بسوں کے اڈے پر یا کسی کو بھیج دے کہ نتاشہ اور اس کی اماں پہلی بار تمہارے گاؤں آ رہی ہیں تو کہاں سے سوزوکیاں ڈھونڈتی رہیں گی۔ اور اس نے وعدہ کر لیا تھا کہ سیالکوٹ سے روانہ ہونے سے پہلے اسے فون کر دیں تو وہ اول تو خود ہی کسی کے ساتھ آئے گی اگر کسی وجہ سے نہ آ سکی تو بھائی کو بھیج دے گی۔ اس کا یہ چھوٹا بھائی ہی ہمیشہ اسے یونیورسٹی سے لینے آتا تھا تو اس کی فرینڈز اسے پہچانتی تھیں۔ یوں وہ اس طرف سے مطمئن تھی۔ لیکن اماں پتا نہیں کیوں اسے گم صم اور پریشان سی لگ رہی تھیں۔

رابعہ کی پھپھو بالکل ویسی ہی تھیں جیسے رابعہ نے بتایا۔ مہربان اور شفیق سی۔ بہت محبت اور خوش دلی سے ملیں۔ ان کے انداز میں اتنی اپنائیت تھی کہ انہیں وہ ذرا بھی اجنبی نہ لگیں۔ ان کے بڑے تینوں بیٹے لاہور میں پڑھتے تھے جبکہ بیٹی جو بھائیوں سے چھوٹی تھی ابھی فرسٹ ائیر میں تھی۔ وہ بھی بہت ملنسار اور خوش اخلاق سی تھی۔ اماں بھی اسے کچھ سکون میں لگیں۔ کھانے پر انہوں نے کافی اہتمام کر رکھا تھا یقیناً رابعہ نے انہیں فون کر دیا ہوگا کہ وہ لوگ آ رہے ہیں۔ بہت خوب صورت گھر تھا ان کا...... رات کو کھانے کے بعد وہ گیسٹ روم میں آ گئیں جہاں ان کے سونے کا انتظام تھا۔ اماں نماز سے فارغ ہو کر سونے کے لیے لیٹیں تو وہ اٹھ کر ان کے بیڈ پر ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اور ان

ماہر تعلیم، معروف ادیبہ، شاعرہ اور میاں چنوں، ساہیوال کی معروف شخصیت افتخار شوق صاحبہ کے نوعمر بھانجے محمد یاسر مقبول اور محمد سالار مقبول مدرسہ دارالتقویٰ گلشن مہر علی، عبدالحکیم سے حفاظ کرام کے عظیم منصب پر فائز ہوئے ہیں۔ الحمدللہ۔ اللہ پاک بچوں کو نیک و صالح بنائے اور والدین کے لیے بخشش کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''اماں آپ اتنی پریشان اور چپ، چپ سی کیوں ہیں مجھے بتایئے...... کیا چیز آپ کو پریشان کر رہی ہے۔ کیا ہمارا یہاں آنا اور میرا ایک چھوٹے سے گاؤں میں جاب کرنا......؟''

''نہیں......'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

''پتا نہیں کیوں دل کچھ پریشان سا ہے خود مجھے سمجھ نہیں آرہی......'' انہوں نے جیسے بے بسی سے اسے دیکھا۔

''میں آپ کی کیفیت سمجھ رہی ہوں اماں...... آپ کا یوں ماموں کے گھر سے چلے آنا پہلے رابعہ کی طرف اور اب ادھر...... آپ کو اندر سے یہ چیز پریشان کر رہی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اور کوئی حل بھی نہیں تھا ہمارے پاس...... کہیں نہ کہیں سے تو ہمیں ابتدا کرنی ہی تھی تو یہاں سے ہی سہی۔'' اس نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دبایا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں سوچ رہی ہوں اماں کسی سنڈے کو ہم لاہور بابا کی قبر پر جائیں...... بہت جی چاہ رہا ہے کہ وہاں بابا کی قبر کے پاس بیٹھ کر اُن سے ڈھیر ساری باتیں کروں...... کیا پتا وہ ہمارا انتظار کرتے ہوں...... کوئی بھی تو ان کی قبر پر فاتحہ پڑھنے نہیں جاتا ہوگا......'' خوب صورت سیاہ آنکھوں میں جیسے اچانک نمی پھیل گئی تھی۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔

''تمہارے چچا جان اور ان کے بیٹے اگر پاکستان میں ہوئے تو ضرور جاتے ہوں گے۔ دونوں بھائیوں میں بہت محبت تھی تاشی...... یک جان دو قالب تھے۔ پھر جدائیاں پڑ گئیں۔ لیکن تمہارے بابا جس طرح بھائی کے لیے تڑپتے تھے۔ ویسے ہی وہ بھی تڑپتے ہوں گے۔ لیکن زندگی میں بچھڑنے کے بعد پھر ملاقات نصیب میں نہیں تھی۔ آئے تو ہوں گے...... آنا تھا انہیں اور پھر بیٹے نے بتایا ہوگا کہ کیسے آخری لمحوں تک انہوں نے اپنے بھائی کا انتظار کیا...... تو جب، جب پاکستان آتے ہوں گے تمہارے بابا کی قبر پر ضرور جاتے ہوں گے۔''

انہیں جیسے یقین تھا کہ ایسا ہی ہوتا ہوگا۔

"بابا تو زندہ نہیں رہے تھے لیکن ہم تو تھے ناں اماں...... کیا انہیں صرف بابا سے پیار تھا، بابا کے رشتوں سے نہیں...... انہوں نے ہمیں کیوں نہیں ڈھونڈا...... کیوں نہیں ملنے آئے ہم سے......؟" نتاشہ نے پہلی بار شکوہ کیا۔

"ڈھونڈا تو ہوگا تاشی...... لیکن شاید ہم ہی کھو گئے تھے۔" وہ جیسے سامنے خلا میں دیکھ رہی تھیں۔

"سنو تاشی......" انہیں یک دم خیال آیا تھا کہ انہیں نتاشہ کو کچھ بتانا تھا کچھ ضروری وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"تمہارے بابا نے کچھ کاغذات دیے تھے مجھے کہ اگر مان واپس آجائے۔ کبھی مل جائے تو یہ کاغذات اس کی امانت ہیں۔ شاید زمین وغیرہ کے ہیں۔ وہ میں نے زیورات کے ساتھ ہی رابعہ کی امی کے پاس رکھوائے ہیں اگر کبھی زندگی میں وہ تمہیں ملے تو وہ اس کے حوالے کردینا۔" انہوں نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"لیکن میں بھلا مانی کو کیسے پہچانوں گی اماں......" وہ حیران ہوئی تھی۔

"آپ نے مجھے بتایا تھا کہ میں تین ماہ کی تھی جب مان گم ہوا تھا۔"

"ہاں......" ان کی آنکھوں میں ملال کے رنگ گہرے ہوگئے تھے۔

"تم تین ماہ کی تھیں اور مانی تقریباً تین سال کا تھا جب ہم گاؤں گئے تھے اور وہ گم ہوگیا۔"

"کیسے گم ہوا تھا اماں......؟" اس نے پوچھا۔

"پتا نہیں تاشو، مجھے تو خود آج تک سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیسے کھو گیا۔ میں اسے صحن میں کھیلتا چھوڑ کر کچن میں تمہارے لیے دودھ بنانے گئی تھی۔ تمہارا فیڈر بھی دھونا تھا۔ وہاں ملازم تھے لیکن تمہارے بابا کہتے تھے اپنے بچوں کے کام خود کیا کرو اور خود میری بھی عادت تھی کہ فیڈر دھونا، پانی ابال کر رکھنا خود ہی کرتی تھی۔ وہ تمہارے دادا جان کے ساتھ باتیں کررہا تھا۔ وہ بہت پیاری باتیں کرتا تھا۔ معصوم سے سوال، دونوں ہاتھ ہلا، ہلا کر...... اور تمہارے دادا جان بہت محظوظ ہورہے تھے۔ جب میں فارغ ہوکر باہر آئی تھی تو صحن خالی تھا۔ اس کی فیورٹ گاڑی جسے وہ چلا رہا تھا صحن میں پڑی تھی۔ "لگتا ہے دادا سے بہت دوستی ہوگئی ہے۔ شاید ان کے ساتھ سونے چلا گیا ہو۔" میں نے سوچا ورنہ تو سوتے میں بھی اس سیل سے چلنے والی کھلونا گاڑی کو اپنے پاس رکھ کر سوتا تھا۔ میں نے گاڑی اٹھالی اور تمہیں دودھ پلا کر سلا کر جب کمرے سے باہر نکلی تو تمہارے دادا جان اپنے کمرے سے باہر نکل کر شاید کہیں جارہے تھے۔

"مانی کہاں ہے؟" میں نے ان کے پیچھے دیکھا...... وہ ان کے ساتھ نہیں تھا تو پھر کہاں تھا۔

"مجھے کیا پتا کہاں ہے...... میں اسے یہاں ہی کھیلتا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔" میں گھبرا گئی تھی۔ "اِدھر اُدھر دیکھ یہاں ہی ہوگا...... کہاں جانا ہے اس نے۔" تمہارے دادا جان سے بات کرتے ہوئے میں گھبرا جاتی تھی۔ بہت خوف آتا تھا مجھے ان سے...... ان کے چہرے کی کرختگی، لہجے کی تختی...... آنکھوں کی تپش یا نفرت کہہ لو مجھے سہا دیتی تھی۔ میں ان کی پسندیدہ بہو جو نہیں تھی، تمہارے بابا نے مجھ سے اپنی پسند سے شادی کی تھی۔"

آج پہلی بار وہ اسے بتا رہی تھیں کہ بابا کی اور ان کی شادی پسند کی تھی۔ بابا نے یا انہوں نے کبھی اپنے ماضی کے حوالے سے بات نہیں کی تھی۔ ہاں اپنے آخری دنوں میں بابا نے کچھ رشتوں کے حوالے سے بات کی تھی اس سے...... سو اسے تجسس ہوا اور وہ کچھ پوچھنا چاہتی تھی کہ اماں نے انگلی کی پور سے آنکھوں کی کور پر اٹکا آنسو پونچھا اور ہولے، ہولے بتانے لگیں۔

"میں ان سے مانی کے متعلق کچھ اور پوچھنا چاہتی تھی، کہنا چاہتی تھی کہ میں تو ان کے پاس اسے چھوڑ کر گئی تھی پھر وہ اسے صحن میں اکیلا چھوڑ کر کیوں چلے گئے...... کہاں چلے گئے تھے۔ مجھے بتا دیتے لیکن میں کچھ بھی نہ کہہ سکی اور...... اور پھر وہ کہیں نہیں ملا...... بہت ڈھونڈا نہ وہ حویلی میں تھا نہ باہر گاؤں میں

کہیں...... تمہارے بابا اور چاچو پاگلوں کی طرح آدھی رات تک اسے ڈھونڈتے رہے۔ چھوٹا سا گاؤں تھا کسی گاؤں والے نے بھی دیکھا نہیں...... صحن کا دروازہ بند تھا۔ اور وہ اتنا بھاری تھا کہ وہ اسے خود کھول نہیں سکتا تھا۔ رپورٹ بھی درج کروائی۔ اخبار میں اشتہار دیا۔ آخر میں سب نے یہی کہا تھا کہ شاید کسی ملازم نے یا حویلی میں کام سے آنے والی عورت نے دروازہ کھولا ہو اور وہ باہر نکل گیا ہو۔ رجب کا مہینہ تھا۔ شہر سے مانگنے والے فقیروں کے گروپ کے گروپ گاؤں آجاتے تھے اور یوں بھیک مانگتے ہوئے کسی دوسرے گاؤں نکل جاتے۔ وہ باہر نکلا ہو تو شاید کسی بھکاری نے اٹھالیا ہو...... آس پاس کے جتنے گاؤں تھے سب جگہ پولیس گئی، ان بھکاریوں کے ٹھکانوں پر بھی چھاپا مارا لیکن میرا امان نہیں ملا۔''

آنکھوں میں رکے آنسو بہہ نکلے تھے اس نے ہاتھ بڑھا کر انہیں ساتھ لگالیا۔ کچھ دیر رونے کے بعد وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کیا۔

''تم کہتی ہوناں کہ اگر کبھی زندگی میں وہ تمہیں ملا تو تم کیسے پہچانو گی...... خون کی کشش تو ہوگی ہی لیکن اس کی تمہارے بابا سے بہت مشابہت تھی اور بالکل تمہارے بابا کی طرح دائیں آنکھ کے نیچے ایک تل تھا اور ایک تل بائیں طرف ناک پر...... وہ جوان ہو کر یقیناً اپنے بابا کی طرح لگتا ہوگا...... تم اسے پہچان لو گی تاشہ......''

نتاشہ نے ان کی طرف دیکھا اسے ان کی آنکھیں بہت روشن، روشن سی لگیں اور چہرے پر بھی ایک انوکھی سی چمک تھی شاید تصور کی آنکھوں سے وہ اسے دیکھ رہی تھیں اس کا دل درد سے بھر گیا۔

پتا نہیں وہ ہے بھی یا نہیں...... اتنا عرصہ گزر گیا کبھی تو کہیں سے کوئی اس کا پتا دیتا۔ اتنا تو اسے پتا تھا کہ بابا اکثر اخبار میں اشتہارات دیتے رہتے تھے، جب بھی انہیں پتا چلتا کہ کہیں سے اغوا شدہ بچے بازیاب ہوئے ہیں تو وہ وہاں ہی پہنچ جاتے، تھانوں کے چکر بھی لگاتے رہتے تھے کہ شاید کہیں سے کوئی خبر مل جائے......

لیکن...... کیا خبر اغوا کرنے والوں نے اسے مار دیا ہو...... اور کیا خبر ہاتھ پیر توڑ کر کہیں بھیک منگوانے کے لیے بٹھا دیا ہو...... اس نے سوچا اب وہ ہر بھکاری کو غور سے دیکھے گی۔ کیا خبر کوئی ان میں مانی ہو......

''اور مجھے یقین ہے کہ ایک روز وہ ہمیں ملے گا ضرور۔''

''پتا نہیں اماں وہ اب اس دنیا میں ہے بھی یا نہیں......'' اماں کے یقین پر اس کے دل میں جیسے بھالے سے چبھتے تھے۔

''نہیں...... نہیں ایسا مت کہو تاشی......'' انہوں نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

''وہ ہے...... وہ آئے گا...... تمہارے بابا نے مجھ سے کہا تھا۔ پتا ہے تاشی مرے ہوئے پر ہولے، ہولے صبر آجاتا ہے ان کی جدائی پر کچھ کر رولیا جاتا ہے لیکن جو زندہ بچھڑ جائیں ان کا ہجر آخری سانسوں تک تڑپاتا ہے۔ ہم تمہارے سامنے خود کو سنبھالے رکھتے تھے لیکن رات کو جب اپنے کمرے میں جاتے تو تڑپ، تڑپ کر روتے کہ پتا نہیں وہ کہاں ہوگا...... اس نے کچھ کھایا پیا بھی ہوگا یا نہیں...... اسے ٹھیک سے نیند بھی آتی ہوگی یا نہیں...... روتے، روتے ہم تھک جاتے تو خود ہی اپنے آنسو پونچھ لیتے۔ تمہارے بابا کہتے تھے۔ اسے روؤ مت صبا...... دعا کرو اس کے لیے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو زندہ ہو...... محفوظ ہو، اچھے ہاتھوں میں ہو...... اور ہم آدھی رات کو جا نماز بچھا کر نفل پڑھنے لگ جاتے...... اپنے اللہ سے گڑگڑا کر دعا مانگتے کہ ہمارا بچہ ہمیں مل جائے۔''

نتاشہ نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر انہیں خاموش تسلی دی۔

''لیکن دعاؤں کے باوجود دل کو سکون نہیں ملتا تھا۔ ہماری راتیں یوں ہی بے چینی سے کٹتی تھیں۔ پھر تمہارے بابا بیمار ہو گئے اور جس روز ان کی بیماری کی تشخیص ہوئی تو وہ رات بہت مشکل تھی اس رات ہم دونوں ایک پل، کے لیے بھی سو نہیں پائے

تھے...... اس روز تمہارے بابا نے ماں کو بہت یاد کیا۔'' وہ روتے ہوئے بتارہی تھیں۔

''وہ ہوتا آج تو میں اطمینان سے اپنے آخری سفر کی تیاریاں کرتا صبا...... مجھے اپنی موت کا دکھ نہیں ہے۔ ہم سب وعدہ کرکے آئے ہیں۔ ہمیں جانا ہی ہے۔ مجھے تم دونوں کی فکر ہے تم دونوں اکیلی عورتیں کیسے اس ظالم دنیا میں سروائیو(survive) کروگی...... وہ ہوتا تو مجھے تمہاری فکر نہ ہوتی......'' وہ سال بھر یوں ہی بے چین رہے یوں ہی ہر روز اسے یاد کرتے لیکن اپنی موت سے چند ماہ پہلے وہ پُرسکون لگنے لگے تھے انہوں نے ماں کو یاد کرنا اور یہ کہنا چھوڑ دیا تھا کہ کاش وہ ہوتا...... میں نے اس بیماری کے مریضوں کو پندرہ، پندرہ سولہ، سولہ سال جیتے دیکھا ہے لیکن تمہارے بابا تو یہ تشخیص کہ کینسر ہے ہونے کے بعد بمشکل سات سال ہی جی پائے...... پتا ہے تاشی انہوں نے کبھی اپنا خیال نہیں رکھا تھا کبھی چھوٹی، موٹی تکلیف کی پروا نہیں کی تب ہی پتا نہیں چلا اور جب تکلیف حد سے بڑھ گئی تو پتا چلا اب آخری اسٹیج ہے۔'' انہوں نے ہتھیلیوں سے بے اختیار بہہ جانے والے آنسوؤں کو پونچھا۔ اور کچھ دیر یوں ہی خاموشی سے بیٹھی رہیں۔

''اماں...... اب آپ آرام کریں باقی باتیں پھر کسی روز کرلیں گے۔'' اس نے ماں کے تھکے، تھکے اور نڈھال چہرے پر نظر ڈالی تھی۔ ورنہ اس کا تو جی چاہ رہا تھا کہ آج وہ سب کچھ جان لے جس کا ابھی تک اسے علم نہیں تھا اس کے اندر بہت سارے سوال اٹھ رہے تھے لیکن اسے ماں کا بھی خیال تھا۔

''ہاں کرلوں گی آرام...... میں تمہیں ماں کے متعلق بتارہی تھی ناں، یہ اس روز کی بات تھی جب میری طبیعت خراب تھی اور وہ اکیلے ہی چیک اپ کے لیے چلے گئے تھے۔ واپس آئے تو میں نے بے چینی سے پوچھا تھا کہ ڈاکٹر نے کیا کہا...... کچھ بہتری آئی؟''

''نہیں......'' وہ بہت پُرسکون تھے۔

''ڈاکٹر نے کہا ہے کہ سوراخ پھر سے بن گیا ہے اور بڑا ہوتا جارہا ہے۔'' انہیں جگر کا کینسر تھا۔ اور ایک سال پہلے ڈاکٹر نے ان کا آپریشن کرکے سوراخ قفل کردیا تھا۔ سوراخ بھرنے کے لیے جسم کے ہی کسی حصے سے ایک پیس لیا گیا تھا۔''

میں حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''کیا پھر آپریشن ہوگا......'' میں نے پوچھا تھا تو وہ اسی اطمینان سے بولے تھے۔

''نہیں اب گنجائش نہیں ہے آپریشن کی۔''

''تو اب کیا ہوگا......؟''

''چھوڑو یار اس آپریشن کو اور میری بات دھیان سے سنو۔ ہمارا امن زندہ ہے اور اچھے ہاتھوں میں ہے بہت جلد وہ ہم سے ملنے آئے گا......'' وہ اسے امن کہتے تھے۔ جبکہ صبا کبھی ماں کہہ کر بلاتی تھیں اور کبھی مانی......

''کیسے؟ کس نے بتایا آپ کو...... کہاں ہے وہ...... چلیں اس سے ملنے چلیں آپ اس کو ساتھ کیوں نہیں لے کر آئے......'' مجھ پر ہیجانی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ لیکن وہ اسی تحمل سے کہہ رہے تھے۔

''آجائے گا صبا جلدی آجائے گا ابھی نہیں آسکتا' اللہ نے ہماری دعائیں سن لیں، ہمیں شکرانے کے نفل ادا کرنے چاہئیں...... چلو اٹھو...... کچھ دنوں بعد مجھے لگنے لگا جیسے مسلسل ماں کے متعلق سوچتے، سوچتے انہوں نے خود ہی سوچ لیا تھا کہ وہ زندہ ہے...... وہ آجائے گا لیکن وہ مجھے یقین دلاتے رہتے...... لیکن وہ نہیں آیا تاشو اور وہ چلے گئے اسے دیکھنے کی حسرت لیے وہ چلے گئے لیکن جاتے، جاتے میرے پلو سے یقین کی ڈور باندھ گئے۔''

وہ پھر بلک، بلک کر رونے لگیں۔ نتاشہ نے ایک بار پھر انہیں گلے سے لگالیا۔

''بس کریں اماں کتنا روئیں گی آج......'' وہ انہیں ساتھ لگائے ہولے، ہولے تھپکنے لگی۔

''اگر اللہ نے چاہا تو ایک روز امن آجائے گا اور اگر اللہ نے نہ چاہا تو آپ نے تو ہمیشہ اللہ کی رضا پر سر جھکالیا ہے...... اور مجھے بھی ہمیشہ اللہ کی رضا پر راضی ہونے کی تاکید کی ہے۔''

''ہاں جو اللہ کی مرضی......'' انہوں نے آہستگی سے کہا۔

''پر پتا نہیں کیوں آج دل اتنا بے چین ہو رہا ہے۔ پتا ہے تاشو......'' انہوں نے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

''تمہارے بابا کے خاندان نے مجھے قبول نہیں کیا تھا۔ بس ایک بار تمہارے بابا مجھے وہاں لے کر گئے تھے ان کا خیال تھا بچوں کو دیکھ کر تمہارے دادا جان کا دل نرم ہو جائے گا......ان کا دل تو پتا نہیں نرم ہوا تھا یا نہیں لیکن ہم وہاں اپنی قیمتی متاع لٹا کر آئے تو پھر کبھی نہیں گئے۔ انہوں نے کبھی بتایا تو نہیں لیکن میرا خیال تھا کہ شاید تمہارے بابا کا کچھ عرصے تک اپنے بھائیوں سے رابطہ رہا......وہ ماں کے متعلق پوچھتے رہتے تھے ان سے......پھر یہ رابطہ ٹوٹ گیا۔ کیوں، کیسے یہ مجھے نہیں پتا......اور پھر اب کتنے سالوں بعد اپنی وفات سے صرف تین ماہ پہلے انہوں نے اپنے بھائیوں سے رابطے کی کوشش کی تھی۔ اور وہ مہذب سا پیارا سا لڑکا جو تمہارے سامنے ایک بار اسپتال میں آیا تھا یاد ہے ناں تمہیں...... وہ تمہارے چاچو کا بیٹا تھا۔ آخری دنوں میں وہ کئی بار آیا تھا۔ تمہارے بابا سے ملنے اور وہ بہت خوش ہوتے تھے اس سے مل کر......اللہ اسے ہمیشہ خوش رکھے بہت مدد کی تھی اس نے۔ جب تمہارے بابا کا انتقال ہوا تو وہ ہی تھا ان کے پاس......میں تو بس ذرا سی دیر کے لیے باہر گئی تھی وارڈ میں ایک سے زیادہ تیمار دار کو نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ شام تک وہ انہیں کمرے میں منتقل کروا دے گا لیکن شام سے پہلے ہی......'' ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

''وہ اتنا اچھا تھا اماں تو پھر بابا کے بعد اس نے ہماری خبر گیری کیوں نہیں کی......کبھی ملنے نہیں آیا کبھی آ کر پوچھا نہیں کہ ہم پر کیا گزر رہی ہے۔'' یہ وہ سوال تھا جو سیکڑوں بار اس نے خود سے کہا تھا......اماں کو علم نہیں تھا کہ بابا نے اسے اپنے بھتیجے کے متعلق بتایا تھا۔ بلکہ تعارف بھی کروایا تھا۔ وہ بہت خوش اور مطمئن تھے۔

''مجھے اب تم لوگوں کی فکر نہیں ہے......میرے بعد تمہارے چاچو اور ان کے بچے ہیں تمہارا خیال رکھنے کے لیے۔'' اور انہوں نے تو اس سے اور بھی بہت کچھ باتیں کی تھیں جو آج تک اس نے اماں سے شیئر نہیں کی تھیں، کیا فائدہ لاحاصل امیدیں پالنے کا۔

''تمہارے بابا کو اسپتال سے آخری منزل تک پہنچانے کے سارے انتظام تو اس نے ہی کیے تھے۔ میرا تو کوئی عزیز رشتے دار نہیں تھا سوائے بھائی صاحب کے اور وہ بھی دوسرے دن پہنچے تھے۔ وہ مسلسل چار دن آتا رہا۔ پھر اس نے بتایا تھا اس کا کوئی پیپر ہے۔ دو تین دن نہیں آ سکے گا......اور ان ہی دو تین دنوں میں مالک مکان نے گھر خالی کروا لیا اور بھائی صاحب ہمیں ساتھ لے آئے۔

''لیکن آپ صوفی صاحب کو ماموں کے گھر کا پتا تو دے آئی تھیں ناں کہ اگر کوئی آپ کا پوچھے تو ماموں کے گھر کا پتا دے دیں۔ آپ نے تو صوفی صاحب کو پیغام بھی دیا تھا ان کے لیے۔''

اسے اپنے اس چچا زاد سے بہت سارے شکوے تھے جس سے وہ زندگی میں صرف ایک بار ہی ملی تھی اور بابا نے اس کے متعلق اس سے ڈھیروں باتیں کی تھیں۔ وہ کتنے پُرامید تھے، کتنا یقین تھا انہیں کہ......

اماں کے پاس شاید اس کے سوال کا جواب نہ تھا اس لیے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''میں کچن سے پانی کی بوتل لے آؤں اور تم بھی سو جاؤ......اب صبح جلدی ہی نکلیں گے۔ رابی کے ابو کہہ رہے تھے ناشتے کے فوراً بعد وہ ہمیں کوچ پر بٹھا دیں گے کہ خود انہیں واپس جانا ہے۔''

اور وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے بیڈ پر لیٹ گئی آنکھیں جل رہی تھیں۔ لیکن بہت دیر تک اسے نیند نہیں آئی تھی۔ نانا، نانی کا انتقال اس کے ہوش میں ہی ہوا تھا۔ جب نانا فوت ہوئے تو وہ چھ سال کی تھی اور دو سال بعد نانی کا انتقال ہوا تھا۔ اسے ان کا وہ چھوٹا سا لیکن پیارا سا گھر اب بھی یاد تھا۔ پھر بابا کے علاج کے لیے اماں نے وہ گھر فروخت کر دیا اور وہ لوگ کرائے

کے گھر میں رہنے لگے تھے۔ نانا کی وفات کے بعد نانی اکیلی تھیں تو وہ اُن کے پاس آگئے تھے۔ وہ دس سال کی تھی تب جب پہلی بار بابا کی بیماری کا پتا چلا تھا۔ اور سات سال بابا بیمار رہے تھے۔ اور یہ سات سال کتنے مشکل تھے۔ اماں کا بہت سارا زیور بک گیا تھا۔ بیماری کے آخری دو سالوں میں تو بابا کی جاب بھی ختم ہو گئی تھی کہ وہ اسے جاری نہیں رکھ سکتے تھے اتنی تکلیف ہوتی تھی انہیں...... جاب اچھی تھی ان کی، بہت اچھا گزارہ ہوتا تھا۔ ٹھیک ٹھاک بچت ہو جاتی تھی انہوں نے ایک پلاٹ کی فائل بھی لے لی تھی لیکن ابھی دو تین اقساط ہی دی تھیں کہ اس بیماری نے سب کچھ ختم کر دیا...... سب خواب بکھر گئے۔ انہوں نے وہ فائل کسی دوست کو دے دی تھی۔ اور اس نے انہیں وہ رقم ادا کر دی تھی جو وہ دے چکے تھے۔ جب قرعہ اندازی میں ان کا نام نکلا تھا سب دوستوں نے جنہوں نے درخواستیں دے رکھی تھیں کتنا رشک کیا تھا ان پر کہ وہ خوش قسمت ہیں کہ اتنے سارے دوستوں میں سے صرف ان کا نام آیا۔

لیکن آنے والے لمحوں کی کسی کو کیا خبر ہوتی ہے کہ کب کیا ہو جائے۔ سارے خواب، ادھورے رہ جائیں...... وہ تو صرف سترہ سال کی تھی جب بابا کا ساتھ چھوٹ گیا۔ کتنا دل چاہتا تھا اس کا کہ وہ ایک لمحہ بھی بابا کو تنہا نہ چھوڑے لیکن جب، جب وہ اسپتال جاتے اماں اسے وہاں نہ رہنے دیتیں۔ بس ملاقات کے وقت تھوڑی دیر کے لیے جاتی اور پھر اماں اسے گھر بھیج دیتی تھیں جب آخری پندرہ دن وہ مسلسل اسپتال میں رہے تھے تو اس نے کتنی ضد کی تھی اماں سے کہ وہ کچھ دن گھر آرام کر لیں رات کو...... یہاں وارڈ میں کتنی بے آرام ہوتی ہوں گی وہ لیکن انہوں نے سختی سے منع کر دیا تھا۔

''یہ وارڈ ہے تاشی یہاں طرح طرح کے لوگ آتے ہیں۔'' وہ ڈرتی تھیں پتا نہیں کیوں...... کہتی تھیں وہ خوب صورت ہے کم عمر ہے نا سمجھ ہے...... اور دنیا بہت ظالم ہے۔ خود جب وہ اسپتال میں ہوتیں تو صوفی صاحب کی بیوہ بہن کو اس کے پاس چھوڑ جاتی تھیں۔

صوفی صاحب کا گھر...... بالکل ان کے گھر کے سامنے تھا۔ گھر کے ساتھ ہی ان کی دکان تھی۔ اور محلے میں یہ واحد گھرانا تھا جس سے اماں کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ صوفی صاحب کی بیگم بھی ان کی طرح ہی شفیق اور مہربان سی تھیں۔ کاش اسے علم ہوتا کہ بابا اسے یوں چھوڑ کر چلے جائیں گے تو وہ ضد کر کے وہاں ہی بابا کے بیڈ کے پاس بیٹھی انہیں دیکھتی رہتی۔ آنسو اس کی آنکھوں کے گوشوں سے نکل کر تکیے میں جذب ہونے لگے...... اس نے کروٹ بدل کر دیکھا...... اماں آنکھیں بند کیے بیڈ پر لیٹی تھیں۔ شاید انہیں بھی نیند نہیں آرہی تھی۔ ماضی کے دکھ، غم اور تکلیفیں شاید کبھی آدمی کو چین کی نیند نہیں سونے دیتیں۔ اس کا دل چاہا اماں سے پوچھے کہ اتنے دن وہ بابا کے پاس اسپتال آتا رہا انہوں نے اس کا اتا پتا نہیں پوچھا اور کیا انہیں بابا کے بہن، بھائیوں، اماں، ابا کسی کے متعلق کچھ نہیں معلوم...... وہ ایک بار گاؤں گئی تو تھیں اپنی سسرال... انہیں پتا تو ہوگا کہ کون سا گاؤں تھا...... لیکن اماں نے اب دیوار کی طرف کروٹ بدل لی تھی۔ وہ تو چاہنے کے باوجود بابا سے بھی کبھی نہ پوچھ پائی کہ وہ پہلے ہی امن کے اغوا کی وجہ سے دکھ اور تکلیف میں رہتے تھے بس ایک بار جب وہ پانچویں جماعت میں تھی تو اپنے دادا، دادی کے متعلق پوچھا تھا کہ اسے نانا، نانی کی کمی بے حد محسوس ہوتی تھی۔ تو انہوں نے بس اتنا ہی بتایا تھا کہ تمہارے دادا اور دادی اس دنیا میں نہیں ہیں...... اور پھر وہ کتنے ہی دن افسردہ سے رہے تھے۔ اس نے کئی بار انہیں آنسو پونچھتے دیکھا تھا...... اور سوچا تھا کہ اب وہ کبھی ان سے دادا، دادی اور ان کے رشتے داروں کے متعلق نہیں پوچھے گی اور اس نے پھر کبھی نہیں پوچھا تھا کہ لیکن پھر بابا کے پاس وہ آگیا۔ اس کا چچازاد بھائی...... بابا اپنی تکلیف کے باوجود اتنے خوش دکھتے تھے جتنا اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا...... اور اگر وہ وہاں ہی رہتے

تو..... شاید وہ آتا اماں کے پاس..... اس نے اماں سے کہا تو تھا کہ وہ ان کا بیٹا ہے۔ کاش ماموں، اماں کی بات مان کر ان کا زیور بیچ کر مکان کا کرایہ ادا کر دیتے اور انہیں ساتھ لے کر نہ آتے تو..... لیکن جب اماں نے انہیں زیور دیا کہ فروخت کر کے اب تک کا سارا کرایہ دے دیں تو انہوں نے سختی سے منع کر دیا تھا۔

''ہرگز نہیں، یہ زیور سنبھال کر رکھو..... میں ہوں ناں تمہارا واحد وارث، تم سامان باندھو..... میں تمہیں یہاں اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا..... کرایے کی بات نہ بھی ہوتی تب بھی نہیں..... مجھے اس مالک مکان کی نیت صحیح نہیں لگتی..... تم اب میری ذمے داری ہو اور میں مرتے دم تک یہ ذمے داری نبھاؤں گا۔''

اور انہوں نے ذمے داری نبھائی تھی۔ بہت اچھی طرح سے..... بس وہ کہا..... اور ماموں صحیح کہتے تھے کہ مالک مکان کی نیت صحیح نہیں تھی۔ گو اماں نے کبھی اس سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن وہ سمجھتی تھی اس نے بابا کے بعد اماں سے صوفی صاحب کی بیگم کو کہتے سنا تھا۔

''یہ خان صاحب تو جیسے میر بھائی کے مرنے کا انتظار کر رہے تھے تب ہی تو کرایے میں چھوٹ دے رہے تھے کہ کوئی بات نہیں بعد میں آجائے گا جب..... شاہ میر صاحب صحت مند ہو جائیں گے ورنہ یہ تو ایک دن اوپر نیچے ہو جائے تو کرایے دار کا ذرا سا بھی لحاظ کیے بغیر سامان اٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں۔ کل گلی میں مجھے روک لیا کہ تم کو ان کی طرف سے شادی کا پیغام دوں..... مکان تمہارے نام کر دیں گے، میں نے تو خوب سنائیں..... اب دیکھو عدت کے بعد تم سے ڈائریکٹ بات کریں گے، ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جوان بچے اور بیوی گھر میں موجود ہیں اور.....''

.....اور شاید اسی لیے اماں نے ماموں کے ساتھ آنے کا فیصلہ کر لیا تھا ورنہ وہ تو اتنی خود دار تھیں کہ بابا کے علاج کے لیے بھی کسی سے مدد نہیں مانگی تھی۔

اماں کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آئی تو اس نے ایک بار پھر رخ موڑ کر انہیں دیکھا۔

''اور وہ بابا کا بھتیجا.....؟'' اس کے ذہن کی رو پھر بھٹکی تھی۔ ''اگر زندگی میں کبھی ملا تو ضرور پوچھوں گی کہ وہ جو بابا کے سامنے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا..... ''میری کوئی بہن نہیں ہے آج سے... یہ میری بہن ہے، میری ذمے داری..... میں ہمیشہ سگی بہنوں کی طرح اس کا خیال رکھوں گا..... وہ سب جھوٹ تھا کیا؟'' اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں اور پھر وہ بھی یوں ہی سوچتے، سوچتے سو گئی تھی۔

صبح ناشتے کے بعد رابعہ کے ابو نے انہیں گوجرانوالہ جانے والی بس پر بٹھا دیا تھا اور انہیں بتایا تھا کہ میں نے پی سی او سے گاؤں فون بھی کر دیا ہے۔ تمہاری دوست آجائے گی تمہیں لینے..... ہوسکتا ہے اسے کچھ دیر ہو جائے تو آپ لوگ وہاں ہی انتظار کرنا..... اور وہاں پہنچ کر گھر رابعہ کو فون ضرور کر دینا۔'' وہ بس کے چلنے تک وہاں ہی کھڑے رہے تھے۔ بہت وضعدار... لوگ تھے۔ رابعہ کی پھپو نے بھی انہیں سوٹ گفٹ کیے تھے کہ وہ پہلی بار ان کے گھر آئے تھے۔ رابعہ تو اس کی دوست تھی ہی لیکن وہ اس کے خاندان سے بھی بہت متاثر ہوئی تھی۔ غیر ہو کر کتنا ساتھ دے رہے تھے وہ..... اور ایک وہ تھا اس کا کزن..... چچا کا بیٹا وعدہ کر کے بھی ان کی خیر خبر نہیں لی..... وہ ایک بار پھر اس کے متعلق سوچنے لگی کہ اپنی بات چیت اپنے رکھ رکھاؤ سے وہ ایسا لگتا تو نہیں تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ جھوٹ ہوگا..... بس چلنے کے کچھ دیر بعد ہی اماں سیٹ سے سر ٹکا کر سو گئی تھیں۔ شاید رات ٹھیک سے سو نہیں سکی ہوں گی..... لیکن اسے بس یا گاڑی میں نیند نہیں آتی تھی پھر بھی اس نے آنکھیں بند کر کے کھڑکی سے سر ٹکا لیا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ بس کو روانہ ہوئے کتنی دیر ہو گئی تھی وہ تو بس آنکھیں موندے گزرے دنوں کے متعلق سوچ رہی تھی۔

وہ سارے شب و روز جو گزر چکے تھے آنکھوں کے سامنے آرہے تھے کہ اچانک زوردار دھماکا ہوا تھا اور ساتھ ہی لوگوں کی چیخ و پکار ان کی سیٹ دروازے کے ساتھ ہی تھی۔ وہ اچھل کر پہلے دروازے میں کھڑے کنڈیکٹر

کے پاس گری بس کو پھر جھٹکا لگا تھا اور وہ اچھل کر سڑک کے کنارے موجود جھاڑیوں میں جا گری۔

''اماں......'' اس کے لبوں سے نکلا تھا...... اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی لیکن پھر چکرا کر گر گئی تھی۔ دوبارہ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک کمرے میں بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔

اس نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا۔ یہ رابعہ کے گھر کا کمرا تو نہیں تھا...... پھر...... پھر وہ کہاں تھی...... اور یہاں کیسے آئی...... اسے کچھ یاد نہیں آرہا تھا۔ تب ہی کمرے کا دروازہ کھلا...... آنے والا اس کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی تکیے کے پاس رکھا اپنا دوپٹا اٹھا کر اچھی طرح اپنے گرد لپیٹا۔

''آپ کون ہیں اور میں کہاں ہوں اور آپ اس طرح بغیر دستک دیے کیوں آئے ہیں اندر......''

آنے والے کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''اللہ کا شکر ہے کہ آپ کو ہوش آگیا ہے...... اب آپ کے سوالوں کے جواب تو میں کون ہوں تو میرا نام...... جو بھی ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں آپ کے لیے اجنبی ہوں...... اور آپ کہاں ہیں تو آپ میرے گھر میں ہیں...... یہاں سے کچھ دور سڑک پر بس کو حادثہ پیش آیا تھا۔ بس الٹ گئی تھی وہاں یہ ہی کہا جارہا تھا کہ ڈرائیور کسی دوسری بس کے ساتھ ریس لگا رہا تھا جو اسے اوور ٹیک کر گئی تھی...... بس کی بریکیں بھی فیل ہوگئی تھیں اور وہ مخالف سمت سے آنے والے ایک ٹرالے سے ٹکرا گئی تھی۔ میں اپنے گھر جارہا تھا۔ حادثے کی وجہ سے رکا...... میرے علاوہ اور بھی کئی لوگ اپنی، اپنی گاڑیاں روک کر زخمیوں کی مدد کررہے تھے اور سیٹوں میں پھنسے ہوئے لوگوں کو نکالنے کی کوشش کررہے تھے...... جب سب زخمیوں اور مرنے والوں کو اسپتال پہنچا دیا گیا تو میں بھی اپنی گاڑی کی طرف بڑھا کہ اچانک مجھے جھاڑیوں میں سے کسی کے کراہنے کی آواز آئی تو میں جھاڑیوں کی طرف بڑھا جہاں آپ تقریباً بے ہوش پڑی تھیں اور میں آپ کو...... اٹھا کر گھر لے آیا کہ اب نہ تو وہاں کوئی ایمبولینس تھی نہ کوئی زخمی...... اور آپ بظاہر زخمی بھی نہیں لگ رہی تھیں۔ کنپٹی کے پاس ذرا سا خم تھا...... میں نے سوچا تھا کہ گھر میں ہی آپ کو ابتدائی طبی امداد دے کر جہاں آپ کو جانا ہوا وہاں پہنچا دوں گا لیکن......''

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''اماں...... میری اماں......'' وہ اب کھڑی ہوگئی تھی اسے یاد آگیا تھا کہ بس کو حادثہ پیش آیا تھا اور......

''پلیز مجھے جانا ہے...... مجھے اس اسپتال میں لے چلیں جہاں زخمیوں کو لے جایا گیا ہے۔''

''اس حادثے میں تیرہ اموات ہوئیں اور تیس کے قریب لوگ شدید زخمی ہوئے۔ باقیوں کو معمولی چوٹیں آئی تھیں۔ مرنے والوں میں چھ عورتیں، چار مرد اور تین بچے تھے۔ وہ ابھی تک دروازے کے پاس کھڑا تھا۔

''نہیں...... میری اماں کو کچھ نہیں ہوسکتا۔''

''آپ کے ساتھ آپ کی والدہ کے علاوہ اور کون تھا؟''

''کوئی نہیں...... بس میں اور اماں تھے۔ پلیز، مجھے لے جائیں۔ میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔'' وہ بری طرح رو رہی تھی۔

''میری اماں کو کچھ نہیں ہوگا۔ کچھ نہیں، وہ وہاں ہی اسپتال میں ہوں گی اور مجھے ڈھونڈ رہی ہوں گی۔ کیا خبر وہ بہت زخمی ہوں۔ انہیں میری ضرورت ہو۔''

''آپ کو پتا ہے کہ آپ کتنے دن بے ہوش رہی ہیں۔ آپ کے سر پر چوٹ لگی تھی اور آپ کو ہوش نہیں آرہا تھا۔''

اس نے دروازے کے ساتھ ٹیک لگالی تھی۔

''مقامی ڈاکٹر نے گھر آکر آپ کو چیک کیا، اس کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا تو میں آپ کو لاہور لے گیا۔ وہاں بہترین نیورو سرجن ہی اس طویل بے ہوشی کی وجہ بتا سکتے تھے۔ پھر وہاں چار دن بعد آپ کو ہوش آگیا لیکن مکمل ہوش میں نہیں آئی تھیں۔ اگلے دو دن وقفے، وقفے سے آپ غنودگی میں چلی جاتی تھیں۔ ہوش آتا تو

اپنی اماں کو بلاتی تھیں۔ ساتویں دن ڈاکٹروں نے مجھے آپ کو گھر لے جانے کی اجازت دی اور کہا کہ اب یہ غنودگی دواؤں کی وجہ سے ہے۔ جب تک آپ خود بیدار نہ ہوں آپ کو نہ جگایا جائے۔'' وہ دروازے سے ٹیک لگائے سینے پر ہاتھ باندھے نہایت اطمینان سے باتیں کررہا تھا اور وہ متوحش سی اسے دیکھ رہی تھی۔

''کل شام کو ہم لاہور سے آئے تھے۔ دواؤں کے زیرِ اثر آپ ساری رات سکون سے سوتی رہیں اور اب دن کے گیارہ بجے بیدار ہوئی ہیں۔''

''نہیں۔'' اس کے لبوں سے نکلا۔ سر میں دھمک ہورہی تھی اور آنکھوں کے آگے ستارے ناچ رہے تھے۔

''نہیں۔'' اس کے لبوں سے پھر نکلا۔

''ایسا ہی ہے۔ آج سے آٹھ دن پہلے آپ کی بس کو حادثہ پیش آیا تھا۔'' وہ اسی طرح پرسکون سا کھڑا گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے جانا ہے۔ مجھے اماں کے پاس جانا ہے۔ وہ اسپتال میں ہوں گی، وہ مجھے ڈھونڈ رہی ہوں گی۔'' بے ربط سا بولتے ہوئے بے چین سا ہو کر اس نے قدم اٹھایا لیکن سر چکرا رہا تھا۔ اسے لگا جیسے زمین اس کے قدموں کے نیچے سے نکل گئی ہے۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا تھا اور اسے گرنے سے پہلے تھام لیا اور سہارا دیتا ہوا بیڈ تک لایا۔

''ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ سر پر شدید چوٹ لگنے کی وجہ سے ابھی کچھ دن آپ کو چکر آئیں گے اور متلی ہوگی۔ دواؤں کے استعمال سے ان شاء اللہ جلد ٹھیک ہوجائیں گی۔ شکر ہے کہ چوٹ کی وجہ سے کوئی سیریس مسئلہ نہیں پیدا ہوا۔ آپ مجھے اپنی والدہ کا نام بتائیں اور اپنا بھی، میں اسپتال جا کر ان کے متعلق پتا کرتا ہوں، گوجرانوالہ نزدیک ہونے کی وجہ سے زخمیوں کو گوجرانوالہ کے اسپتال میں لے جایا گیا تھا۔ اگر آپ کی والدہ زخمی ہیں اور وہاں موجود ہیں تو میں انہیں ساتھ لے آؤں گا۔''

اس نے ممنون نظروں سے اس اجنبی کو دیکھا اور آنسوؤں سے بھری آنکھیں پھر بہہ نکلی تھیں۔ سر چکرا رہا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے سر میں دھماکے ہو رہے ہیں۔

''میں...... میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔''

''ابھی آپ کی حالت ایسی نہیں ہے کہ آپ چل سکیں۔ آپ آرام کریں، میں پتا کر کے آتا ہوں۔''

وہ شاید صحیح کہہ رہا تھا۔ اس وقت یوں مسلسل چکراتے سر کے ساتھ اسے ایک قدم اٹھانا بھی محال تھا۔ اس نے بے بسی سے اسے دیکھا اور سر جھکا لیا۔ اس کی نظریں گود میں رکھے اپنے ہاتھوں پر تھیں۔

''پلیز، آپ روئیں نہیں، مجھے تکلیف ہو رہی ہے آپ کے رونے سے۔ میں ابھی جا کر آپ کی والدہ کے متعلق معلوم کرتا ہوں۔ پلیز، اب آپ لیٹ جائیں۔ ملازم ابھی آپ کے کھانے کے لیے کچھ لاتا ہے۔ کھا کر یہ میڈیسن لے لیجیے گا۔''

اس نے ٹیبل پر پڑے شاپر میں سے کچھ ٹیبلٹس نکال کر ٹیبل پر رکھیں اور اسے بتانے لگا کہ ان میں سے کون سی ٹیبلٹ اور کیپسول اس نے اس وقت لینی ہے۔

''اگر سر میں زیادہ درد اور تکلیف ہو تو خیر دین کو بتا دیجیے گا۔ یہ انجکشن ہیں، وہ آپ کو لگا دے گا لیکن اگر تکلیف قابلِ برداشت ہو تو پھر انجکشن نہیں لگوانا۔ ایک جز وقتی ملازمہ ہے ماسی وزیراں، کچن میں کام کر رہی ہے۔ وہ شام کو جاتی ہے، کسی چیز کی ضرورت ہو تو اس سے کہیے گا۔ شام سے پہلے ہی میں آجاؤں گا۔ خیر دین بہت بھروسے کا ملازم ہے۔''

''اماں مل جائیں گی ناں؟'' اس نے جیسے اس کی کوئی بات نہیں سنی تھی۔

''ان شاء اللہ! آپ دعا کریں۔''

وہ اسے تسلی دیتا ہوا چلا گیا اور ایک ادھیڑ عمر عورت جو غالباً ماسی وزیراں تھی، ٹرے میں اس کے لیے ناشتا لائی تھی۔ ڈبل روٹی کے سلائس، آملیٹ اور دودھ ایک باؤل میں (پورچ) دلیا تھا۔ اس نے وہ ہی تھوڑا سا لیا اور دوا کھا کر لیٹ گئی کہ بے حد چکر آرہے تھے۔

''یہ کیا ہوگیا...... یا اللہ میری اماں کو کچھ نہ ہو، وہ

اس مہربان اجنبی کو مل جائیں اور بس میں اور اماں فوراً ہی یہاں سے واپس چلے جائیں گے، میں رابعہ سے کہوں گی۔ میں اتنی دور جاب نہیں کروں گی۔ وہ اپنے شہر میں ہی کوئی جاب ڈھونڈ دے اور وہاں ہی ہم کوئی چھوٹا سا گھر کرایے پر لے لیں گے۔'' سوچتے، سوچتے وہ سوگئی۔ شاید ان دواؤں میں کوئی نیند کی دوا بھی ہوگی۔ پتا نہیں وہ کتنی دیر سوئی تھی، جب آنکھ کھلی تو گھبرا کر اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھول کر وہ باہر نکلی تھی۔ کمرے کا دروازہ ٹی وی لاؤنج میں کھلتا تھا۔ ٹی وی کی آواز بہت آہستہ تھی اور وہ ایک طرف صوفے پر بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

''آپ کب آئے اور اماں...... اماں کہاں ہیں، کیا وہ نہیں ملیں؟''

بہت سخت چکر آیا تھا۔ سر تھام کر وہ نزدیکی صوفے پر بیٹھ گئی اور وہ بھی اٹھتے، اٹھتے پھر بیٹھ گیا اور اب اس کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟''

''میری اماں؟'' اس نے اس کا سوال نظر انداز کردیا۔

''میں نے وہاں سب سے پتا کیا۔ صبا نام کی کوئی خاتون زخمی ہونے والی خواتین میں نہیں تھیں۔ زیادہ تر زخمیوں کو ان کے عزیز واقارب آکر لے گئے، ابھی چند ایک مریض وہاں ہی ایڈمٹ تھے۔ سب مرنے والوں کو بھی ان کے لواحقین لے گئے سوائے ایک عورت کے جسے لینے کوئی نہیں آیا تو اسے لاوارث قرار دے کر دفن کردیا گیا۔ کچھ سیریس زخمیوں کو لاہور بھیجا گیا ہے لیکن میں نے پتا کیا ہے، ان میں کوئی عورت نہیں تھی۔''

وہ پھٹی، پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی پھر وہ پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔

''ہوسکتا ہے آپ کی والدہ ان لوگوں میں شامل ہوں جو معمولی زخمی ہوں تو وہ بھی اپنے گھر واپس چلی گئی ہوں۔'' اس نے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''نہیں، میری اماں میرے بغیر گھر نہیں جاسکتیں...... کبھی نہیں۔ وہ وہاں ہی بیٹھی ہوں گی۔ اسپتال میں کہیں میرا انتظار کرتی ہوں گی یا پھر وہاں ہی سڑک پر جہاں حادثہ ہوا۔ وہ مجھے ڈھونڈتی ہوں گی، میں جانتی ہوں اپنی اماں کو۔ مجھے جانا ہے... مجھے لے چلیں وہاں۔ میں ڈھونڈ لوں گی خود انہیں۔ میں جانتی ہوں اپنی اماں کو۔'' وہ ہسٹریک ہورہی تھی۔

''میں جانتی ہوں ناں اپنی اماں کو آپ نہیں...... وہ تو مجھے اسپتال میں بابا کے پاس اکیلے چھوڑ کر نہیں جاتی تھیں۔ اب کیسے اکیلا چھوڑ کر جاسکتی ہیں...... نہیں...... میں ابھی جاؤں گی انہیں ڈھونڈنے۔'' وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی لیکن وہ یوں ہی اطمینان سے بیٹھا اسے گہری نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر اسی اطمینان سے بولا۔

''تو اس کا مطلب ہے کہ وہ لاوارث عورت آپ کی والدہ تھیں؟''

''نہیں۔'' پھٹی، پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ چیخی اور پھر چیختی چلی گئی۔

''میری اماں نہیں مرسکتیں...... کبھی نہیں۔''

اب وہ بلند آواز میں رو رہی تھی...... روتے، روتے وہ کارپٹ پر بیٹھ گئی...... کبھی منہ پر ہاتھ رکھتی اپنی آواز روکنے کے لیے، کبھی آنکھوں کو بری طرح رگڑتی لیکن اسے خود پر اختیار نہیں تھا اور وہ روتی رہی۔ یوں ہی اونچا، اونچا بلند آواز میں حتیٰ کہ نڈھال ہوکر اس نے صوفے سے ٹیک لگالی۔ تب وہ شخص اٹھا۔ اس کے قریب آکر بازو سے پکڑ کر اسے اٹھایا اور سہارا دیتا ہوا اسے اس کے کمرے تک لایا اور بیڈ پر بٹھاتے ہوئے خیر دین کو آواز دی۔ خیر دین نے آکر اسے انجکشن لگایا اور اس نے نرمی سے اس کے کندھوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے لٹادیا۔

''سوجائیں...... پُرسکون ہوجائیں پھر بات کرتے ہیں۔ سوچتے ہیں آپ کی والدہ کو کیسے تلاش کیا جائے۔''

''نہیں، مجھے ابھی جانا ہے...... ابھی جاؤں گی میں۔ مجھے نہیں سونا...... میری اماں۔''

اس نے کئی بار اٹھنے کی کوشش کی اور ہر بار اس نے اسے کندھوں سے تھام کر لٹادیا۔ کچھ دیر بعد اس کی

آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ سوگئی۔ اگلے چند دن ایسا ہی ہوتا رہا۔ وہ اٹھتی، جانے کی ضد کرتی، روتی چلاتی۔ ماسی وزیراں بہلا پھسلا کر تھوڑا بہت کچھ کھلاتی اور پھر خیر دین اسے انجکشن لگا دیتا۔ وہ سوجاتی تھی لیکن پھر جیسے اسے صبر آتا گیا۔

ایک روز وہ جاگی تو روئی چلائی نہیں، خاموشی سے ناشتا کر کے دوپٹا اوڑھ کر بیٹھ گئی۔ ماسی وزیراں نے اسے دو جوڑے کپڑے لا کر دیے تھے کہ اس کے اپنے کپڑے بہت میلے ہو گئے تھے۔ یہ کپڑے اسے کچھ کھلے تھے لیکن اس نے پہن لیے تھے۔

''صاحب اندازے سے لے کر آئے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

تین چار دن میں جب کپڑے میلے ہو جاتے تو وہ وزیراں کے کہنے پر تبدیل کر لیتی۔ آج ناشتے کے بعد کپڑے تبدیل کرتے ہوئے اسے خیال آیا کہ ''وہ یہاں کیوں ہے۔ ایک اجنبی نامحرم شخص کے گھر میں اسے جانا چاہیے، واپس رابعہ کے گھر۔ اماں شاید نہیں رہیں۔''

آنسو اندر گرے لیکن دل ماننے کو تیار نہ تھا۔ رابعہ کے علاوہ اور کون تھا اس کا مخلص، ہمدرد......

''میں پہلے چلی جاؤں پھر سوچ لوں گی کیا کرنا ہے۔ ہاں، آج میں اس سے کہوں گی کہ اب میں ٹھیک ہوں، چکر بھی نہیں آرہے تو آج وہ مجھے کوچ یا بس میں بٹھا آئے......'' اور جب وہ آیا اس کا حال دریافت کرنے تو یوں تیار بیٹھے دیکھ کر لمحہ بھر کو حیران ہوا۔

''گڈ! آج آپ ٹھیک لگ رہی ہیں۔ لگتا ہے آپ نے حقیقت کو قبول کر لیا ہے۔''

''جی... شاید یہ بھی ایک آزمائش ہے۔ آپ نے جہاں اتنی مہربانی کی ہے، وہاں ایک اور احسان کر دیجیے۔ اگر یہاں سے کوئی بس ڈائریکٹ میرپور یا مظفر آباد جاتی ہو، اس کا ٹکٹ لے کر اس میں بٹھا دیں۔''

''یہاں سے ڈائریکٹ تو کوئی نہیں جاتی۔ پہلے راولپنڈی جانا پڑے گا لیکن آپ جائیں گی کہاں؟'' وہ عادت کے مطابق دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

''گھر...... گھر جانا ہے مجھے۔''

''کون سے گھر؟'' وہ ہولے سے ہنسا تھا۔ اس ہنسی میں کیا تھا، تمسخر یا کچھ اور وہ نہ سمجھ سکی تو اسے دیکھنے لگی۔

''اپنی دوست کے گھر یا اپنے ماموں کے گھر جو آپ کی شادی اپنے ابنارمل بیٹے سے کرنا چاہتے تھے؟'' حیرت سے اس کی آنکھیں جیسے پھٹنے کو تھیں۔

''آپ...... آپ کو کیسے......؟''

''نیم غنودگی میں آپ اپنے متعلق سب کچھ بتا چکی ہیں۔'' وہ دروازے کے پاس سے ہٹ کر اب اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''اپنی دوست کے گھر۔'' اس کا اعتماد آہستہ، آہستہ واپس آرہا تھا۔

''آپ کی دوست کے گھر والے آپ کو قبول کر لیں گے کیا۔ کن خوابوں میں ہیں آپ...... لڑکی ایک روز گھر سے باہر رات گزار لے تو سگے ماں باپ اسے قبول نہیں کرتے تو یہ پھر غیر ہیں۔ اتنے بے غیرت تو نہیں ہوں گے کہ ایک لڑکی بیس دنوں بعد آئے اور وہ اسے گھر میں گھسنے دیں۔ جبکہ وہ ان کی جوان بیٹی کی سہیلی ہو۔ وہ تو اپنی بیٹی کو اس کے سائے سے بھی دور رکھنا چاہیں گے۔''

''بیس دن......؟'' اس کے لبوں سے سرگوشی کی طرح نکلا۔ اسے خود گزرتے شب و روز کا اندازہ نہیں تھا۔

''ہاں، بیس دن۔'' وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''تو......'' لمحہ بھر بعد اس نے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے جانا تو ہے۔ آپ پلیز مجھے راولپنڈی جانے والی بس پر بٹھا دیں۔ میں یہاں ساری زندگی نہیں رہ سکتی۔''

''نہیں...... آپ ساری زندگی یہاں رہ سکتی ہیں۔'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''کیوں...... کیا رشتہ ہے میرا آپ سے جو میں یہاں رہوں؟'' وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

''رشتہ بننے میں کون سا دیر لگتی ہے، بنا لیں گے۔'' وہ آج پچھلے دنوں سے بالکل مختلف لگ رہا تھا۔

اس کے اندر بہت سے خوف جاگ اٹھے۔ اس نے چاہا کہ وہ باہر نکل جائے لیکن اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کا راستہ روک لیا۔

''نہیں، آپ یہاں سے نہیں جاسکتیں...... بیٹھ جائیں آرام سے۔'' اس کے لہجے میں نامعلوم سی سختی تھی۔ ''یہ بیس دن میں نے یوں ہی ضائع نہیں کیے۔ اب واپسی کا بھول جائیں آپ۔''

''میں......''

اس نے کچھ کہنا چاہا تب ہی اس کا فون بج اٹھا۔ پاکٹ سے فون نکالتا ہوا ہاتھ کے اشارے سے اسے کچھ کہنے سے منع کرتا ہوا وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ وہ ساکت سی کھڑی تھی۔ یہ کیا ہوا تھا اس کے ساتھ، وہ یہاں کہاں پھنس گئی تھی۔

''نہیں، یا اللہ نہیں، میرے ساتھ کچھ برا مت کرنا۔'' وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی اور اسے کھولنا چاہا لیکن دروازہ باہر سے لاکڈ تھا۔ اس نے دو، تین بار کھولنے کی کوشش کی اور پھر بے یقینی سے دروازے کو دیکھتی ہوئی ہولے، ہولے پیچھے ہٹتی گئی، یہاں تک کہ بیڈ کے ساتھ ٹکرا کر رک گئی۔ وہ کتنی بھی بااعتماد اور بہادر کیوں نہ ہوتی، تھی تو وہ ایک لڑکی ہی۔ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔

''یہ شخص میرے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟'' اس نے اس کی آخری بات یاد کرنے کی کوشش کی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اس نے یہ بیس دن یوں ہی ضائع نہیں کیے۔

''تو کیا وہ مجھے کسی غلط نیت سے اٹھا کر لایا تھا اور اماں...... کیا خبر اس نے اماں کے متعلق بھی جھوٹ بولا ہو۔ کیا پتا اماں بہت زخمی ہوں، ابھی وہاں ہی ہوں اسپتال میں۔ لیکن بیس دن ہو گئے...... اوہ میرے خدا...... کیا کروں میں۔'' وہ اٹھ کر پھر سے دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگی اور دوپہر تک اس نے کئی بار کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کبھی رونے لگتی، کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتی، کبھی گڑگڑا کر اللہ سے دعا مانگنے لگتی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ ''وزیراں سے مدد مانگوں...... عورت ہے، شاید کہ وہ مجھ پر ترس کھائے۔ رحم آجائے۔'' لیکن جب تین بجے کے قریب دروازہ کھلا تو وزیراں کے بجائے خیر دین کھانے کی ٹرے اٹھائے اندر آیا تھا۔

''وزیراں...... ماسی وزیراں کہاں ہے؟'' بے اختیار ...... اس کے لبوں سے نکلا۔

''کام کر کے چلی گئی ہے اپنے گھر۔'' خیر دین نے ٹرے میز پر رکھی۔

اس نے سوچا وہ اس کی منت کرے لیکن وہ تو شکل سے ہی کوئی غنڈا لگتا تھا۔ یہ بڑی، بڑی مونچھیں، موٹی، موٹی آنکھیں جن میں سرخ ڈورے تیرتے رہتے تھے۔ اسے تو ویسے ہی خوف آتا تھا، اس سے ڈر لگتا تھا۔ ''ایسا نہ ہو کہ اس سے مدد مانگ کر میں کسی اور مصیبت میں پڑ جاؤں۔ وہ اجنبی شخص شکل سے مہذب اور پڑھا لکھا لگتا ہے۔ کیا خبر میری بات مان لے۔ منت کرلوں گی۔ ماں، بہن کا واسطہ دوں گی تو شاید...... یہ تو شکل سے ہی جنگلی لگتا ہے۔''

''سنو، آپ کے صاحب کہاں ہیں؟ مجھے ان سے بات کرنی ہے۔'' وہ جانے لگا تو اس نے روکا۔

''گھر پر نہیں ہیں۔'' اس نے لمحہ بھر کے لیے اس کی سوجی ہوئی آنکھوں اور ستے ہوئے چہرے کو تاسف سے دیکھا۔

''فون...... فون ہوگا؟ مجھے اپنے گھر فون کرنا ہے۔''

لیکن وہ کوئی جواب دیے بغیر باہر چلا گیا اور باہر لاک میں چابی گھمانے کی آواز آئی تو وہ اٹھتے، اٹھتے بیٹھ گئی۔ وہ یہاں قید تھی اور اسے یہاں سے نکلنا تھا لیکن کیسے...... کیسے نکل سکے گی وہ یہاں سے۔ شاید اب باقی ماندہ زندگی یہاں اسی قید میں گزارنی ہوگی۔ یہ شخص اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی لیکن وہ جو بھی سلوک کرے گا، وہ اچھا نہیں ہوگا۔ یقیناً اس کے ساتھ کچھ برا ہونے والا تھا۔

''یا اللہ مدد فرما۔'' اس نے پھر اپنے رب کو پکارا

اور آنسوؤں نے پھر یلغار کردی۔ ہاتھ گود میں دھرے وہ یوں ہی ساکت بیٹھی تھی۔ کبھی، کبھی ہاتھوں کی پشت سے چہرہ صاف کرتی لیکن تھوڑی دیر بعد رخسار پھر بھیگ جاتے۔ خیر دین برتن اٹھانے آیا تو تب بھی وہ ایسے ہی بیٹھی تھی۔ اس نے ٹرے کی طرف دیکھا۔

''آپ نے کھانا نہیں کھایا؟''

''بھوک نہیں ہے، لے جاؤ۔'' رو، رو کر اس کی آواز بیٹھ گئی تھی۔

''زندگی سے لڑنے کے لیے کھانا تو پڑے گا ہی بی بی، بھوکا رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' وہ ٹرے اٹھائے بغیر واپس چلا گیا تو اس نے ٹرے اپنی طرف کھسکائی۔ اسے یہاں سے نکلنا تھا اور بھوکا رہ کر اسے اپنی توانائی نہیں کھونی تھی۔ اگلے دو دن اس نے... خیر دین کے سوا کسی کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ وہ شخص جو اسے یہاں لایا تھا، پتا نہیں کہاں چلا گیا تھا۔ خیر دین سے وہ جب بھی آتا پوچھتی لیکن وہ جواب نہیں دیتا تھا۔ وہ سوچ، سوچ کر تھک گئی تھی لیکن کوئی راہ بجھائی نہیں دیتی تھی اور وہ شخص جس سے وہ کسی اچھائی کی امید لگائے بیٹھی تھی، وہ تیسرے دن آیا تو وہ بے قراری سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

''کہاں چلے گئے تھے آپ؟''

''اوہ...... یہ بے قراری۔'' وہ معنی خیز انداز میں مسکراتا ہوا روم چیئر پر بیٹھ گیا۔

''مجھے گھر جانا ہے۔ پلیز، مجھے گھر جانے دیں۔ آپ کو اللہ کا واسطہ۔ آپ نے مجھے یہاں کیوں قید کر رکھا ہے؟'' وہ روہانسی ہوئی۔

''بہت مشکل سوال ہے۔ یوں تو اس کے کئی جواب نکلتے ہیں لیکن اب ایک ہی جواب ہے کہ دل کو بھا گئی ہیں آپ۔ پہلے تو کچھ اور ہی مقصد تھا یہاں لا کر رکھنے کا لیکن اب جیسا کہ بتایا ہے کہ دل کو اچھی لگنے لگی ہیں آپ۔ اب تک کی زندگی تنہا گزاری ہے، اب جی چاہتا ہے کہ کوئی اپنی زندگی کا بھی ساتھی ہو جو میرے گھر آنے کا انتظار کرتا ہو، میرے لیے پریشان ہوتا ہو......

اور یہ سب احساسات آپ کو دیکھ کر، آپ سے ملنے کے بعد پیدا ہوئے ورنہ مجھے کبھی اپنی تنہا زندگی بری نہیں لگی تھی۔ مجھے کبھی اس کے متعلق سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی لیکن میں آپ کو آپ کی مرضی سے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ کچھ دیر ہونقوں کی طرح اسے دیکھتی رہی جیسے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو پھر فوراً ہی نفی میں سر ہلانے لگی۔

''نہیں، پلیز نہیں...... خدا کے لیے مجھے اپنے گھر جانے دیں۔''

''اپنے گھر......!'' وہ تمسخر سے ہنسا۔

''مجھے یہاں سے جانا ہے۔ میں جہاں بھی جاؤں آپ کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے کہ میرا گھر ہے یا نہیں لیکن مجھے یہاں نہیں رہنا۔ آپ مجھے یہاں قید کر کے نہیں رکھ سکتے۔'' اس کی آواز قدرے بلند ہوئی تھی۔

''اچھا...... لیکن میں نے تو آپ کو یہاں قید کر کے رکھا ہوا ہے۔'' اس نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''لیکن مجھے نہیں رہنا یہاں۔'' ضدی سے لہجے میں کہتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھی تو اس نے ہاتھ ذرا سا بلند کیا۔

''اوں ہوں...... کوئی فائدہ نہیں باہر جانے کا۔ گیٹ پر گارڈ ہے اور اسے حکم ہے کہ میری اجازت کے بغیر آپ یہاں سے جانے کی کوشش کریں تو آپ کو گولی مار دی جائے۔ اس لیے سکون سے بیٹھ جائیں۔''

اس نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اور نچلے ہونٹ کو بے دردی سے دانتوں تلے کچلتی ہوئی بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔ چند لمحے یوں ہی سر جھکائے بیٹھی رہی پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ عام سی شکل صورت کا تیس سے چالیس سال کی عمر کے درمیان کا مرد تھا۔ اس کا لباس اور انداز اسے دولت مند ظاہر کرتے تھے اور اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ وہ اس چمک کو کوئی نام نہیں دے سکی تھی۔

''آخر آپ ہیں کون اور کیوں میرے ساتھ ایسا کر رہے ہیں...... میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے......

آپ مجھے جھاڑیوں میں ہی پڑا رہنے دیتے، کیوں اٹھا کر لائے ہیں۔ کون ہیں آپ...... لڑکیوں کے بیوپاری، اسمگلر، ڈاکو...... کون ہیں؟'' وہ ہذیانی انداز میں بولتی چلی گئی لیکن وہ یوں ہی سکون سے بیٹھا اسے دلچسپی اور شوق سے دیکھتا رہا۔

''میں کون ہوں...... اچھا سوال ہے اور یہ جاننے کا حق آپ کو ہے...... کیونکہ آپ میری زندگی میں شامل ہونے جارہی ہیں، اس لیے میرے متعلق سب کچھ جاننا آپ کا رائٹ (حق) ہے...... میں جو کچھ آپ کو بتانے جارہا ہوں، اس کے متعلق چند خاص لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا...... آپ نے کہا...... کون ہوں میں، لڑکیوں کا بیوپاری...... تو میں لڑکیوں کا بیوپاری ہوں۔'' وہ اب سنجیدگی سے بات کررہا تھا۔ آنکھوں کی چمک اور لہجے کی شوخی ختم ہوگئی تھی...... وہ پھٹی، پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی اور اس کی رنگت زرد پڑگئی تھی۔

''میں یہاں سے لڑکیاں سمندر پار لے کر جاتا ہوں اور وہاں اپنے باس کے حوالے کردیتا ہوں۔ یہ لڑکیاں اپنی مرضی سے اپنی خواہشوں کے حصول کے لیے میرے جال میں پھنستی ہیں اور پھر......''

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کی زرد ہوتی رنگت کو دیکھا اور اس کے لبوں کے گوشے میں ایک مسکراہٹ نمودار ہوکر معدوم ہوگئی۔

''مجھے میرے کام کا معاوضہ ملتا ہے...... آپ سمجھ سکتی ہیں کہ ان لڑکیوں کا کیا انجام ہوتا ہوگا...... کچھ عرصہ کسی رئیس کے حرم میں رہ کر انہیں کبھی یورپ کے کسی نائٹ کلب میں بیچ دیا جاتا ہے اور کبھی باقی ماندہ زندگی وہ ایک کال گرل بن کر رہ جاتی ہیں...... میں اس کاروبار میں کیوں اور کیسے آیا؟ میں یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔''

نتاشہ نے اس لمحے اس کے لیے بے حد نفرت محسوس کی۔ چند دن پہلے تک یہ شخص اسے بے حد مہربان اور ہمدرد لگا تھا اور آج اتنا ہی قابلِ نفرت لگ رہا تھا۔

''آپ کو جب میں نے جھاڑیوں میں سے اٹھایا تو میری نیت بری نہ تھی۔ وہ محض انسانی ہمدردی تھی لیکن پھر آپ کے حسن نے میری نیت خراب کردی اور میں نے سوچا اتنی حسین لڑکی تو مجھے مالا مال کردے گی۔ منہ مانگا معاوضہ...... امیر زادے تو پاگل ہوجائیں گے یہ حسین چہرہ اور دلکش بدن دیکھ کر...... لیکن پھر کچھ دن گزرے تو مجھے اپنی تنہا زندگی کا خیال آنے لگا، کتنی عجیب بات تھی کہ میں نے کبھی اپنا گھر بسانے کا نہیں سوچا تھا۔ میں جو پیسے کمارہا تھا وہ بھلا میرے بعد کس کام کے تو مختصراً یہ کہ میں نے آپ سے شادی کا فیصلہ کرلیا۔ میں اپنے کاروبار میں کبھی بدنیت نہیں رہا۔ میں نے جتنی لڑکیوں کو فروخت کیا، کسی کو بری نظر سے نہیں دیکھا۔ آپ میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہیں۔ میری عمر اس وقت پینتیس سال ہے۔ پہلی بار میرے دل میں شدت سے یہ خواہش پیدا ہوئی ہے کہ میرا گھر ہو، بچے ہوں۔ میں آپ کو ایک اچھی اور بہترین زندگی دوں گا۔ میرے کاروبار کا آپ کی زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ گوجرانولہ اور لاہور میں میری کوٹھیاں ہیں۔ آپ جہاں رہنا پسند کریں گی، وہاں ہی رہ لیں گے۔ میں سال میں ایک دو ماہ کے لیے دو بار باہر جاتا ہوں...... اور باقی کا وقت میں یہاں اپنے گاؤں والے اس گھر میں رہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم ایک اچھی اور بہترین زندگی گزاریں گے۔ یوں بھی آپ کا اب اس دنیا میں کون ہے؟''

اسے جیسے یقین تھا کہ وہ انکار نہیں کرے گی لیکن اس نے نفرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی، کبھی بھی نہیں...... مر کر بھی نہیں۔''

''اچھا...... لیکن آپ کے پاس کوئی اور چوائس نہیں ہے۔'' اس کے چہرے اور لہجے کا رنگ بدلا تھا۔

''یا تو مجھ سے شادی کرلیں یا پھر کسی...... کے حرم کی زینت بن جائیں اور جب اس کا دل بھر جائے گا تو آپ کہاں ہوں گی پھر...... میں بتا چکا ہوں...... دوسرا کوئی آپشن نہیں ہے آپ کے پاس۔''

وہ کھڑا ہوگیا۔ اس کے لہجے میں جو کرختگی اور سختی

تھی، اس نے نتاشہ کو ڈرا دیا تھا۔ وہ خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ایک خوب صورت پاکیزہ زندگی یا......"

"ایک تیسرا آپشن بھی ہے۔" اس نے دل کڑا کر کے اس کی طرف دیکھا۔

"موت...... میں خود کو ختم کرلوں گی۔"

"حرام موت مریں گی آپ...... خیر، اچھا ہوا آپ نے بتادیا۔ میں اب خیر دین سے کہہ دوں گا کہ اور زیادہ دھیان رکھے آپ کا...... اور یہاں سے بھاگنے کا بھی مت سوچیے گا کہ گارڈ کے علاوہ کتا بھی ہے جو چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔"

اس نے جھرجھری سی لی۔

"میں کچھ دنوں کے لیے باہر جارہا ہوں۔ ایک ہفتہ ہے آپ کے پاس، اچھی طرح سوچ لیں...... میں آپ کے فیصلے کا احترام کروں گا۔ انتخاب آپ کا...... یہ یا...... وہ......"

بات مکمل کر کے وہ باہر نکل گیا۔ وہ ساکت اور سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔

"یااللہ میری مدد فرما، کیا کروں تو ہی مجھے کوئی راستہ دکھا۔ مجھے کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی۔" وہ اس شخص سے جو اتنے غلیظ کاروبار میں ملوث تھا شادی نہیں کرسکتی تھی...... بھلے وہ اسے کتنی بھی بہترین زندگی دے...... اور دوسری طرف کسی کے حرم کی زینت بننا...... آنسو ایک بار پھر اس کے رخساروں پر آہستگی سے بہہ رہے تھے اور وہ دعا کر رہی تھی، اللہ کو پکار رہی تھی اور اللہ اپنے بندوں کی پکار سنتا ہے۔ اس کی بھی سن لی گئی تھی۔

خیر دین کھانے کے خالی برتن اٹھانے کمرے میں آیا تھا اور پھر اسے یوں تڑپ، تڑپ کر روتے اور اللہ سے فریاد کرتے دیکھ کر اسی خاموشی سے واپس چلا گیا تھا جس آہستگی سے اس نے دروازہ کھولا تھا، اسی آہستگی سے بند کردیا تھا۔ اس نے برتن نہیں اٹھائے تھے۔

اس کا دل اس لڑکی کے لیے دکھی ہو رہا تھا۔ وہ دروازہ لاک کر کے خاموشی سے لاؤنج میں آکر بیٹھ گیا تھا لیکن اس کے کانوں میں اس کی سسکیاں، اس کا رونا، تڑپ، تڑپ کر اللہ سے فریاد کرنا گونج رہا تھا اور وہ...... بے چین سا تھا۔ اس کا باس ہفتے بھر کے لیے دبئی جاچکا تھا اس لڑکی کی کڑی نگرانی کا حکم دے کر۔ شاید اگلی بار وہ اسے بھی ساتھ لے جائے گا اور...... اگر وہ اس لڑکی کو چپکے سے گھر سے نکال دے تو...... اور یہاں سے نکل کر وہ کسی اور کے ہتھے چڑھ گئی تو...... پتا نہیں اس کا گھر کہاں ہے اور اگر وہ خود اسے اس کے گھر چھوڑ آئے تو...... گارڈ جبار سے کہے کہ باس کا فون آیا ہے، اس لڑکی کو کہیں پہنچانا ہے، جبار اپنے کام سے کام رکھنے والا آدمی تھا۔ اسے کبھی اس سے سروکار نہیں ہوتا تھا کہ کون آرہا ہے، کون جارہا ہے۔ چند بار پہلے بھی باس یہاں کسی نہ کسی لڑکی کو لے کر آیا تھا...... لیکن پھر اس کا اپنا انجام کیا ہوگا باس اسے زندہ نہیں چھوڑے گا...... اور اگر وہ کہیں روپوش ہوجائے تو اس کے بوڑھے ماں باپ، چھوٹے بھائی، ان کے بیوی بچے...... باس انہیں نہیں چھوڑے گا۔ اس کا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا جب وزیراں نے آکر بتایا کہ وہ کام ختم کر کے جارہی ہے۔ باس یہاں پر نہ ہوتا تو وہ کچھ جلدی چلی جاتی تھی۔ سالن وغیرہ تیار کر جاتی تھی اور وہ اپنے اور جبار کے لیے روٹیاں تنور سے لے آتا تھا۔

"ٹھیک ہے، تم جاؤ۔"

اسے جانے کا کہہ کر وہ پھر سوچوں میں کھو گیا۔ کئی سال پہلے وہ ایک چھوٹے سے گوٹھ میں رہتے تھے۔ تھوڑی سی زمین تھی، قناعت بھری پُرسکون زندگی تھی کہ ایک بااثر زمیندار کے بیٹے نے اس کی اٹھارہ سالہ اکلوتی بہن کو اٹھالیا۔ جس روز اس کی لاش ملی اسی روز اس نے اس کے بیٹے کو کلہاڑی کے وار کر کے اپنی دانست میں مار دیا تھا لیکن وہ بچ گیا تھا اور اسے جیل بھیج دیا گیا تھا جہاں اس کی ملاقات جس شخص سے ہوئی وہ اس کے باس کے باس کا بندہ تھا۔ اس سے دوستی ہوئی اور وہ اپنے ساتھ اسے بھی جیل سے نکال لے گیا۔ وہ اب اپنے گوٹھ نہیں جاسکتا تھا۔ جانتا تھا زمیندار اسے مروادے گا اور اس کے گھر والوں پر زندگی تنگ کر رکھی ہوگی...... اس کے اندر اب بھی ایک

آگ جل رہی تھی سوجیل کے اس دوست کے کہنے پر وہ باس کے بندوں میں شامل ہو گیا۔ باس نے نہ صرف یہ کہ اس کے گھر والوں کو گوٹھ سے نکال کر پنجاب کے ایک گاؤں میں سیٹل کر دیا، کھیتی باڑی کے لیے زمین بھی خرید کر دی جہاں وہ سکون سے زندگی گزار رہے تھے بلکہ اسے اپنے ساتھ باہر لے گیا۔ کئی سال وہاں رہنے کے بعد اس کی اپنی خواہش پر اسے پاکستان بھجوا دیا تھا جہاں اس کا باس ملک ایاز تھا جو لڑکیوں کو لے جانے کے علاوہ کئی دوسرے کام بھی کرتا تھا اور وہ یہاں اس کا مددگار تھا۔ دو تین بار باس کے حکم پر وہ بھی لڑکی کے ساتھ باہر گیا تھا۔ کبھی اپنی بہن کا خیال آتا تو اس کے اندر آگ دہکنے لگتی لیکن پھر اس خیال سے یہ آگ ٹھنڈی ہو جاتی کہ زمیندار کا بیٹا مُردوں سے بدتر زندگی گزار رہا تھا۔

آج اسے اپنی وہ شہزادی بہن بہت یاد آ رہی تھی اور وہ بے چین سا ہو کر اس بند دروازے کی طرف دیکھتا جس کے پیچھے وہ لڑکی تھی جس نے اسے آج اپنی بہن کی موت یاد دلا دی تھی۔ وہ اس لڑکی کی مدد کرنا چاہتا تھا لیکن کیسے؟ وہ سوچتا رہا...... سوچتا رہا اور جب رات کا کھانا دینے وہ اس کے کمرے میں گیا تو وہ نڈھال سی بیٹھی تھی۔ بیڈ سے ٹیک لگائے نیچے کارپٹ پر۔

''بی بی، یہ کھانا کھا لیں۔''

اس نے ٹرے نیچے کارپٹ پر اس کے سامنے رکھ دی۔ تو اس نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ایک مہربانی کرو بھائی، کہیں سے زہر لا دو مجھے۔''

اس کا دل جیسے لفظ بھائی پر تڑپ اٹھا۔ اس نے جیب سے موبائل فون نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے اس روز فون کا پوچھا تھا۔ اس نے جیسے جھپٹ کر فون لیا تھا۔ اس نے سوچا تھا وہ رابی کو فون کرے گی۔ وہ اس کی دوست ہے، اسے سمجھتی ہے۔ دو سال انہوں نے ایک روم میں گزارے ہیں پھر انہیں پتا ہو گا بس کے حادثے کا۔ وہ بتائے گی کہ سر پر چوٹ لگنے کی وجہ سے وہ کئی دن بے ہوش رہی تھی۔ وہ ایسا ہرگز نہیں کرے گی کہ اسے گھر میں گھسنے نہ دے۔ کانپتی انگلیوں کے ساتھ وہ نمبر ملا رہی تھی لیکن دوسری طرف سے کبھی ٹوں، ٹوں کی آواز آنے لگتی، کبھی ریکارڈنگ چلنے لگتی کہ یہ نمبر کسی کے استعمال میں نہیں ہے...... اس نے دل ہی دل میں رابعہ کا نمبر کتنی بار دُہرایا۔ شاید وہ کہیں کچھ غلط کر رہی تھی، بھول گئی تھی۔ اس نے نمبر بدل، بدل کر ملایا لیکن بے سود...... اس کے فون میں رابعہ کا نمبر save تھا لیکن اس کے ذہن میں تھا کہ یہ ہی نمبر ہو گا۔ اس کا فون تو اس کے شولڈر بیگ میں ہی رہ گیا تھا جو حادثے کے وقت اس کی گود میں تھا۔ اس نے.... بے بسی سے فون اس کی طرف بڑھایا۔ رابعہ کا لینڈ لائن نمبر اسے اچھی طرح یاد تھا۔

''کیا لینڈ لائن سے بات ہو سکتی ہے۔ کال بک کروانی ہو گی۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''باس نے چند سال پہلے جب یہ موبائل مجھے لے کر دیا تو احتیاط کی وجہ سے فون کٹوا دیا تھا۔'' اس کی آواز بہت آہستہ تھی، سرگوشی جیسی۔ نتاشہ کی آنکھیں یک دم آنسوؤں سے بھر گئیں تو اس نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''موقع ملتے ہی میں آپ کو یہاں سے نکالنے کی کوشش کروں گا پھر جو آپ کی قسمت۔''

پھر وہ پہلے والے برتن اٹھا کر فوراً ہی باہر چلا گیا اور باہر سے دروازہ لاک نہیں کیا کہ باس نے کہا تھا۔ ''اس کی اب ضرورت نہیں۔ وہ لاؤنج سے کچن تک جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن گیٹ تک جانے کی اجازت نہیں ہے اسے۔''

وہ چند لمحے بند دروازے کو دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھوں سے جھرنے بہہ نکلے اور وہ فوراً ہی شکرانے کے نفل ادا کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اللہ نے اس کی پکار سن لی تھی اور دشمنوں میں سے ہی ایک بندے کے دل میں اس کے لیے رحم پیدا کر دیا تھا.... بے شک اللہ بہت رحیم و کریم ہے۔

اور پھر دو دن بعد خیر دین کو موقع مل گیا۔ وزیراں ہر ماہ اپنے بیمار شوہر کو گوجرانوالہ ڈاکٹر کے پاس لے کر

جاتی تھی۔ اسے ٹی بی تھی۔ اس روز وہ گیٹ پر جبار کو بتا گئی تھی کہ وہ آج نہیں آئے گی، شوہر کو لے کر جانا ہے...... اور خیر دین نے فوراً ہی پلان بنالیا کہ آج کے بعد شاید اسے موقع نہ ملے کہ دو دن سے سوچ، سوچ کر اس کا دماغ تھک گیا تھا لیکن کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیسے وہ اس لڑکی کو یہاں سے نکالے کہ اس کا نام نہ آئے۔

ناشتا دینے گیا تو اسے کہہ آیا کہ ''آج وہ ذہنی طور پر تیار رہے۔ وزیراں نہیں ہے اور وہ کسی بہانے سے گارڈ جبار کو بھی کہیں بھیج دے گا تو وہ گیٹ سے نکل کر دائیں طرف چلی جائے۔ کچھ آگے جا کر بائیں مڑ جائے اور پھر سیدھا چلتی جائے تو سڑک آجائے گی۔ وہاں سے شاید کوئی سواری مل جائے، اللہ آپ کا مددگار ہو۔'' اس نے کچھ پیسے جیب سے نکال کر اسے دیے۔

''رکھ لیں، ضرورت پڑے گی۔''

''میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔'' اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

''میں ہمیشہ آپ کے لیے دعا کروں گی۔''

وہ بنا کچھ کہے واپس چلا گیا لیکن وہ اس وقت تک بے چین اور مضطرب رہی جب تک دوپہر کے وقت وہ دوبارہ نہیں آیا۔ اس پر عجیب سے گھبراہٹ طاری تھی۔

''آپ لاؤنج میں چل کر بیٹھیں بلکہ ٹی وی لگالیں۔''

پھر وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے گیٹ پر آیا۔

''جبار بھائی! میرا پیٹ خراب ہے اور معدے میں بھی درد ہو رہا ہے۔ ایک مہربانی کرو گے۔ اپنے لیے روٹیاں لے آؤ تنور سے۔ رات کا سالن پڑا ہے۔ شام کو تازہ پکا لوں گا۔ مجھے تو کچھ کھانا نہیں ہے اس وقت۔''

''ٹھیک ہے یارا، مہربانی کیسا، لے آتا ہوں۔ کہو تو تمہارے لیے بھی حکیم صاحب سے دوا لیتا آؤں؟''

جبار کا تعلق مردان سے تھا۔ کچھ ماہ پہلے ہی اسے رکھا گیا تھا۔

''نہ...... نہیں...... ٹھیک ہو جاؤں گا شام تک۔ وہ دراصل کل کچھ زیادہ کھا لیا تھا تو پیٹ اپ سیٹ ہو گیا تھا۔''

''ہاں یار، کل ماسی وزیراں نے پالک گوشت بنایا بھی تو مزے کا تھا۔ میں بھی تین روٹیاں کھا گیا تھا۔'' جبار خان نے قہقہہ لگایا۔

''یہ پیسے رکھ لو۔'' اس نے جیب سے روپے نکال کر اسے پکڑائے اور پیٹ پر ہاتھ رکھ کر دُہرا ہو گیا۔

''میں گیٹ بند کر کے باتھ روم جا رہا ہوں۔''

''ہاں، ہاں جاؤ...... میں بھی روٹیاں لینے جاتا ہوں۔''

جبار خان کے جانے کا اندازہ کر کے وہ تیزی سے واپس مڑا اور گیٹ کی جھری میں سے جھانک کر دیکھا۔ جبار خان کوئی پشتو گیت گاتا ہوا مست سا آبادی کی طرف جا رہا تھا۔ یہ گھر آبادی سے کچھ ہٹ کر تھا۔ پھر وہ تیزی سے تقریباً دوڑتا ہوا لاؤنج تک آیا۔

''آجاؤ بی بی، جلدی کرو۔'' وہ تقریباً دوڑتے ہوئے لاؤنج تک آئے تھے۔ خیر دین نے گیٹ کھول کر باہر دیکھا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ جبار خان بھی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اس نے اسے اشارہ کیا۔

''میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔ میں یہی ظاہر کروں گا کہ میں باتھ روم میں تھا اور تم گیٹ کھول کر چلی گئیں۔ جیسا میں نے بتایا تھا، اسی طرح کرو۔'' اس نے ہاتھ سے دائیں طرف اشارہ کیا۔

''وہ...... وہ کتا ہے یہاں؟'' وہ چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

''نہیں...... مطلب تھا تو مگر کچھ عرصہ پہلے مر گیا۔ اب جاؤ، اس سے پہلے کہ جبار روٹیاں لے کر آجائے، تم سڑک تک پہنچ جاؤ۔''

وہ ممنون نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی گیٹ سے نکل کر دائیں طرف چل پڑی اور وہ گیٹ کو یوں ہی نیم وا چھوڑ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ ملازموں کے لیے گیٹ کے پاس ہی باتھ روم تھا۔ اسے جبار خان کے آنے پر ظاہر کرنا تھا کہ وہ ابھی تک باتھ روم میں ہی تھا...... لیکن ابھی کچھ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اسے جبار کی آواز سنائی دی۔

''اوئے خیر دین، کدھر ہے، یہ گیٹ کیوں کھلا ہے؟ کیا وزیراں آگئی ہے...... چلو اچھا ہے تنور بھی آج بند تھا، روٹیاں نہیں ملیں۔''

اور خیر دین جو باتھ روم کے قریب ہی کھڑا تھا، جبار کی آواز سن کر فوراً باتھ روم میں گھس گیا تھا۔ چند لمحوں بعد گھبرایا ہوا سا باہر نکلا۔

''نہ...... نہ وزیراں تو نہیں آئی...... لیکن یہ گیٹ کس نے کھولا؟ میں تو بند کر کے گیا تھا۔ اوہ میرے خدایا...... وہ لڑکی...... کہیں وہ تو۔'' اس نے سر پر ہاتھ مارا۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' وہ بھاگتا ہوا اندر گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد اسی طرح بھاگتا ہوا باہر آگیا۔ ''وہ اندر کہیں نہیں ہے، کسی کمرے میں بھی نہیں۔ باس تو مار ڈالے گا۔''

''ابھی وہ زیادہ دور نہیں گیا ہوگا، ہم دیکھتا ہے۔'' جبار گیٹ سے باہر نکلا تو وہ بھی اس کے پیچھے تھا۔ وہ بائیں طرف جانے لگا تو جبار نے اس کا بازو پکڑا۔

''اِدھر...... میں نے موڑ پر کسی کے دوپٹے کی جھلک دیکھی تھی، یقیناً وہی ہوگی...... اور بھلا اس کڑکتی دوپہر میں کون اِدھر آسکتا ہے۔''

اب وہ دونوں تیز تیز چلتے ہوئے دائیں طرف جارہے تھے۔

''وہ یقیناً سڑک کی طرف ہی گئی ہوگی۔''

جیسے ہی ایک گلی بائیں طرف نظر آئی، جبار خان اس طرف بڑھا۔

''یا اللہ مدد فرمانا مظلوم کی، میری کوشش رائگاں نہ جانے دینا۔'' جبار خان کے ساتھ بھاگتے ہوئے... خیر دین دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا پھر دور روڈ کے کنارے وہ کھڑی نظر آگئی۔

''وہ رہی۔''

جبار خان نے اشارہ کیا اور اس کی طرف بھاگا۔ اس نے بھی شاید انہیں دیکھ لیا تھا کہ وہ روڈ کراس کر کے پوری قوت سے بھاگنے لگی تھی...... کبھی بھاگتے، بھاگتے مڑ کر دیکھتی...... پھر سڑک کے ساتھ بہتی نہر پر اس کی نظر پڑی اور اس نے بلا سوچے سمجھے نہر میں چھلانگ لگا دی۔

''او خانہ خراب۔'' جبار خان سڑک کے دوسری طرف ہی رک گیا تھا۔

''تمہیں تیرنا آتا ہے جبار؟'' خیر دین نے ڈرتے، ڈرتے پوچھا۔

''نہ...... اور تمہیں؟''

''نہیں، مجھے تو بچپن سے ہی پانی سے ڈر لگتا ہے۔'' خیر دین نے سچ بتایا تھا۔

''میرا چاچا سندھو میں ڈوب کر مر گیا تھا، تب سے۔''

''تو سمجھو مجھے بھی پانی سے ڈر آتا ہے۔'' جبار کے لبوں پر پُراسراری مسکراہٹ تھی۔

''خس کم، جہاں پاک۔'' اس نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

''ایسی لڑکیوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ مر جانا چاہیے بے غیرتوں کو۔''

''اور باس کو کیا جواب دیں گے؟''

''جو سچ ہے، ام بتا دے گا۔'' جبار خان نے... بے پروائی سے کہا اور پھر اس کی نظر سڑک پر کچھ فاصلے پر کھڑی گاڑی پر پڑی تو چونکا۔

''لگتا ہے گاڑی والے نے لڑکی کو نہر میں چھلانگ لگاتے دیکھ لیا ہے...... جلدی واپس چلو، کہیں ام پھنس ہی نہ جائیں۔''

اوہ وہ بہت بھاری دل کے ساتھ اس کے ساتھ تیز، تیز چلنے لگا۔

''کیا وہ گاڑی والا اسے بچا لے گا؟''

''پرائے پھڈے میں کوئی نہیں پڑتا، یارا چل۔'' جبار نے چلتے، چلتے اس کے بازو پر ہاتھ مارا۔

وہ اس کے اس طرح ڈوب مرنے پر دکھی بھی تھا اور کچھ مطمئن بھی کہ چلو عزت تو بچ گئی۔

وہ سر جھکائے چل رہا تھا اور آنکھوں کے سامنے جھاڑیوں میں پڑی اپنی شہزادی بہن کی لاش آرہی تھی۔

(باقی آئندہ)

صرف ایک قدم

ایمان شیخ

"کوئی بات بنی؟" اماں بڑی امید سے پوچھ رہی تھیں۔

"کہاں بنے گی۔" صفیہ خالہ سے صاف جواب نہ دیا گیا۔

"جانتی تو ہو...... ہر گھر میں لڑکیاں بن بیاہی بیٹھی ہیں اور جس گھر میں برسرروزگار لڑکا ہو تو اس پر تو سب کی نگاہیں لگی ہوتی ہیں...... ہر ماں یہی چاہتی ہے کہ وقت پر اچھی جگہ لڑکیوں کی شادیاں ہو جائیں۔ عجیب نفسانفسی لگی ہوئی ہے۔"

"اچھا......" وہ مایوس ہوئیں۔

"میں نے تو سوچا تھا تم سے کہہ رکھا ہے شاید میری سدرہ کا نصیب جاگ جائے۔" ٹھنڈی آہ ان کے لبوں سے خارج ہوئی۔

"میرا بھی یہی خیال تھا کہ سدرہ کی بات بن

جائے گی۔'' وہ بولیں''مگر...... دیکھو کہتی تو حلیمہ بھی ٹھیک ہی ہے۔ تین جوان بیٹیاں ہیں اور ایک کم عمر لڑکا...... چھوٹا تو مانو ابھی خرچہ لیتا ہے۔ کمانے کجانے کے لائق نہیں ایسے میں وہ بیٹیوں کو گھر میں بٹھا کر بیٹے کو پہلے بیاہ دے تو کیسے کام چلے گا...... تم بھی تو جوان بیٹے کی ماں ہو۔ بھلا تم چاہو گی کہ بیٹی کو چھوڑ کر بیٹا بیاہ دو؟''

خالہ صفیہ کی بات تلخ تھی...... مگر تھی درست...... مگر اماں کو پھر بھی بہت برا لگا۔

''میرے سینے پر چار سلیں دھری ہیں۔ بڑھتی عمر کی بیٹیوں کو گھر بٹھا کر اپنا اکلوتا سہارا کسی دوسری کے ہاتھ میں دے دوں تا کہ وہ میرے بیٹے پر قبضہ جما کر ہمیں نکال باہر کرے۔'' انہوں نے مستقبل کا نقشہ کھینچا۔

''میں کم نصیب تو کہیں پر بھی رہ لوں گی مگر میں ان کنواری لڑکیوں کا کیا کروں، پہلے ان کے گھر بسانے ہیں۔ کسی کنوئیں میں تو دھکا نہیں دے سکتی ناں۔'' وہ بری طرح بگڑی تھیں۔

''کہتی تو تم بھی ٹھیک ہو عابدہ...... مگر میں بھی صرف کوششیں ہی کر سکتی ہوں۔ اپنی پوری جان لگا رہی ہوں باقی تمہاری بیٹیوں کا نصیب، اچھا چلتی ہوں پھر آؤں گی......'' وہ کہہ کر نکل گئیں۔

سدرہ نے بہت بے بسی سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا۔ اب ان کا موڈ کئی دنوں تک خراب رہنا تھا اور سارا عتاب اب ان لڑکیوں نے ہی بھگتنا تھا۔

☆☆☆

''انکل میرے کپڑے سل گئے؟''

نرم سی نسوانی آواز پر کام میں مصروف اکمل نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

مسرت سے اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ لڑکی استاد کے کاؤنٹر پر کھڑی تھی۔

''نہیں بیٹا...... تھوڑا سا کام رہ گیا ہے۔ وہ دیکھو لڑکا آپ ہی کے سوٹ پر کام کر رہا ہے۔'' استاد نے اکمل کی طرف اشارہ کیا جو شرٹ پر پائپین لگا رہا تھا۔

لڑکی نے دیکھا تو وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''یہ ہاتھ روک کر کام کرتا ہے کیا؟'' ہلکی سی شوخی ملی سنجیدگی سے اس نے استاد سے پوچھا۔

''نہیں......؟ نہیں تو۔'' استاد نے غور سے دیکھا تو وہ شرمندگی سے سر جھکا کر اپنے کام میں لگ گیا۔

''اکمل بیٹا جلدی کر...... بٹی کو جوڑا دینا ہے۔'' استاد نے ہدایت کی۔

''انکل آپ نے کل کی تاریخ دی تھی۔ میں ایک دن لیٹ آئی ہوں پھر بھی تیار نہیں ہے۔'' اس لڑکی کے لہجے میں ناراضی در آئی۔ اکمل کے ہاتھ مزید تیز چلنے لگے۔

''بیٹا آپ بھی اسی علاقے میں رہتی ہو۔ آپ تو اچھی طرح جانتی ہو۔ کتنے گھنٹوں کی لائٹ جاتی ہے، سب کاروبار ٹھپ ہو جاتا ہے۔ کاریگروں کی دیہاڑی بھی جیب سے دینی پڑتی ہے۔'' استاد جی کے اپنے ہی مسائل تھے۔

''ٹھیک ہے۔ مگر میں اب یہاں رک کر تو انتظار نہیں کر سکتی۔''

''میں آپ کے گھر بھجوا دوں گا۔ مجھے آپ کے گھر کا پتا ہے، میں آپ کے والد کو جانتا ہوں۔''

''چلیں یہ ٹھیک ہے۔ مگر آج شام کو ہی بھجوایئے گا، آج کا وعدہ کر رہے ہیں ناں آپ...... کل نہ ہو......''

''نہیں نہیں...... بس تھوڑا سا کام ہے ابھی ہو جائے گا تو لڑکا خود لے آئے گا۔'' انہوں نے تسلی دی۔ اکمل کا چہرہ یہ سن کر خوشی سے کھل گیا...... اس نے چوری، چوری اس لڑکی کو جاتے دیکھا۔

گرین کرتی اور ٹراوزر نازک اندام سی لڑکی اس کی دل میں نہ جانے کب اتری تھی اسے پتا بھی نہ چلا تھا۔

یہ بھی اسی کے ہاتھ کا سلا ہوا تھا۔''کاش میں اس جوڑے میں اسے سجا دیکھ سکوں۔'' نازک نگوں سے سجا دلکش جوڑا آخری مراحل میں تھا، اکمل کی آنکھوں میں خواب سجنے لگے۔

☆☆☆

''مجھ سے نہیں ہوتا کام۔'' حنا نے جھنجلا کر کپڑے پھینکے۔

''اتنی گرمی اور حبس ہے...... دماغ پگھل رہا ہے اور ایک ہم ہیں کہ کمر کو تختہ بنا کر بس کام کیے جاؤ۔''

تھکن اس کے وجود سے عیاں تھی۔

''کیا ہوگیا ہے حنا جو کام چوری کر رہی ہو، ہم سب بھی تو اسی حبس اور گرمی میں بیٹھے کام کر رہے ہیں۔'' سدرہ سے چھوٹی فرح کو اس کا جھگڑنا ذرا نہ بھایا۔

''اتنی گرمی لگ رہی ہے اور لائٹ بھی نہیں ہے۔'' اس نے دوپٹے کو چہرے کے قریب لا کر ہوا دے کر تپش کم کرنے کی کوشش کی۔ تپش تو خاک کم ہوتی اس کے دوپٹے کا کونا کام کرتی دعا کی آنکھ میں جا لگا۔

''کیا مصیبت ہے۔ خود سے کام نہیں ہو رہا اور ہمیں بھی نہیں کرنے دے رہی ہو۔'' اس نے دھکا دیا۔

وہ ویسے ہی بگڑی ہوئی تھی دھکا لگنے سے اس کا غصہ آسمان تک جا پہنچا۔

''تم خود مصیبت ہو...... ذرا سا کام کیا کرنے لگی ہو لگتا ہے آسمان میں چھید کر دیا ہے۔''

''اور تم یہ بٹن لگا کر کون سے محل تعمیر کر لوگی جس میں ملکہ بن کر راج کرو گی۔''

سال دو سال کا فرق تھا ان دونوں میں اور باجی کا تکلف سدرہ اور فرح پر آ کر ختم ہو گیا تھا کہ سب ایک دوسرے کا نام ہی لیتی تھیں، سب ایک ساتھ بانس کی طرح بڑھ رہی تھی۔ لگتا نہیں تھا کون بڑی کون سب سے چھوٹی، ندا بھی پندرہ کے سن کو چھو رہی تھی۔

''فضول باتیں مت کرو ہم یہ عیاشی افورڈ نہیں کر سکتے کہ آج دل چاہا تو کام کیا اور جب نہ چاہا تو چھوڑ دیا۔'' سدرہ نے بڑے ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈانٹا۔ ''اپنا کام کرو یہ ہماری روزی روٹی ہے کام کریں گے تو پھر گھر کا چولہا جلے گا۔''

''اس گھر کا چولہا جلانے کی ذمے داری ہماری تو نہیں ہے ناں۔'' اس کے لہجے میں بغاوت تھی۔

''اس گھر کے چولہے پر پکا کھانا، کھانا ضرور تمہارا فرض ہے۔ اکیلے ابو کہاں تک بوجھ گھسیٹیں۔ مزدور آدمی ہیں وزیراعظم تو نہیں لگے ہیں ناں اور ویسے بھی استاد صاحب کی مہربانی سے یہ کام مل رہا ہے، کام نہیں کرو گی تو کیا کرو گی بس اسکول میں ٹیچر لگ جاؤ گی مگر میٹرک پاس کو تو یہاں کوئی ٹیچر بھی نہیں رکھتا اب

چپ کر کے کام کرو، میں کوئی آواز نہ سنوں۔''

چھوٹی ندا جو اس کے بل بوتے پر سستی دکھانے کا ارادہ کر رہی تھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور اس کے ہاتھ تیزی سے لیس لگانے لگے۔

چھوٹے سے کمرے میں چھ نفوس سانس لے رہے تھے۔ زندگی تو موجود تھی مگر زندگی کی کوئی رونق اور شوخی ان کے چہروں پر نظر نہ آتی تھی۔ کوئی نئی بات نہیں تھی نہ ہی کوئی خاص گھرانا۔ پاکستان کی 70 فیصد آبادی کی طرح جو غربت کی لکیر سے نیچے زندگی کی گاڑی گھسیٹ رہا تھا۔ انہی میں سے ایک عبدالحفیظ کا گھرانا تھا۔ شادی کے بعد پہلی بیٹی آئی تو خوشی کا اظہار کیا...... پھر دوسری آئی...... پھر تیسری...... اور پھر چوتھی......

خوشی بھی آخر کہاں تک ساتھ دیتی، آخر دم توڑنے لگی...... کہ اللہ کی رحمت سے اکمل دنیا میں آ گیا۔ اگرچہ بیٹیاں بھی رحمت ہی تھیں مگر کوئی سمجھے جب۔ بیٹے کا باپ ہونے کا فخر...... جیسے ان کی جوانی لوٹ آئی تھی، دعاؤں میں مزید شدت آنے لگی تھی میرے مالک، میرا ایک ساتھی، ایک اور بیٹا دے دے۔ اکیلا درخت جنگل میں بھی اچھا نہیں لگتا۔ ان کی امید ایک اور بیٹا تھا۔

اور...... امید ٹوٹ گئی۔

بیٹے کی آس میں دو مزید بیٹیاں بن بلائے مہمان کی طرح چلی آئیں۔ ابو کو ان سب سے محبت تھی مگر وہ چیزیں نہ دے سکے جن کی ضرورت تھی۔

بچپن سے ہی لڑکیاں محنت مزدوری کرنے لگی تھیں کبھی لسکٹ بنتے، تسبیح پروئی جاتی، کبھی سلائی تو کبھی کوئی اور کام ہر قسم کا کام جو بھی گھر میں بیٹھ کر ہو سکتا تھا ماں، بیٹیاں کرتی رہتیں اور زندگی کی گاڑی کو دھکا دیتیں مگر بوجھ تھا کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

اس مہنگائی نے اچھے اچھوں کے ہوش اڑا دیے تھے تو عبدالحفیظ کا گھرانا کس شمار میں تھا، روز بروز قد نکالتی ہوئی لڑکیاں اماں کو ایسا عفریت لگتی تھیں جو اُن کا خون چوسنے کو تیار تھیں۔ ان کے بڑھتے قد دیکھ کر ان کی سانسیں بند ہونے لگیں انہوں نے بہت ہاتھ پیر مارے لیکن غربت زدہ گھر کی معمولی شکل صورت کی

لڑکیوں میں کسی کو بھی دلچسپی نہ تھی۔ اماں کی فکر روز کے حساب سے بڑھ رہی تھی۔

جوڑا مکمل کرتے ہی وہ تیر کی طرح استاد کے پاس پہنچا۔

''استاد آسانی جوڑا مکمل ہوگیا ہے۔''

''ہاں...... تو ایسا کر...... مسجد والی گلی میں اندر جا...... چار پانچ مکان چھوڑ کر نیلے گیٹ والا حمید صاحب کا گھر ہے۔ کسی سے بھی پوچھ لے گا تو بتا دے گا جوڑا اس گھر پر دے آ۔'' استاد کی ہدایت نے اس کے دل کی کلی کھلا دی۔

''جی اچھا۔'' وہ دل میں پھوٹتی خوشی کو بمشکل دبائے جوڑے کا شاپر ہاتھ میں پکڑے دکان سے نکلا اور کچھ دیر میں وہاں جا پہنچا۔ مکان ڈھونڈنا کوئی مشکل کام نہ تھا دروازہ بجایا تو ایک بچہ باہر آیا۔

''جی بھائی......!''

''وہ ماسٹر صاحب نے سوٹ بھیجا ہے۔'' اس نے شاپنگ بیگ آگے بڑھایا۔

''کس کا ہے؟''

''یہ تو پتا نہیں...... تمہاری باجی کا ہے۔''

''کون سی؟'' بچے نے الٹا سوال کیا۔

''یہ اندر جا کر معلوم کرلو۔''

''اچھا...... آپ یہاں ہی رکیں۔'' وہ بیگ لے کر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تھا۔

''باجی تو سو رہی ہے، زوبیہ باجی نے رکھ لیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کچھ خراب ہوا تو خود آ کر بتا دیں گی۔'' بچے نے کہا۔

''زوبیہ......!''

شاید اس کا نام زوبیہ ہو۔'' اس کے لب مسکرانے لگے۔ وہ بہت خوش، خوش پلٹا تھا۔

☆☆☆

''دیکھ لڑکی...... اس مہنگائی کے دور میں، میں تمہاری دوستیاں نہیں نبھا سکتی۔ سختی سے منع کیا ہے میں نے سہیلیاں بنانے کو۔ اب یہ کون سی سہیلی پیدا ہوگئی ہے!'' اماں سخت جھلائی ہوئی تھیں۔

''ایک ہی تو میری سہیلی ہے۔'' ندا نے منہ بسورا۔

''ہاں تو...... گھر میں پانچ بہنیں موجود ہیں سب ساتھ برابر کی ہو۔ ان سے ہی بہناپا گانٹھو...... باہر سہیلی بنانا ضروری ہے کیا۔ نرا خرچہ...... ان کے گھر آنا جانا، ملنا ملانا شادی بیاہ سو مواقع نکلتے رہتے ہیں...... کسی کے گھر شادی بیاہ ہو تو 500 سے کیا کم دیں گے...... لحاظ مارتا ہے اور پتا ہے 500 کمانے کو کتنا خون پسینا بہانا پڑتا ہے۔ خرچ کرو تو مٹی کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔''

''اماں، بس مجھے نہیں پتا...... مجھے جانا ہے اُدھر۔'' چھوٹی تھی تو ضد کرلیا کرتی تھی۔

''ابھی دوں گی ایک ہاتھ...... چل جا، جا کے کام کر۔'' ندا اٹھی، دروازے پر دستک ہوئی تو اسی نے کھولا۔

سامنے اکمل تھا خوش اور سرشار۔

اس نے بہن کے اترے چہرے پر نظر بھی نہیں ڈالی۔

''اماں، کھانا دو۔'' وہ چھوٹے سے برآمدے میں بچھی چارپائی پر لیٹ گیا۔

''چل جا کے بھائی کو کھانا دے۔''

اماں نے حکم دیا۔ وہ مرے قدموں سے کچن میں چلی آئی...... کھانا ٹرے میں سجا کر اکمل کے آگے رکھا، چہرے کی مردنی اس سے چھپی نہ رہ سکی۔

''کیا بات ہے؟ کیوں منہ لٹکا ہوا ہے؟''

''بھائی، میری ایک سہیلی ہے اور اس کی بہن کی شادی ہے۔ وہ ہمیں دعوت دے کے گئی ہے۔'' اس نے جھٹ اپنی پریشانی بتائی۔

''میں نے صاف منع کردیا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے جانے کی۔'' اماں فوراً بولیں۔

''یہ دوستی کا عذاب مت پالا کر، میرے پاس پیسے نہیں۔'' انہوں نے فوری سارا معاملہ گوش گزار کردیا۔

اکمل نے ایک نظر ماں کو دیکھا۔ چھوٹی، چھوٹی خوشیوں اور ضرورتوں پر صبر کا گھونٹ پینے والی گھر کی گاڑی کو بمشکل اپنی محنت سے چلانے کی کوشش کرتی تھی۔ ان کی زندگی جہدِ مسلسل تھی جس کا کوئی انت نہ تھا ایسے میں کوئی چھوٹی سی خوشی بھی جگمگاتی تو اماں اپنے کھردرے رویے سے اسے بجھا کر رکھ دیتی وہ بھی کیا کرتیں مجبور

تھیں۔ آج کل کے حالات میں جینا ہی دوبھر تھا۔

''اماں، یہ ندا کیا کہہ رہی ہے۔''

''شادی میں جانے کی ضد کر رہی ہے، ضروری ہے کیا۔ چلو اگر سہیلی کی خود کی ہوتی تو سمجھ بھی آتا...... مگر اس کے گھر والوں کی شادی بیاہ میں جانا ضروری نہیں۔ ہنہ...... بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ۔''

''جانے دو اماں، میں چھوڑ آؤں گا۔''

''مگر......'' اماں نے کچھ کہنا چاہا۔

''پیسوں کی فکر مت کرو، اوور ٹائم لگایا تھا، استاد نے ہزار روپے دیے ہیں 500 اس کو دے دو اور پانچ سو تم رکھ لو۔'' اکمل نے حجت تمام کردی۔

ندا کے چہرے پر خوشی کے رنگ بکھر گئے۔

''شکریہ بھائی۔'' وہ بے حد ممنون تھی۔

اکمل بھی آج بہت خوش تھا۔ اس کے دل میں پہلی خوشی بن کر آنے والی ہستی کے گھر کا پتا جو چل گیا تھا۔

☆☆☆

اکمل کے سیے ہوئے کپڑے اسے شاید پسند آ گئے تھے۔ لڑکی دوبارہ نہیں آئی۔ روز راہ دیکھتا مایوسی ہوتی۔

''کوئی نقص کر دیتا تو ٹھیک تھا، کپڑے ٹھیک کروانے کے بہانے ہی شاید آ جاتی۔'' اسے اپنی عقل پر افسوس ہوا مگر اب کیا کر سکتا تھا۔

خواہ مخواہ گلی کے چکر بھی لگائے مگر وہ تو ایسے غائب تھی جیسے گدھے کے سر پر سے سینگ، اکمل صبر کر سکتا تھا اور وہ کر رہا تھا۔

اس دن اس نے جوشِ جذبات میں ندا کو لانے کی ذمے داری تو لے لی تھی پر اب وہی جھنجلاہٹ کا سبب بن رہی تھی۔ دل پہلے ہی بیزار تھا...... کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ مگر مجبوری تھی بہن کی خوشیوں کو دیکھتے ہوئے وہ انکار نہیں کر سکا۔

محلے میں ہی شادی ہال بنا تھا وہ ندا کو چھوڑنے چلا گیا۔ تو دروازے پر وہی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ کا سلا ہوا وہی آسمانی سوٹ پہنے، خوب صورت میک اپ میں بے حد حسین لگ رہی تھی۔

اکمل نے دکان پر ہمیشہ اسے سادہ انداز میں دیکھا تھا مگر آج دلکشی عروج پر تھی۔

ندا اس سے گلے ملی۔ وہ اس سے مہندی پر نہ آنے کا شکوہ کر رہی تھی۔

اکمل تو جیسے ساکت ہی رہ گیا۔

جس کی ایک جھلک پانے کے لیے وہ گلیوں میں مجنوں بنا رہا تھا آج وہ سامنے بھی آئی تو کیسے ہوش اڑاتے ...... روپ کے ساتھ...... بارات کا استقبال کرنے کو تیار ہاتھوں میں پھولوں کی تھالی لیے...... اور لبوں پر دلفریب مسکراہٹ......

ہر منظر جیسے پس منظر میں چلا گیا یوں لگا جیسے ایک اس کا چہرہ تمام منظروں پر حاوی ہے۔

ندا نے بہت اصرار کیا تھا کہ پورے گھر کی دعوت ہے وہ بھی چلے مگر وہ اپنی بیزاری کے سبب انکاری تھا۔ اب افسوس ہوا تھا کہ کاش وہ بھی تیار ہو کر آ جاتا۔

محلے کے لوگ بھی نظر آ رہے تھے بارات کے آنے کا شور ہوا تو سب لوگ آگے بڑھ گئے اور اکمل اکیلا وہیں کھڑا رہ گیا۔

لیکن اس کا دل خوشی سے سرشار تھا، پہلی بار ندا کے دوست بنانے کی عادت اسے پسند آئی تھی مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چھوٹی بہن سے اس موضوع پر بات کیسے کرے۔

وہ ان کا اکلوتا بھائی تھا مگر بہنوں سے زیادہ.... بے تکلفی نہ تھی جو کہ اکثر گھرانوں میں ہوتی ہے۔ وہ اسی ادھیڑ بن کا شکار تھا۔

☆☆☆

دن گزرتے جا رہے تھے۔

کب تلک ذہن کی دیوار پہ پہرہ دیکھوں
دل یہ چاہتا ہے کہ گھر جاؤں تو تیرا چہرہ دیکھوں

عجب بے کلی سے دن گزر رہے تھے۔ وہ دوبارہ دکان پر بھی نہیں آئی۔ دل و دماغ پر عجیب سی بے چینی طاری تھی۔ وہ تھکا ہارا گھر آیا تو کمرے سے آتی ہنسی کی آواز نے قدم روک لیے پہلے وہ کوفت کا شکار ہوا۔

''پتا نہیں یہ لڑکیاں اتنا ہنستی کیوں ہیں۔''

حالانکہ اس کے اپنے گھر میں پوری چھ لڑکیاں تھیں جو

بمشکل مسکراتی تھیں۔

وقت اور حالات نے مسکرانے کا ہنر بھی چھین لیا تھا۔

''بھائی دیکھیں، کتنی پیاری تصویر آئی ہے۔'' وہ البم لیے کھڑی تھی۔

اس نے بیزاری سے نگاہ اٹھائی تو نگاہ پلٹ کر آنا بھول گئی۔ تصویر میں ندا کے ساتھ وہ ہی کھڑی تھی۔

''بہت پیاری ہے۔'' اس نے بے اختیار کہا۔

اسی آسمانی سوٹ میں وہ خود ندا کے ہمراہ کھڑی تھی۔

''یہ تو دکھانے ہی نہیں دے رہی تھی، آپ اپنے موبائل سے ذرا تصویر لے لیں البم تو یہ واپس لے جائے گی۔''

ندا نے اس کے دل کے چھپی خواہش کو لفظوں کا پیراہن دیا۔

اچھا تھا......اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔

''شکریہ بھائی۔'' وہ واپس چلی گئی اکمل کو ندا پر بہت پیار آیا نادانستگی میں ہی سہی مگر اس کے دل کو قرار دینے کا سبب وہی بنی تھی۔

اسکرین پر جگمگاتا دلکش سراپا اس کے بالکل سامنے تھا جیسے چاند اتر کر اس کے سامنے مدھر کرنیں بکھیر رہا ہو۔

رستے خود بخود آسان ہو رہے تھے۔

کہاں نام تک پتا نہ تھا اور کہاں وہ اس کے سامنے اپنے روپ کی سحر انگیزی سمیت موجود تھی۔

دل کے آنگن میں بہار کا پہلا پھول کھلا تھا ایک دلکش احساس ہر سو تھا۔ محبت کے ساتھ لمحہ، لمحہ گزر رہا تھا۔ زندگی کی تکلیفیں کچھ معدوم محسوس ہو رہی تھی۔

وہ ناشتا کر رہا تھا کہ اماں اس کے پاس آ بیٹھیں۔

''یہ صفیہ بھی عجیب بات کرتی ہے۔ اکمل چار بڑی لڑکیوں کو چھوڑ کر پانچویں کا رشتہ لے آئی اور اس پر بھی بضد کہ ہاں کر دو...... بھلا کیسے ممکن ہے۔ پہلے ہی سدرہ کے رشتے کی وجہ سے پریشان ہوں، عمر ڈھلنے لگی ہے۔ ایسے میں چھوٹی کا رشتہ طے کر دینا کیسی عجیب بات ہوگی۔''

''لڑکا کیا کرتا ہے اماں؟''

''سرکاری نوکری ہے کسی آفس میں۔ گھر اپنا ہے۔ دو بہنیں ہیں جن کی شادی ہوگئی ہے۔ عمر میں نمرہ سے بڑا ہی ہے۔ ماں بیمار ہے۔ لڑکے کی شادی کرنی ہے، کوئی سلجھی ہوئی لڑکی چاہیے اس لیے صفیہ اصرار کر رہی ہے مگر میرا دل نہیں مانتا۔''

''اماں رشتہ تو اچھا ہے۔''

''ہاں رشتہ تو بہت اچھا ہے۔''

''اماں میرے نصیب کی سزا نمرہ کو کیوں دے رہی ہیں۔ چھوٹی بہنوں کے لیے خوشیوں کے دروازے کھلنے لگے ہیں تو میرے وجود کا پہاڑ کھڑا کر رہی ہیں۔'' سدرہ اماں کے لیے چائے کا کپ لے آئی تھی۔

''بس آپ میری فکر چھوڑ دیں۔'' وہ برداشت کے کڑوے گھونٹ بھرے کھڑی تھی۔

''زمانے سے تھو، تھو کرا لوں۔'' اماں حسب عادت بپھر گئی تھیں۔

''زمانہ تو اب بھی تھوتھو کر رہا ہے کہ بڑی کے چکر میں چھوٹی بچیوں کی بھی عمر گزار رہی ہیں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑیں اماں آگے کا سوچیں۔''

''اچھا بس رہنے دو۔ مجھے عقل نہ سکھاؤ۔ جو زمانے کی ریت ہے میں وہی کروں گی۔ اب کیا اکمل کہہ دے کہ میری شادی کرا دو تو کیا کرا دوں گی۔ ہرگز نہیں۔ جب تک تم لوگوں کا بوجھ میرے سینے سے اتر نہیں جاتا میں اس کے بارے میں سوچو بھی نہ۔''

اکمل کے حلق میں نوالہ اٹکا۔

اماں کی ضدی، سفاک سوچ اور زمانے کے رواجوں نے اس کے محبت بھرے دل میں ابھرنے والی نازک سی کرن کا یک لخت خون کیا تھا۔

سدرہ چپ چاپ پلٹ گئی۔

اکمل سر جھکا کر رہ گیا۔ اماں کی باتوں نے اس کے دماغ میں طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ وہ سخت پریشانی کے عالم میں تھا۔

جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو اس نے بحالتِ مجبوری ندا کو ہمراز بنا لیا۔ وہ تو خوشی سے اچھل پڑی۔ اسے یقین ہی نہیں آیا۔ مگر ندا کا سنجیدہ انداز اسے کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا۔

اس نے زوبیہ سے بات کرنے کی ٹھان لی۔

سارا معاملہ زوبیہ کے گوش گزار کیا تو اسے بھی حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ وہ اسے ایک ٹیلر کے طور پر جانتی تھی۔ یہ تو بعد میں پتا چلا کہ وہ ندا کا بھائی ہے اور اب پسندیدگی کا اظہار...... وہ سوچ میں پڑ گئی۔

ندا کے بار، بار اصرار پر وہ اچھی لڑکیوں کی طرح ساری ذمے داری اپنے والدین پر ڈال کر بری الذمہ ہوگئی تھی۔

اگر اس کے والدین اکمل کے حق میں کوئی فیصلہ کرتے ہیں تو اسے کوئی اعتراض نہیں...... مگر وہ اکمل سے کوئی رابطہ نہیں کرے گی...... اس کی عمر کم تھی مگر سوچ میں پختگی تھی۔

اکمل کو یہ بات اچھی لگی اس کے لیے اتنا ہی بہت تھا کہ زوبیہ نے انکار نہیں کیا تھا۔ باقی معاملہ اس نے اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا تھا۔

"دیکھ عابدہ ضد چھوڑ مان جا...... یہ سوچ اللہ جس کا نصیب کھول رہا ہے اپنی ضد سے اس دروازے کو بند مت کر...... رشتہ ہوگا تو لوگوں سے ملنا ملانا ہوگا ناں پھر اور رشتے آئیں گے۔ گھر بیٹھے کون پوچھے گا۔ تیری لڑکیاں کہیں آتی جاتی بھی نہیں اور یہ سوچ...... چھ میں سے ایک کم ہی ہوگی۔" خالہ صفیہ پھر آئی بیٹھی تھیں۔

"نہیں پہلے سدرہ کا سوچ...... پھر فرح کے بارے میں بتا۔ بڑیوں کو دیکھنا ہے نمرہ کا نمبر تو بہت آگے ہے، میں نہیں کرسکتی۔"

نمرہ کا دل مرجھا کر رہ گیا۔ فطری جذبے کی وجہ سے دل میں خوشی کی رمق جاگی تھی کہ اس کا بھی اپنا گھر ہوگا۔ دکھ درد کا ساتھی ہوگا۔ مگر اماں...... اماں کو تو ہمیشہ سدرہ کا ہی خیال رہتا ہے۔ ہماری تو کوئی فکر ہی نہیں۔" اس نے اپنی بہنوں سے کہا۔

[illegible] کڑواہٹ سی آنے لگی۔

[illegible]

"اماں چھوڑ دیں بھے...... [illegible] بہنوں کے آگے ذلیل نہ کریں۔ ان کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔" سدرہ ڈٹ کے کھڑی ہوگئی۔

نمرہ کی آواز سن کر وہ شرم سے زمین میں گڑ گئی تھی۔

لمحے بھر میں آنے والی کڑواہٹ کی جگہ اب شرمندگی نے لے لی تھی۔

یہ تو اماں کا فیصلہ تھا۔ اس میں سدرہ کا کیا قصور تھا۔ دل سے بدگمانی کی گرد جھڑ گئی تھی۔

"اور تم دنیا کے سامنے مجھے ذلیل کرواؤ گی۔ شادی بیاہ کے معاملے میں لڑکیاں بولتی اچھی نہیں لگتیں۔" انہوں نے جھڑک دیا۔

"میں اپنی شادی کی نہیں اپنی بہن کی شادی کی بات کررہی ہوں اور سب کے سامنے یہ بات ہوگی۔ اکمل تم بھی

سنو۔'' اس نے گھر میں داخل ہوتے اکمل کو پکارا۔

''آج فیصلہ ہو کر رہے گا۔ دعا جاؤ، ابا کو بلا لاؤ۔''

''یا خدا..... لڑکی تجھے کیا ہو گیا ہے۔ باپ کو دو گھڑی آرام تو کرنے دے۔ ڈیوٹی کر کے آئے ہیں۔''

اماں کو بہت برا لگا خالہ صفیہ کے سامنے۔

''یہ بات آرام سے زیادہ ضروری ہے۔'' نمرہ کی آنکھوں میں ابھرتے منفی جذبات اس کے حساس دل کو توڑ گئے تھے۔

وہ بہنوں کی نظروں میں ذلیل ہو کر زندہ نہیں رہنا چاہتی تھی، وہ ان کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہتی تھی اللہ نے اپنی رحمت گھر پر نازل فرمائی تھی تو کیا یہ ضروری تھا کہ دنیا والوں کی خاطر کفرانِ نعمت کیا جاتا..... اگر ایک کے حصے میں خوشیاں آ رہی تھیں تو زبردستی اس کی زندگی میں تلخیاں بھر کر اسے ضرورتوں کی زنجیروں میں باندھ دینا کہاں کا انصاف تھا۔

ابا نا سمجھی سے سب کو دیکھ رہے تھے۔ ماں اسے گھور رہی تھیں۔

''بھائی صاحب، نمرہ کے حساب سے بہت اچھا رشتہ لائی ہوں مگر عابدہ راضی نہیں ہے کہ پہلے سدرہ کا رشتہ کروں گی پھر فرح کا پھر باقی لڑکیوں کا..... رشتہ بہت اچھا ہے لیکن وہ لوگ اتنا انتظار نہیں کریں گے۔ جہیز وغیرہ کی بھی کوئی شرط نہیں ہے مگر اس کی سمجھ میں بات ہی نہیں آ رہی۔'' صفیہ خالہ نے مختصر پیرائے میں سارا معاملہ بیان کیا۔

''اچھا تو یہ بات ہے۔'' ابا سوچ میں پڑ گئے۔

''تم کیا کہتے ہو اکمل؟'' اکلوتے بیٹے کی رائے جاننا بھی ان کے لیے بہت ضروری تھی۔

''صفیہ خالہ اور سدرہ آپی ٹھیک کہہ رہی ہیں ابا۔'' اکمل نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ اماں بھڑک اٹھیں۔

''تم تو ٹھیک کہو گے..... تمہاری بلا سے کسی کا بھی رشتہ کر دوں، چار بڑی بہنیں ہیں دو چھوٹی بہنیں ہیں۔ میں یہ ریت ڈال دوں تو تم بھی کل ک[illegible] گے..... [illegible] سرے ہو جاؤ [illegible] میری شادی کر دو۔ تمہارے بھی ارمان جاگ جائیں گے تبھی تو تمہیں یہ سب کچھ ٹھیک لگ رہا ہے۔'' اماں نے اسے بری طرح رگید دیا۔

اکمل کو سخت بے عزتی محسوس ہوئی۔

''جو آپ کا دل چاہے وہ کریں۔'' وہ غصہ ضبط کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''آرام سے ذرا..... جوان اولاد سے بات کرنے کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔'' پھر صفیہ خالہ سے مخاطب ہوئے۔

''بہن آپ لڑکے کی تصویر اور تفصیلات لے کر آئیں تو میں معلومات کرتا ہوں۔''

''ارے اس کی کیا ضرورت ہے جب کرنی ہی نہیں ہے۔'' اماں نے کہنا چاہا۔

''تم چپ رہو۔'' ابا نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روکا اور پاس کھڑی سدرہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''تمہاری ماں بھی غلط نہیں ہے بیٹا..... اس نے بھی زمانہ دیکھ رکھا ہے..... تم میری صابر بچی ہو..... اللہ تم سب کو خوش رکھے۔'' ابا باہر نکل گئے تھے۔

اماں کا غصے سے برا حال تھا۔ سدرہ کے دل کو اطمینان تھا کہ ان شاء اللہ کچھ اچھا ہی ہوگا۔

☆☆☆

''بہنوں کو نمٹاتے نمٹاتے تو چالیس کا ہو جائے گا..... اور وہ تیرے انتظار میں لڑکی کو بٹھا کر نہیں رکھیں گے..... سوچنا بھی مت۔'' اس کے جگری یار نے بڑی بے جگری سے اس کے جگر پر وار کیا۔

وہ بلبلا کر رہ گیا۔

''سدرہ باجی ٹھیک کہتی ہیں..... جس کا بھی نمبر آئے شادی کر دو..... لوگ باتیں بنائیں گے۔ اس بات پر خواہ مخواہ کا غصہ کریں گے مگر تمہارا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔''

''تو ٹھیک کہتا ہے یار۔'' اس کو بھی سمجھ آ رہا تھا۔ ''مگر اماں کو کون سمجھائے گا؟''

''وق[illegible] [illegible]ت..... چھ باتیں وقت پر چھوڑ دے، کچھ کے لیے ہاتھ پیر مار..... اللہ مدد کرے گا۔'' اس نے تھپکی دی۔

اکمل کے دل میں سکون اترا تھا۔

''لو بھلا بتاؤ......لوگوں کی شرم وحیا ہی ختم ہو گئی ہے۔ بیچ چوراہے میں بیچ آئے ہیں......میں تو سمجھی تھی کہ میرے ہی گھر والوں کے دماغ الٹ گئے ہیں مگر یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ جس کا دل چاہتا ہے وہ اپنے سُر بکھیرنے لگتا ہے۔''

اماں نے سبزی کا تھیلا زور سے تخت پر پٹخا چادر کھینچ کر اتاری اور غصے سے پلو سے ہوا دینے لگیں۔ مزاج اتنا برہم تھا کہ کسی کو پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ فرح بھاگ کر پانی لے آئی۔

پانی پی کر ان کے اوسان بحال ہوئے۔ خود ہی بولنے لگیں۔

''ساجدہ ملی تھی بازار میں، بات چیت کرنے لگی۔ باتوں، باتوں میں پوچھنے لگی کہ بہو کب لا رہی ہو۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ جب بیٹیاں جائیں گی۔ کہنے لگی کہ لڑکے کو بوڑھا کر کے کرو گی۔ اس کی تو ساری عمر تمہاری لڑکیوں کو ٹھکانے لگانے میں گزر جائے گی۔ اپنا فرض پورا کرو لڑکیوں کے رشتے تو تمہارے ہاتھ میں نہیں ہیں مگر لڑکے کا تو ہے۔ ڈال دو کہیں رشتہ......اور فرض ادا کرو......کسی کے کندھے ہلکے کرو گی تو اللہ تمہاری بھی ذمے داری کم کر دے گا۔ مجھے تو اس کی بات پر آگ ہی لگ گئی......میں نے کہا اللہ کو مانو، سات پہاڑ میری جان پر ہیں۔ میں ایک اور لے آؤں...... بہو کے ساتھ ہی بیٹا دور ہو جائے گا۔ اپنی بہنوں کو دیکھے گا یا اپنے گھر بار کو......سال بھر میں گود ہری ہو جاتی ہے اور مزید مشکلات کا شکار ہو جائے گا۔ پاگل نہیں ہوں جو میں ایسا فیصلہ کروں، توبہ......لوگ سوچتے سمجھتے نہیں ہیں جس کا دل چاہتا ہے منہ پھاڑ کے بول دیتا ہے۔'' اماں کی بات نمرہ کے دل میں گڑ گئی تھی۔

''میرا بھائی بہنوں کی ذمے داریوں کے بوجھ تلے دب کر اپنی محبت اور خواہش کے لیے تڑپتا رہ جائے گا۔'' اس کا دل تڑپ کر کے رہ گیا۔ ایک نظر اماں پر ڈالی۔

کسی زمانے میں اماں خوب صورت رہی ہوں گی۔ مگر اب وقت کے بے دردوار نے اور حالات کی ستم ظریفی نے ان کے چہرے سے نرمی چھین کر ان کو ایک سخت گیر شخصیت میں تبدیل کر دیا تھا۔ وہ انہیں دیکھتی رہی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

''آپ بہت اچھی ہیں اماں!''

ماں کے چہرے پر حیرانی پھیلی۔

''کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں......ایسے ہی دل میں ایک خیال آیا تھا کہہ دیا۔''

''اچھا۔'' انہیں عجیب سا لگا مگر چپ رہیں۔

''نصرت پھپھو سے ملاقات ہوئی، کیسی ہیں وہ؟''

''وہ ٹھیک ہی ہو گی......اسے کیا ہونا ہے۔''

''علی اور ٹیپو کو بھی کافی دنوں سے نہیں دیکھا۔''

''دیکھ کر کرنا بھی کیا ہے۔ اچھی ملازمت مل گئی ہے۔ دن پھر گئے ہیں۔ اب ہم انہیں کیوں یاد ہوں گے۔''

''پر وہ تو آپ کی کزن بھی ہیں اور بچپن کی سہیلی بھی۔''

''جب غریب ہوتے ہیں تو قریب ہوتے ہیں اور جب پیسے کی گرمی بڑھتی ہے تو لوگوں کو غریب رشتے داروں سے گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔''

''اب ایسے بھی امیر نہیں، ہم سے کچھ ہی بہتر ہیں۔ اللہ اور بہتر کرے۔'' اس نے دل سے دعا دی تھی۔

''کتنا اچھا ہو کہ وہ ہماری ایک بہن کا رشتہ لے لیں۔''

''اچھا تو ہے مگر وہ مانے گی نہیں۔ دو ہی تو بیٹے ہیں اور دو بیٹیاں، بڑی کی تو ہو گئی چھوٹی کے لیے ڈھونڈ رہی ہے۔ پہلے بیٹی کی کرے گی پھر بیٹوں کے بارے میں سوچے گی۔''

''آپ کی طرح امی!'' سدرہ کے لہجے میں اداسی تھی۔ ماں سہم کر رہ گئی۔

''جب ساری مائیں ہی اس طرح سوچیں گی تو بیٹیاں کیسے رخصت ہوں گی۔ ہر بیٹی کسی نہ کسی کی بہو تو بنے گی ناں۔ بہو نہیں لاؤ گے تو بیٹیاں کیسے بیاہی جائیں گی۔ سب اپنی بیٹیاں دینے کی فکر میں ہیں، بیٹیاں لینے کی فکر کوئی نہیں کرتا۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اماں نے کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ حلق میں ہی دم توڑ گئے تھے۔

❁❁❁

سلسلے وار ناول

محبت، وفا، الفت کی آزمائش کے معنی سمجھاتی ایک دل نشیں تحریر

آزمائش محبت کی اور حوصلہ وفاداری کے لیے بنیادی شرط ہے، پیار کی کٹھن راہوں اور الفت کے خاردار راستوں پر چلتے ہوئے وفا کی منزلوں کو سر کرنا، اور محبت کی معراج تک پہنچنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ انسان کو قدمؑ قدم پر اپنا حوصلہ آزمانا پڑتا ہے، آزمائش کے تپتے ہوئے ریگ زاروں سے گزرنے کے دوران اگر حوصلہ ہی ساتھ چھوڑ جائے تو لوگ مر بھی جاتے ہیں لیکن کچھ خوش قسمت ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ اگر مر بھی جائیں تو ان سے وابستہ تعلق اور رشتے ان کے بعد بھی سلامت رہتے ہیں اور کچھ حرماں نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو اپنی زندگی میں ہی رشتوں کو مرتا، بدلتا اور پرایا ہوتے دیکھتے ہیں اور مضبوط تعلق جب کچے دھاگے میں پروئی ہوئی مالا کی طرح ٹوٹتا ہے تو لوگ بظاہر مرتے تو نہیں مگر زندہ بھی نہیں رہتے، بس اپنے ان کہے دکھوں کا بوجھ اپنے شانوں پر اٹھائے، کسی بے جان لاشے یا کسی بے چین روح کی طرح ہمارے اردگرد بھٹکتے پھرتے ہیں بظاہر تو وہ عام لوگوں کی طرح ہنستے ہیں مسکراتے ہیں، خوش دکھائی دینے کی کوشش کرتے ہیں اور ہم ان کی زندگی کی چمک سے محروم آنکھوں کے باوجود اور ان کے مصنوعی بلند قہقہوں کے باعث ان جیتی جاگتی، چلتی پھرتی زندہ لاشوں نما لوگوں کو پہچان نہیں پاتے، اور اگر پہچان بھی لیں تو ان کے بے روح وجود میں دوبارہ زندگی کی رعنائیاں بھرنے سے قاصر رہتے ہیں، اور جو ایسا کر جائیں تو وہی دراصل محبتوں کو امر کرنے ... امر ہونے کا ہنر جانتے ہیں۔

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

بدرالدین ایک کامیاب بزنس مین اور شہر کی معزز شخصیت ہیں، ان کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کی دو بہنیں عارفہ اور عاتکہ ہیں جو اپنے بھائی سے بہت پیار کرتی ہیں۔ بدرالدین کی بیگم آسیہ بی بے حد خوب صورت ہیں مگر سیرت کے لحاظ سے اتنی ہی بدصورت ہیں۔ وہ اپنی نندوں کو ناپسند کرتی ہیں، ساس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتی ہیں اور معمولی باتوں کو ایشو بنا کر فساد کرنا، شوہر کو طعنے دینا اور انہیں گھر والوں کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرنا آسیہ بی کا من پسند مشغلہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے شوہر کے کردار پر بھی شک کرتی ہیں۔ بدرالدین کی تین بیٹیاں زونائشہ، ازنا اور مرحا ہیں، زونائشہ سب سے بڑی جبکہ ازنا اور مرحا جڑواں ہیں۔ بیٹیوں کی پیدائش سے بھی آسیہ بیگم خوش نہیں تھیں۔ انہیں بیٹے کو جنم دینے کی آرزو تھی۔ اور بیٹے کی ماں نہ بننے کا الزام بھی وہ بدرالدین کی ماں بہنوں کو دیا کرتیں کہ انہوں نے آسیہ بی پر کالا جادو کرادیا ہے کہ وہ کبھی بیٹے کی ماں نہ بن سکیں۔ ازنا اور مرحا کی پیدائش کے بعد ڈاکٹرز نے بتادیا کہ اندرونی پیچیدگی کی وجہ سے آسیہ بی اب کبھی ماں نہیں بن سکتیں۔ اس کے بعد سے آسیہ بی کافی حد تک سائیکو ہوجاتی ہیں اور بیٹا پیدا کرنے اور بدرالدین کو گھر والوں سے چھڑوانے کے لیے جادوٹونے کا سہارا لینے لگتی ہیں۔ انہی حالات میں بچیاں جوان ہوگئیں۔ مگر اب بھی آسیہ بیگم پیار و محبت کے بجائے شوہر کو جادوٹونوں کی مدد سے قابو کرنے کی کوشش میں رہیں۔ بچیاں بھی ماں کی حرکتیں دیکھتی تھیں مگر خاموش تھیں کیونکہ ماں تو ماں ہوتی ہے۔ لیکن ایک دن بدرالدین نے آسیہ بی کو اس وقت طلاق دے دی کہ جب وہ بدرالدین کے بیڈ کے سرہانے کی طرف بیٹھ کر ایک تعویز زمین پر رکھے اس پر جوتے مار رہی تھیں۔ اور اسی لمحے بدرالدین نے جاگ کر انہیں رنگے ہاتھوں پکڑلیا۔ طلاق کے ساتھ زونائشہ اور ازنا تو باپ کے پاس رہ گئیں مگر مرحا ماں کو غلط سمجھتے ہوئے بھی چونکہ قدرتی طور پر اپنی ماں سے اٹیچڈ تھی سو وہ ماں کے ساتھ ماموں کے گھر چلی گئی۔ البتہ اپنے والد بدرالدین اور بہنوں سے ملنے آتی رہتی۔ بدرالدین نے بھی خاصی جائداد اور بینک بیلنس آسیہ بی کو دیا تھا۔ اس کے علاوہ مرحا کی تعلیم و دیگر اخراجات کے لیے وہ ہر ماہ بھاری رقم خرچ کے نام پر باقاعدگی سے ادا کر رہے تھے۔ مرحا کی ممانی حسنہ شاہانہ بے حد شاطر و مکار تھیں۔ ویسے تو انہیں آسیہ بی اور مرحا کی مستقل اپنے گھر آمد بالکل پسند نہیں آئی تھی مگر جلد ہی انہیں اندازہ ہوگیا کہ ان کی شکل میں تو دراصل ان کی لاٹری نکل آئی ہے اور لکشمی خود چل کر ان کے گھر رہنے آگئی ہے تو ممانی نے بھی اپنے پنجے اندر کرلیے اور خوش اخلاقی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ عارفہ پھپو کا بیٹا عارف، مرحا کو پسند کرتا ہے۔ وہ اکثر مرحا کے ماموں کے گھر ان دونوں سے ملنے چلا آتا ہے۔ لیکن جب عارفہ خاتون کو پتا چلتا ہے تو وہ عارف کا وہاں جانا پسند نہیں کرتیں ویسے بھی وہ زونائشہ کو عارف کی دلہن بنا کر اپنی بہو کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہیں اور زونائشہ بھی عارف کو دل و جان سے پسند کرتی ہے۔ عرشمان، بدرالدین کے بنگلے سے تیسرے بنگلے میں رہتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک عرشمان کی فیملی کا شمار بھی شہر کے ویل سیٹلڈ گھرانوں میں ہوتا تھا مگر اس کے فادر کی ڈیتھ کے بعد ان کا بزنس پہلے جیسا نہیں رہا تھا اور نتیجتاً عرشمان کو جاب کرنی پڑی۔ اس سے پہلے عرشمان، ازنا اور مرحا کا کلاس فیلو بھی رہ چکا ہے اور ازنا کے سیکشن کا ذہین ترین لڑکا اور اسکول کا نمبر ون ڈبیٹر سمجھا جاتا تھا۔ یہ بھی حسن اتفاق کہ عرشمان ممانی حسنہ کا بھانجا لگتا ہے مگر حسنہ ممانی اس بات سے ناواقف ہیں کہ مرحا اور عرشمان ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ ممانی تو عرشمان سے مرحا کے رشتے کا سوچ رہی تھیں تاکہ دولت کی دیوی ہمیشہ ان کے ہاتھ میں ہی رہے۔ مگر دوسری طرف عارف کا جھکاؤ مرحا کی جانب بھی وہ محسوس کرچکی ہیں۔ بدرالدین کی بہنوں کو ایک بار پھر بھائی کے سر پر سہرا سجانے کا ارمان ہے تاکہ وہ اپنی ازدواجی زندگی کی ناکامی کے صدمے سے نکل کر نئی زندگی شروع کرسکیں۔ حاجرہ مڈل کلاس طبقے کی ذہین، پڑھی لکھی اور سلجھی ہوئی شخصیت کی مالک عام سی شکل صورت کی لڑکی ہے۔ وہ ایک پرائیویٹ فرم میں اچھی پوسٹ پر ہے مگر پینتیس سال کی ہونے کے باوجود اس کا رشتہ کہیں نہیں ہوسکا۔ امی اور دادی بے انتہا پریشان رہتی ہیں۔ عافیہ، حاجرہ کی چھوٹی بہن ہے جو کہ بے حد شرارتی اور نٹ کھٹ ہے۔ اتفاق سے بدرالدین کا رشتہ حاجرہ کے لیے آتا ہے اور دونوں جانب سے قبول بھی کرلیا جاتا ہے۔ اور عارفہ خاتون، عاتکہ خاتون کے ہمراہ آکر حاجرہ کو انگوٹھی پہنا جاتی ہیں۔ ماموں کے ہاں لنچ پر زونائشہ اور ازنا آتی ہیں تو مرحا ان کے لیے پاستا خود بناتی ہے جس پر وہ دونوں بہت حیران ہوتی ہیں۔ بدرالدین، عارفہ کو بتاتے ہیں کہ حاجرہ ان کے پاس گاڑی خریدنے آئی تھیں۔ عارفہ کے پوچھنے پر وہ بتاتے ہیں کہ حاجرہ کے انداز و اطوار میں خوداعتمادی تھی جو عام خواتین سے الگ تھی۔ بدرالدین، عارفہ سے کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں پہلے بچیوں سے بات کریں۔ عارف بہت دیر تک مرحا کے بارے میں سوچتا ہے کہ شاید اسے مرحا سے محبت ہو گئی ہے۔ زونائشہ پھپو کی بات سے یہ اندازہ کرتی ہے کہ شاید وہ اس کے لیے عارف کا رشتہ لا رہی ہیں زونائشہ اللہ کے حضور دعا

کرتی ہے کہ عارف اس کا نصیب ہو جائے اور کل کی تیاریوں کے بارے میں فکر مند ہوتی ہے۔ ممانی، ماموں پر یہ خیال ظاہر کرتی ہیں کہ شاید مرحا اور عارف ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن ماموں کہتے ہیں کہ آپا اپنی نند کے گھر رشتہ نہیں کریں گی۔ اس لیے اگر ایسی کوئی بات ہے تو عارف کو گھر آنے سے منع کر دو۔ مرحا، عارف کو فون کر کے پوچھتی ہے کہ عارفہ پھپھو کیا بات کرنا چاہتی ہیں تو وہ لاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔ عارف، مرحا پر اپنی پسندیدگی ظاہر کرتا ہے تو مرحا کہتی ہے کہ مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت چاہیے۔ ازنا کو رات کو فون پر بات کرتے دیکھ کر زونائشہ پوچھتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ میری دوست کا فون ہے۔ آسیہ بی، بدر الدین کو عمرے کی مبارک باد کا میسج کرتی ہیں وہ میسج دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ عارفہ اور عاتکہ پھپھو بدرالدین کی شادی کی بات کرتی ہیں تو مرحا کہتی ہے کہ میں اپنی ماں کی جگہ کسی کو نہیں دے سکتی۔ زونائشہ اور ازنا کہتی ہیں کہ اگر پاپا ایسا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ حاجرہ اپنے آفس سے شادی کے لیے چھٹی لے لیتی ہے۔ مرحا بغیر کھانا کھائے ہی واپس ماموں کے گھر آجاتی ہے۔ زونائشہ کو باپ کی شادی کے حق میں دیکھ کر عارفہ، حاجرہ کے گھر والوں کو ہفتے کی شام چائے پر مدعو کر لیتی ہیں۔ مرحا اپنی مما اور ممانی کو پاپا کی دوسری شادی کے بارے میں بتاتی ہے کہ اس کی اپنی دونوں بہنیں بھی راضی ہیں مگر وہ خود اس کے لیے راضی نہیں ہے...... وہ آسیہ بی کو تسلی دیتی ہے کہ وہ ایسا کچھ نہیں ہونے دے گی جس سے انہیں تکلیف پہنچے۔ مرحا، عارف سے اپنے پاپا کی شادی کے متعلق بات کرتی ہے تو وہ کہتا ہے طلاق کے بعد رجوع میں بہت مسائل ہو جاتے ہیں وہ کہتا ہے کہ میری تم سے شادی کے بعد آنٹی کو خاندان میں ایک حیثیت مل جائے گی تو مرحا اسے اجازت دیتی ہے کہ وہ عارفہ پھپھو سے اپنی اور مرحا کی شادی کی بات کر لے۔ ازنا، عرشمان سے ملنے جاتی ہے۔ حاجرہ کے گھر والے بدرالدین کا گھر دیکھ کر بہت مطمئن اور خوش ہوتے ہیں۔ ازنا، مرحا کو حاجرہ کے گھر والوں کے آنے کے بارے میں بتاتی ہے۔ مرحا سوچتی ہے کہ ایک بار حاجرہ سے مل کر دیکھتی ہوں کیا خبر وہ میرے سمجھانے پر شادی کا ارادہ ترک کر دیں۔ ازنا، عرشمان کا دیا ہوا بریسلیٹ دیکھ کر بہت خوش ہوتی ہے۔ گھر میں عاتکہ پھپھو اور عارفہ پھپھو، پاپا کے امام ضامن باندھتی ہیں۔ ماموں، آسیہ بی کو سمجھاتے ہیں کہ وہ پچھتانے کے بجائے حالات سے سمجھوتا کریں۔ اُدھر دادی، ہاجرہ کے امام ضامن باندھتی ہیں۔ دادی رانی سے کہتی ہیں کہ آج کام کر لو کل تمہاری ماں اور خالہ آجائیں گی تو وہ ساری ذمے داری سنبھال لیں گی۔ مرحا، ہاجرہ کے آفس کال کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ شادی کی چھٹیوں پر ہے۔ عرشمان، مرحا کو سمجھاتا ہے کہ شادی کرنا اس کے پاپا کا شرعی حق ہے اور اگر وہ ایک بیٹی کے طور پر اپنی ماں کے لیے سوچ رہی ہے تو پاپا کے لیے بھی سوچے۔ آسیہ بی، بدرالدین کو میسج کرتی ہیں تو وہ پڑھ کر الجھ جاتے ہیں۔ عارف اپنی ماں سے مرحا کے لیے بات کرتا ہے تو وہ اسے بتاتی ہیں کہ انہوں نے زونائشہ سے اس کی منگنی طے کر دی ہے۔ عارف اصرار کرتا ہے کہ مرحا بھی تو ماموں کی ہی بیٹی ہے، وہ آسیہ بی کے پاس اس کا رشتہ لے کر جائیں۔

اب آگے پڑھیے

قسط نمبر 9

ڈھولک کی تھاپ پر رانی گلا پھاڑ کر ٹپے گا رہی تھی۔

”منڈا سائیکل چلائی جاندا

تالے اودا اِک وگدا......

تالے قلفی کھائی جاندا......“

”رک جاؤ رانی......“ عافیہ نے ہاتھ اٹھا کر ڈھولک کی تھاپ رکوا دی تھی۔

”بات ہو رہی ہے ہمارے ایک عدد ہینڈسم سے دولھا بھائی کی اور ان کے ساتھ یہ ٹپا میچ نہیں کرتا ہاں اگر تم اپنے منگیتر کا تصور کر کے گا رہی ہو تو اور بات ہے......“ عافیہ قل، قل کر کے ہنسے گئی تھی۔

”اب آپ خود ہی دیکھ لیں دادی...... یہ عافیہ جی میرے منگیتر کی شان میں غستاخی کر رہی ہیں پھر اگر میں غُستہ (غصہ) کروں گی تو آپ مجھے ہی ڈانٹیں گی۔“

”کیا کر رہی ہے عافیہ......؟“ سب رانی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''غستاخی......'' رانی نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے جواب دیا۔
''غستاخی نہیں...... گستاخی......''
''غس......'' رانی ہکلائی۔
''نہیں گس......تا......خی......'' دادی نے بول کر بتایا۔
''چلو میرے ساتھ دُہراؤ......'' دادی کے ساتھ رانی نے دہرایا۔
''اب بتاؤ کیا کر رہی تھی عافیہ......؟'' دادی نے پھر پوچھا۔
''او...... کچھ نہیں دادی جی...... وہ تو بس مزاخ کر رہی تھیں۔'' رانی اردو صحیح کرانے والی مشکل سے نکلنے کی خاطر اپنے بیان سے ہی مکر گئی تھی۔ اور دادی اس کے ''مذاق'' کو ''مزاخ'' کہنے پر پھر سے جھنجلا کر رہ گئی تھیں۔
''شادی کا فنکشن نمٹ جائے ذرا تو تیری اردو درست کرتی ہوں اور قرآن پاک کی دُہرائی بھی شروع کراتی ہوں۔'' دادی نے کہا تو رانی منہ بنانے لگی۔
''چلیں چھوڑیں دادی، ابھی فی الحال تو اسے شادی انجوائے کرنے دیں......'' بھابی نے سفارش کی تو رانی کی جان میں جان آئی اور وہ بھابی کا شکریہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ادا کرنے لگی۔
''ویسے رانی واقعی کیا تمہارا کوئی منگیتر بھی ہے؟'' امی نے پوچھا تو رانی شرمانے لگی۔
''ابھی تک تو کوئی نہیں ہے۔''
''ہیں......؟'' عافیہ نے بہ آواز بلند حیرت کا اظہار کیا۔
''تو پھر یہ منگیتر سے غستاخی والی بات پر اتنی تپ کیوں رہی تھیں؟'' اس نے پوچھا۔
''او دیکھیں ناں جی آخر کبھی تو اللہ پاک کرم کرے گا تو میرا بھی کوئی منگیتر ہو ہی جائے گا......'' رانی نے شرما کر کہا تو سب ہنسنے لگے۔
''خبردار عافیہ اب کبھی تم نے جو رانی کے تصوراتی منگیتر سے مزاخ میں بھی غستاکی کی تو......'' حاجرہ نے ہنس کر کہا تو رانی اپنے دوپٹے کا پلو انگلی پر مروڑ کر شرمانے لگی۔
''اچھا بھئی لاؤ...... ڈھولک ادھر دو......'' امی نے ڈھولک اپنی طرف کھسکالی اور بجانے لگیں۔ بھابی اور عافیہ نے گیت کا سرا اٹھایا تو رانی نے بھی اپنی آواز شامل کر دی۔

''شادی کے دن ہیں قریب...... ہنوز دھیرے سے بولو
مہندی تمہاری آئی رکھی ہے
نندوں کو ہو گئی دیر، ہنوز ذرا دھیرے سے بولو
جوڑا تمہارا آیا رکھا ہے
سکھیوں کو ہو گئی دیر، ہنوز ذرا دھیرے سے بولو
دولھا تمہارا آیا بیٹھا ہے
قاضی کو ہو گئی دیر...... ہنوز ذرا دھیرے سے بولو......''

اور اسی لمحے حاجرہ کے موبائل پر کال آ گئی تو وہ جوبن پر آئی ہوئی محفل چھوڑ کر کال سننے کے لیے ایک طرف چلی آئی۔
دوسری جانب کال کرنے والے بدرالدین تھے۔
حاجرہ یوں اچانک سے ان کے رابطہ کرنے پر کچھ شپٹا سی گئی تھی مگر پھر فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔ اور نارمل انداز

میں ان کی خیریت پوچھنے لگی۔

بدرالدین نے بھی حاجرہ کی اور سب گھر والوں کی خیر و عافیت معلوم کی اور پھر کچھ یوں بولے۔ ''حاجرہ صاحبہ سب سے پہلے تو میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے میں اپنی مصروفیات میں الجھا رہا اور آپ سے رابطہ نہیں کر پایا۔ امید ہے کہ آپ درگزر فرمائیں گی۔''

''جی...... جی...... کوئی بات نہیں......'' حاجرہ نے جواب دیا۔

''گڈ...... آپ واقعی بہت اچھی ہیں۔'' بدرالدین نے دھیرے سے ہنس کر کہا۔

''لیکن پھر بھی میں شرمندہ ہوں کہ جو سوال مجھے آپ سے رشتہ طے ہو جانے کے فوراً بعد پوچھنا چاہیے تھا وہ اس وقت پوچھ رہا ہوں کہ جب ہماری شادی میں صرف چند روز باقی رہ گئے ہیں۔''

''سوال......؟'' حاجرہ نے پریشان سا ہو کر پوچھا۔

''جی پریشان نہ ہوں بس پوچھنا یہ تھا کہ آپ اس شادی سے خوش تو ہیں......؟''

''اوہ......!'' حاجرہ نے اطمینان بھری گہری سانس لی۔

''اس لیے یہ سب پوچھ رہا ہوں کہ عام طور پر ہمارے معاشرے میں رشتہ طے کرتے وقت گھر والے لڑکیوں کی رائے کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور جو خود کو مناسب لگے وہی فیصلہ کرتے ہیں اور بطورِ خاص مجھ جیسے مرد سے شادی کا فیصلہ تو ویسے بھی بہت مشکل امر تھا کہ ایک طلاق یافتہ، تین جوان بیٹیوں کے باپ سے شادی کے لیے ہامی بھرنا اور اس پر یقین کرنا...... بڑے ہی دل گردے کا کام تھا تو بس میں اسی لیے پوچھنا چاہ رہا تھا کہ آپ نے یہ فیصلہ کسی دباؤ کے تحت تو نہیں کیا؟''

''نہیں بالکل بھی نہیں......'' حاجرہ نے کہا۔

''سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے گھر والے تعلیم یافتہ اور باشعور ہیں اس لیے انہوں نے مجھ پر شادی کے سلسلے میں اپنی رائے ٹھونسنے کے بجائے مجھ پر فیصلہ چھوڑ دیا تھا اور میں نے خود اس رشتے کے لیے دل و جان سے حامی بھری ہے۔''

''اچھا اگر آپ کی اجازت ہو تو کیا میں ایک سوال اور پوچھ سکتا ہوں؟'' بدرالدین نے ٹھہرے، ٹھہرے لہجے میں پوچھا۔

''جی...... ضرور پوچھیے......؟'' حاجرہ نے کھلے دل سے اجازت دی۔

''آپ نے میرے پروپوزل کو ہی کیوں قبولیت بخشی جبکہ آپ تو خیر سے ینگ ہیں، ماشاء اللہ پڑھی لکھی، خوب صورت اور غیر شادی شدہ ہیں تو آپ کے لیے اچھے رشتوں کی کوئی کمی تو یقیناً نہیں ہوگی۔ پھر بھی......؟'' حاجرہ، بدرالدین کی بات سن کر بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔

''دیکھیے میں پڑھی لکھی اور غیر شادی شدہ ضرور ہوں مگر ینگ اور خوب صورت ہرگز بھی نہیں ہوں اور یہ اچھے رشتوں والی بات بھی خوب کہی آپ نے لیکن یہ بھی سنا ہوگا کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں تو میں نے ہمیشہ ہر نماز کے بعد یہی دعا کی تھی کہ اللہ پاک میرا نصیب اس شخص کو بنانا کہ جسے تو پسند کرتا ہو اور جو تیرے نزدیک معتبر ہو اور اس شخص کو میری بھی پسند بنا دینا اور اپنی رضا میں مجھے راضی رکھنا۔ تو بس میرے رب کی مرضی سے سارے معاملات طے پاتے چلے گئے۔ ویسے بھی میں اس قرآنی آیت پر یقین رکھتی ہوں کہ ''وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ...... یعنی پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق میرے شوہر کو تو میرا ہی عکس ہونا تھا تو اگر میں خود اپنے پروردگار کی ہدایت پر ہوں تو پھر ٹینشن کیسی......! ہاں اگر رب کسی بھی مرد یا عورت کی آزمائش اس کے جیون ساتھی کے ذریعے تکلیف پہنچا

کر کرنا چاہے تو وہ الگ بات ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی ہر آزمائش پر صبر و شکر کے عوض بے پناہ اجر و ثواب بھی تو ہے اور اس کے بعد وہی مصیبتوں کو راحت میں بدلنے پر بھی قادر ہے۔''

''ماشاء اللہ حاجرہ...... آپ واقعی ایک میچور ذہن کی بے حد سمجھدار لڑکی ہیں۔ اب تک عارفہ آپا اور عاتکہ آپا کی زبانی آپ کی بہت تعریف سنی تھی مگر آج آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگا۔'' بدرالدین، حاجرہ کے اندازِ گفتگو سے سچ مچ بہت متاثر ہوئے تھے۔

''شکریہ......'' حاجرہ نے دھیرے سے ہنس کر کہا۔

''اور یہ جیون ساتھی کے ذریعے آزمائش والی بات بھی خوب کہی آپ نے۔ سچ پوچھیے تو میں تو اس آزمائش سے گزر چکا ہوں ...... جتنی میری استطاعت تھی اس کے مطابق صبر و تحمل اور برداشت سے بھی کام لیا مگر بہت کوششوں اور دعاؤں کے باوجود میرے ازدواجی حالات میرے بس سے باہر ہو کر بے قابو ہو گئے۔'' یہ سب بتاتے ہوئے بدرالدین خاصے اپ سیٹ سے ہو گئے تھے اور ان کے دل کی افسردگی لہجے میں اتر آئی تھی۔

''آپ پریشان یا افسردہ مت ہوں۔ اللہ پاک کے فیصلوں میں بڑی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ وہ رنج و الم کے بعد راحت و سکون کی دولت سے بھی ضرور نوازتا ہے۔ اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ طلاق کے فیصلوں میں ہر بار قصوروار مرد ہی ہو اور وہی ہمیشہ ظالم کہلائے اور عورت سدا اپنے ماتھے پر مظلومیت کا ٹھپا لگائے رکھے۔ ہر بار ایسا نہیں ہوتا...... کبھی، کبھی مرد بھی گھر کے اندر بہت کچھ سہہ رہا ہوتا ہے مگر ہمارا معاشرہ تمام تر ہمدردی کا مستحق صرف عورت کو سمجھتا ہے کیونکہ عورت کو رونا اور اپنی مظلومیت کی کہانی بنانا اور سب کو سنانا آتا ہے اور مرد کی خاموشی اور چپ اسے مجرم بنا دیتی ہے مگر حقائق بہر حال سامنے آ ہی جاتے ہیں۔'' حاجرہ نے بہت دھیمے انداز میں یہ سب کہا تو بدرالدین ایک بار پھر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔

''ارے واہ...... آپ کو تو ایڈووکیٹ ہونا چاہیے تھا۔ ایک عورت ہوتے ہوئے کتنی اچھی وکالت کی ہے آپ نے مجھ جیسے مردوں کی اور سب سے اچھی بات تو یہ ہے کہ آپ میرا کیس بھی سمجھ گئی ہیں۔'' وہ ہنسے تو حاجرہ بھی ہنس دی تھی۔

''ٹھیک ہے حاجرہ......! آپ سے بات کر کے اور آپ کے خیالات جان کر بہت اچھا لگا نہ صرف اچھا لگا بلکہ سچ پوچھیے تو آج میرا دل مطمئن سا ہو گیا ہے۔ اپنا بہت خیال رکھیے گا۔'' بدرالدین نے کہا۔

''آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔'' حاجرہ نے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

بدر کو خدا حافظ کہنے کے بعد حاجرہ واپس آئی تو ڈھولک اور گانوں کا سلسلہ جاری تھا۔

''کس کا فون تھا؟'' امی نے پوچھا تو حاجرہ نے بتا دیا کہ بدرالدین کی کال تھی۔

حاجرہ کے چہرے پر کھلے گلاب دیکھ کر کسی نے نہیں پوچھا کہ کال کیوں آئی تھی۔ بلکہ سب اسے شرارت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے جبکہ دادی اطمینان سے پان لگا رہی تھیں اور امی نے ایک پیالی میں پنجیری نکال کر چمچ کے ساتھ حاجرہ کی جانب بڑھائی۔

''لو کھاؤ، دیسی گھی میں بنائی ہے، چکھ کر بتاؤ کیسی بنی ہے؟''

''بہت ہی مزے کی لگ رہی ہے۔'' حاجرہ نے ایک چمچ چکھا۔

''مزے کی لگ نہیں رہی بلکہ سچ مچ مزے کی بنی ہے۔'' عافیہ نے کہا تو دادی نے اسے گھورا۔

''لگتا ہے کہ تم نے تو پہلے ہی کھالی ہے۔''

''سوری دادی، دراصل میں اور رانی بے وقت کی بھوک میں کھانے کے لیے کچھ ڈھونڈ رہے تھے تو آپ کی بنائی ہوئی پنجیری نظر آ گئی تو ہم نے وہی کھالی۔ سچ میں مزہ آ گیا۔''

''حاجرہ کے لیے تو شیشے کے بڑے جار میں ڈال کر اس کے کمرے میں رکھ دی ہے۔ باقی پنجیری کچن کے مرتبان میں رکھی ہوئی ہے۔ سب وہاں سے لے سکتے ہیں مگر ذرا اعتدال کے ساتھ۔'' امی نے اعلان کیا۔

''اعتدال کے ساتھ کیوں امی......؟'' عافیہ نے ندیدے پن سے سوال کیا۔

''مغزیات کی وجہ سے اس کی تاثیر گرم ہوتی ہے تو اس کا زیادہ استعمال صحت کے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔'' امی نے وضاحت کی۔

''اصل میں اس دفعہ یہ کچھ زیادہ ہی اہتمام سے بنائی گئی ہے۔'' دادی کے کہنے پر رانی اور اس کی ماں چائے کے ساتھ سب کے لیے پنجیری لے آئی تھیں اور یوں ڈھولک بجانے میں ذرا وقفہ آ گیا تھا۔

☆☆☆

''پتا نہیں عارف میری کال کیوں پک نہیں کر رہے۔'' مرحا کے بار، بار کال کرنے کے باوجود جب عارف نے کال نہیں اٹھائی تو مرحا کو عجیب واہمے ستانے لگے۔

''ہو سکتا ہے کہ عارفہ پھپو نے انہیں قسم دے دی ہو کہ اب وہ مجھ سے رابطہ نہ رکھیں۔'' اس نے سوچا۔

''خدانخواستہ کہیں بیمار ہی نہ ہوں......'' یہ سوچ کر اس نے عارف کے آفس کے نمبر پر کال کی تو وہاں سے معلوم ہوا کہ عارف دس دن کی چھٹی پر ہے۔ ''دس دن'' کی چھٹی کا سن کر تو مرحا واقعی پریشان ہو گئی تھی۔ آخر ایسی کیا ایمرجنسی تھی کہ جو عارف کو پورے دس روز کی چھٹی لینی پڑی اور اگر کوئی ایمرجنسی بھی تھی تو مرحا کو تو بتایا ہوتا۔

''کیا عارف مجھ سے دور ہو رہے ہیں۔'' مرحا نے ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ سوچا۔ ''ابھی تو اتنا قریب ہی نہیں ہوئے تھے کہ دور ہونے کے بہانے ڈھونڈنے پڑتے یا چپ سادھ کر پتلی گلی سے نکل جاتے۔ اگر کسی کو زندگی سے جانا ہوتا ہے تو وہ چلا جاتا ہے، اسے روکنے کے سو حربے بھی کر لو تو ناکام جاتے ہیں۔ مگر بتا تو دینا چاہیے تاکہ کوئی انتظار نہ کرے اور آس نہ رکھے۔''

دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے ازنا اور زونی آپی سے بات کی کہ شاید انہیں عارف کے بارے میں کچھ معلوم ہو تو وہ بتا دیں مگر ان سے بھی کوئی خاص بات معلوم نہ ہو سکی۔

''ٹھیک ہے اگر عارف کو میری پروا نہیں ہے تو مجھے بھی ان کی فکر میں گھلنے کی کوئی ضرورت نہیں...... اگر اب آ بھی جائیں گے تو میں بات تک نہیں کروں گی...... کیا سمجھا ہے آخر انہوں نے مجھے......'' دل ہی دل میں خفا، مرحا نے خود کو اِدھر اُدھر کے کاموں میں مصروف کرنے کی لاکھ کوشش کی مگر دھیان بار، بار عارف کی طرف ہی جا رہا تھا۔

اپنی انہی الٹی سیدھی سوچوں سے گھبرا کر اس نے ایک بار پھر عارف کا نمبر ملایا تو دوسری جانب اس کا فون ہی آف تھا۔

''یا اللہ خیر...... پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کہیں انہوں نے مجھے بتائے بغیر اپنا نمبر تو تبدیل نہیں کر لیا۔ اگر ایسا ہے تو یہ تو بہت طفلانہ حرکت ہے۔ مگر عارف ایسا کیوں کریں گے......'' اس سوال کا [illegible] مرحا کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اپنی سوچوں میں گھری وہ ان دنوں [illegible] بے حس سی رہا کرتی تھی۔

دروازے پر بجنے والی ہر گھنٹی پر وہ چونک کر اپنے بکھرے بال سنوارنے لگتی۔ اور پھر اس کی مایوس نظریں دروازے سے ہو کر واپس پلٹ آتیں۔

شکن آلود لباس، بکھرے بال اور روٹھی ہوئی نیند کی غماز آنکھیں اس کے دل کی حالت بیان کرنے کے لیے کافی تھیں مگر وہ دل کی حالت سب سے چھپانے کی کوشش میں تھی، اس لیے امی سے باتیں بھی کیا کرتی اور ممانی کے الٹے سیدھے، گھسے پٹے اور بور لطیفوں پر قہقہے لگانے کی کوشش میں کبھی، کبھی ناکام بھی ہو جاتی۔

ممانی کی تھری ڈی کیمرا نگاہوں نے جلد ہی مرحا کی کیفیت کو فوکس کر لیا تھا۔

''ارے مرحا، یہ عارف بہت دنوں سے نہیں آیا۔ ذرا فون کر کے معلوم تو کرو......'' انہوں نے کریدنے والی نظروں سے مرحا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

عارف کے نام پر اس کے چہرے پر اک تاریک سا سایہ لہرا گیا مگر اس نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا تھا۔

''کیوں ممانی......؟ آپ کو عارف بھائی سے کوئی کام ہے کیا؟'' مرحا نے اپنے لہجے کو نارمل انداز میں شگفتہ رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا۔

''ارے نہیں مجھے تو وہ ویسے ہی یاد آ رہا تھا۔ اکثر آ جایا کرتا تھا ناں تو رونق سی ہو جاتی تھی۔ بس عادت پڑ گئی ہے اس کی۔ تم فوراً آفس فون کر کے تو پوچھو کہیں وہ بیمار نہ ہو خدانخواستہ......اتنی تو ٹھنڈ پڑ رہی ہے۔ آج کل ذرا سی بھی بدپرہیزی یا بے احتیاطی سے انسان بستر پر پڑ جاتا ہے۔'' ممانی نے کہا تو مرحا نے دل میں سوچا کہ ممانی کو عارف سے زیادہ اس کے لائے ہوئے تحفوں کی یاد ستا رہی ہوگی۔ مگر وہ چپ رہی۔

''آفس سے دس دن کی چھٹی پر ہیں عارف بھائی......'' اس نے ممانی کو اطلاع دی۔

''یعنی کہ تم نے ہمارے کہنے سے پہلے ہی پتا بھی کر لیا؟'' ممانی ...... اپنے مخصوص انداز میں ہنسیں۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم بھی اسے مس کر رہی ہو...... ہے ناں......'' ممانی چوری پکڑنے والے انداز میں آنکھیں مٹکا کر سر ہلا کر عجب بے ہنگم طریقے سے ہنسنے لگیں۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے ممانی! مجھے کچھ کام تھا اس لیے کال کی تھی۔'' مرحا نے کہا اور وہاں سے اٹھ گئی۔

☆☆☆

''کیا میں تمہیں ابھی کال کر سکتا ہوں......؟''

ازنا کے موبائل کی اسکرین پر عرشان کا میسج آیا تو جواباً ازنا نے فوراً ہی خود اسے کال کر لی تھی کیونکہ اس وقت وہ فارغ بیٹھی تھی۔

زونائشہ، عاتکہ پھپو کے ساتھ پاپا کی شادی کے لیے شاپنگ کرنے گئی ہوئی تھی۔ اور اس کے جلدی واپس آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اور پاپا اپنے آفس جا چکے تھے لہٰذا فکر کی ویسے بھی کوئی بات نہیں تھی۔

دوسری طرف عرشان بھی شاید فری ہی بیٹھا تھا اس لیے فوراً ازنا کی کال اٹینڈ کر لی تھی۔

''کیسی ہو سوئٹ ہارٹ......؟'' اس نے سلام کے بعد خوشگوار لہجے میں پوچھا تھا۔

''میں کوئی ہارٹ شارٹ نہیں ہوں تمہارا......'' ازنا نے خفگی سے جواب دیا۔

''کیوں بھئی کیا ہوا......تمہارے تیور اتنے بگڑے ہوئے کیوں ہیں؟ ذرا وجہ بیان فرمائیں گی آپ؟''

''اتنے دن سے کال کیوں نہیں کی تھی۔ کوئی کال، نہ کوئی میسج، کدھر غائب تھے؟'' ازنا نے پوچھا۔

''بس کیا کروں؟ پھپو کا [illegible] ہوا تھا۔ پھر امی کی طبیعت خراب رہی تو انہیں ڈاکٹر کے پاس لے جانا، ان کے ٹیسٹ کرانا۔۔ پھر ان کے پاس رہ کر ٹائم پر میڈیسنز دینا، ان کا خیال رکھنے [illegible] کے لیے دو روز کی چھٹی بڑی مشکل سے ملی تھی ویسے بھی ان دنوں بڑا اپلیس میں کافی رش ہوتا ہے تو موبائل دیکھنے تک کا وقت نہیں ملا مجھے۔'' عرشان نے عذر اپیش کیا۔

''اور جب مجھے وقت ملتا ہے تو تم فری نہیں ہوتیں۔ ابھی زونی آپی پاس بیٹھی ہیں، اب پاپا نے بلایا ہے اور پھپو آ گئی ہیں جیسے بہانے ہی ختم نہیں ہوتے تمہارے۔'' عرشان نے ہنستے ہوئے اسے یاد دلایا۔

''بس یہ تو وہی بات ہوگئی کہ ''مگر اپنے، اپنے مقام پر، کبھی تم نہیں، کبھی ہم نہیں......'' ازنا نے بھی ہنستے ہوئے کہہ گئی تو عرشان اس کی حاضر جوابی کی داد دیے بنا نہ رہ سکا تھا۔

''اچھا خیر سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ آنٹی کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' ازنا نے پوچھا۔
''اب تو الحمدللہ پہلے کی نسبت بہت بہتر ہیں۔'' عرشمان نے جواب دیا۔
''کیا ہوا تھا آنٹی ......؟''
''دراصل امی کو بی پی اور شوگر کا مسئلہ ہے اور میں اپنے کام پر چلا جاتا ہوں تو وہ تنہائی کا شکار ہوتی ہیں اور ڈپریشن میں چلی جاتی ہیں۔ اسی لیے سوچ رہا ہوں کہ گھر کا اپر پورشن کرائے پر اٹھا دوں...... تاکہ ذرا چہل پہل رہے۔''
''یہ بھی ٹھیک ہے مگر کرائے دار اچھے لوگ ڈھونڈنا تاکہ بعد میں کوئی پریشانی نہ ہو۔'' ازنا نے اپنے تئیں مشورہ دیا۔ اور عرشمان نے ایسا ہی کرنے کی حامی بھری اور دل میں سوچنے لگا کہ ازنا کتنی اچھی لڑکی ہے کہ اس سے متعلق چھوٹی سے چھوٹی بات کا بھی خیال رکھتی ہے۔
''ارے ہاں یاد آیا......'' عرشمان بولا۔
''میں کل خالہ حسنہ کی طرف گیا تھا تو مرحا سے ملاقات ہوئی۔ تمہاری کہی ہوئی باتیں میرے ذہن میں تھیں اور میں نے تم سے وعدہ بھی کیا تھا کہ مرحا اگر انکل کی سیکنڈ میرج کے حوالے سے پرابلمز پیدا کر رہی ہے تو میں اسے سمجھاؤں گا اور اس روز قدرت نے مجھے تم سے کیا گیا وعدہ نبھانے کا موقع فراہم کر دیا۔ ہوا یوں کہ حسنہ خالہ اور تمہاری امی محلے میں درس کی محفل میں گئی ہوئی تھیں تو مجھے مرحا سے بات کرنے کا موقع مل گیا اور پھر میں نے اس سے بڑی تفصیل سے بات کی اور اسے سمجھایا کہ اس کا رویہ غلط ہے اور اسے اپنے اندر نئی تبدیلیوں کو قبول کرنے کے لیے لچک پیدا کرنی چاہیے وغیرہ، وغیرہ......''
دوسری جانب ازنا کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔
''کیا ہوا ازنا...... تمہیں اچھا نہیں لگا کیا میرا مرحا کو سمجھانا؟'' عرشمان نے ازنا کی مسلسل خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا تھا۔
''آں ہاں...... ہاں...... نہیں تو...... میرا مطلب کچھ نہیں......'' مگر کچھ تھا ضرور...... یہ اس کا لہجہ بتا رہا تھا۔
''پلیز ازنا...... روایتی لڑکیوں کی طرح مجھ پر شک مت شروع کر دینا اور وہ بھی اپنی بہن کے لیے...... استغفراللہ...... یقین کرو مرحا سے میری جتنی بھی بات ہوئی ہے ناں صرف اچھے فرینڈز کی طرح ہوئی۔ اور وہ بھی میں نے صرف اس وجہ سے اسے سمجھایا کہ اس کی وجہ سے تم ٹینس تھیں ورنہ تو مرحا سے میرا کیا لینا دینا...... میں اس سے پہلے بھی کئی بار حسنہ خالہ کے ہاں جا چکا ہوں مگر مرحا سے تو سلام دعا کے علاوہ کبھی کوئی خاص بات ہوئی ہی نہیں......'' عرشمان نے نیک نیتی سے سچ بتایا تھا مگر ازنا کو سچ ہضم نہیں ہوا۔
''تو اس سے پہلے اتنی بات چیت کا موقع بھی تو نہیں ملا ہوگا ناں......'' ازنا نے بظاہر تو مذاق کے انداز میں کہا تھا مگر اس کے لہجے میں ایسی کوئی بات ضرور تھی کہ جس نے عرشمان کو رنجیدہ کر دیا تھا۔
''مرحا ہمارے ساتھ، ایک ہی اسکول میں پڑھتی رہی ہے۔ وہاں پہلے بھی اس سے دعا سلام ہو جایا کرتی تھی مگر میری کبھی اس کی طرف توجہ نہیں گئی اور کو ایجوکیشن میں پڑھنے والے لڑکے اور لڑکیوں کی آپس میں بات چیت ایک عام سی بات ہے مگر پھر بھی میں محتاط ہی رہتا تھا اور تمہارے علاوہ کسی بھی لڑکی سے دوستی نہیں تھی میری......'' عرشمان نے ازنا کو یاد دلاتے ہوئے اپنی صفائی دینے کی کوشش کی مگر ازنا نے اسے اگنور کرتے ہوئے نیا سوال کر دیا۔
''اچھا تو پھر مرحا سمجھ گئی تمہاری بات......؟''
''ہاں، میرا خیال ہے...... کیونکہ اس کا رویہ پوزیٹو تھا۔'' عرشمان نے قدرے محتاط انداز میں بتایا۔
''رویہ تو پازیٹو ہونا ہی تھا جب سامنے لفظوں سے کھیلنے کا ہنر جاننے والا کھلاڑی موجود ہو......'' ازنا زور سے

ہنسی تھی مگر لگ رہا تھا کہ جیسے رو رہی ہو۔

''تم خواہ مخواہ مجھ پر شک کر رہی ہو جبکہ ایسی کوئی بات نہیں...... مجھ پر یقین نہیں تو اپنی بہن پر بھروسا رکھو۔'' عرشان کا لہجہ اس بار کافی سخت تھا۔

''بہن وہ میری ہے مگر بات وہ تمہاری سمجھ رہی ہے۔ بھئی واہ...... پھر بھی کہتے ہو کہ میں یقین رکھوں......'' ازنا نے بھی تپ کر جواب دیا۔

''پاگل ہو بالکل...... ذرا میری اور اپنی پوزیشن سمجھنے کی کوشش کرو، ابھی تک تو کسی کو بھی میرے اور تمہارے اس محبت کے رشتے کی خبر نہیں...... یہاں تک کہ مرحا کو بھی نہیں...... اگر اسے ہمارے بیچ کے رشتے کا علم ہوتا تو وہ اور بھی شاید میری بات کو اہمیت دیتی۔'' عرشان نے ازنا کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''یہی بات تو میرے لیے باعثِ تشویش ہے کہ اسے میری اور تمہاری محبت کا علم نہیں......'' ازنا طنزیہ ہنسی ہنس دی تو عرشان کو بھی غصہ آ گیا۔

''عجیب ہو تم...... بات کو سمجھ ہی نہیں رہیں...... میں تمہاری وجہ سے یہ سب کر رہا تھا مگر تم بجائے تھینک یو کہنے کے الٹا مجھ پر شک کر رہی ہو...... ٹھیک ہے پھر...... میں اب اس سے زیادہ اپنی انسلٹ برداشت نہیں کر سکتا...... اس لیے خدا حافظ......'' عرشان نے غصے سے کال ہی کاٹ دی۔

''ہونہہ......'' ازنا نے بھی موبائل ایک طرف ڈال دیا۔

☆☆☆

''آسیہ آپا اگر میری مانو تو بدرالدین کی شادی رکوانے کے لیے دوبارہ اسی جادوگرنی عاملہ کے پاس جاؤ......'' حسنہ نے نند کو افسردہ دیکھ کر مشورہ دیا۔

''اس کے تعویذوں کا پہلے کون سا اثر ہوا تھا جواب ہو جائے گا۔ انہی تعویذوں کی بدولت ہی تو طلاق ملی تھی مجھے۔ بھول گئیں......'' آسیہ نے جلے دل سے کہا۔

''وہ تو عمل ہی ادھورا رہ گیا تھا ناں...... کیا خبر اگر پورا کر لیتیں تو کیا کرشمہ دکھاتے وہ تعویذ......'' بھاوج کے کہنے پر آسیہ سوچ میں پڑ گئیں۔

''ہاں ویسے بات تو تمہاری بھی ٹھیک ہے۔'' انہوں نے حسنہ سے اتفاق کیا۔

''وہی تو کہہ رہی ہوں کہ ایک بار دوبارہ اسی عاملہ سے جا کر ملو اور اسے سب حالات بتاؤ...... کہنا کہ پہلے کے دیے ہوئے پیسوں میں ہی اب دوبارہ کام کر کے ٹھیک کرے سارے معاملات......'' حسنہ کے مزاج سے پائی، پائی پر جان دینے والی خصلت نہ گئی تھی۔ اتنا کھلا پیسہ ہونے کے باوجود وہ آسیہ کو بھی کنجوسی کا مشورہ دے رہی تھیں۔

''چلو خیر پیسے تو بے شک اور بھی لے لے مگر اب کوئی توڑ کرے ان سب مشکلات کا۔'' آسیہ بی ایک بار پھر سے جادو ٹونوں کے چکر میں پڑنے کو تیار تھیں۔

''آج ہی چلیں......؟ منی اور گڈو کو سلمٰی کے پاس چھوڑ دوں گی اور میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔''

''اچھا یعنی تم بھی چلو گی؟'' آسیہ بی، حسنہ کو اس عاملہ جادوگرنی کا ٹھکانا نہیں دکھانا چاہتی تھیں۔ کیونکہ وہ بھاوج کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھیں کہ کل کو وہ کسی بہانے اکیلی ہی عاملہ کے پاس پہنچ جائیں گی اور ان سے کچھ بعید نہیں کہ آسیہ بی یا اپنے شوہر امجد پر کوئی الٹا سیدھا عمل کراتی پھریں۔ اسی خدشے کے پیشِ نظر انہوں نے مری، مری آواز میں پوچھا تھا۔

''ہاں آپا اگر میں ساتھ نہ گئی تو پھر مرحا آپ کے ہمراہ ہو لے گی کیونکہ آپ کی طبیعت اچانک بگڑنے کے ڈر

سے وہ آپ کو اکیلے کہیں جانے نہیں دے گی اور اگر مرحا کو سچ بتایا تو وہ الٹا آپ کے خلاف ہو جائے گی اور اس عاملہ کے پاس بھی نہیں جانے دے گی آپ کو......'' ممانی نے ہوشیاری سے ایسے انداز میں بات کی کہ اچھی بھلی ہوشیار و چالاک آسیہ بی ان کے ہاتھوں بدھو بن کر انہیں ساری دنیا میں اپنا واحد ہمدرد سمجھ بیٹھی تھیں۔

''ہاں بات تو تمہاری ٹھیک ہے مگر مرحا کو کیا بتا کر جائیں گے؟'' آسیہ بیگم نے پوچھا۔

''کہہ دیں گے کہ بچوں کے لیے سردیوں کے کپڑوں کی شاپنگ کرنے جا رہے ہیں اور ویسے بھی بچوں کی ایک برانڈ پر نئے سال کی سیل لگی ہے۔'' ممانی نے تجویز پیش کی۔

''اور اگر مرحا بھی ساتھ ہولی تو؟'' آسیہ بی نے خدشہ ظاہر کیا۔

''نہیں، میں اسے کچن کے حوالے سے ملازماؤں کی نگرانی کا کام دے جاؤں گی۔'' ممانی نے سارا پلان بنا لیا تھا اور پھر ایسا ہی کیا۔ پلان آسانی سے کامیاب رہا تو وہ دونوں گھر سے نکلیں اور شہر سے دور ایک نسبتاً سنسان جگہ موجودہ عاملہ کے ٹھکانے پر پہنچ گئیں۔

وہاں سیکڑوں کی تعداد میں لوگ آئے ہوئے تھے۔ اور ایک موٹا سا کالا بھجنگ آدمی کاؤنٹر سنبھالے باریوں کے لیے ٹوکن تقسیم کر رہا تھا۔

کچھ لوگ بیماریوں کے لیے اور کچھ بچوں کو دم کرانے کے لیے لائے ہوئے تھے۔

آسیب زدہ اور جنات کے سائے سے متاثر لوگ بھی موجود تھے۔ جن کی آنکھوں اور چہروں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ آسیہ بی زیرلب قرآنی آیات کا ورد کر کے خود پر اور حسنہ پر پھونک رہی تھیں کیونکہ حسنہ نے ڈر کے مارے آسیہ بی کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

مردوں اور بچوں کے ساتھ خواتین کی بھی بڑی تعداد وہاں موجود تھیں۔ اور وہ سب اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ ٹوکن کے لیے باری آنے پر آسیہ بی بھی جا کر ٹوکن لے آئیں اور دونوں انتظار گاہ میں جا کر بیٹھ گئیں۔

خدا، خدا کر کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور عاملہ باجی کے پاس جانے کے لیے ان کا نمبر آیا تو وہ منتظم کی اجازت سے اندر چلی گئیں۔ اندر نیم تاریکی سی چھائی ہوئی تھی کچھ دیر بعد جب آنکھیں ملگجے اندھیرے کی عادی ہوئیں تو انہوں نے دیکھا کہ میلے کچیلے سے حلیے میں ایک درمیانی عمر کی آبنوسی رنگت اور چھریرے بدن کی عورت دھونی رمائے بیٹھی تھی۔ فضا میں عجیب ناگوار سی بُو پھیلی ہوئی تھی جیسی کہ سیلن والی جگہ پر چمگادڑوں کے رہنے کی وجہ سے ان کی بیٹ سے آتی ہے۔ کچھ، کچھ کچے گوشت کے سڑنے جیسی بدبو بھی آ رہی تھی جسے کوئلوں پر لوبان ڈال کر بدبو کے اثر کو کم کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی مگر اس کے باوجود ناگوار بُو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی بلکہ لوبان کی خوشبو کے ساتھ مکس ہو کر اور بھی عجیب اور تیز ہو گئی تھی۔

عاملہ نے اشارہ کیا تو وہ دونوں اس کے سامنے بچھے چھوٹے سے قالین کے ٹکڑے پر دوزانو ہو کر ادب سے بیٹھ گئیں۔

عاملہ کے سامنے انسانی کھوپڑی کے اندر رکھا چراغ جانے کیوں پھڑ پھڑا رہا تھا۔ حالانکہ اس تنگ و تاریک کمرے میں کہیں سے بھی ہوا اور روشنی کا گزر نہیں تھا۔

کمرے کا ماحول اس قدر دہشت ناک تھا کہ دونوں میں سے کسی کی آواز تک نہیں نکلی تھی۔ مگر جب عاملہ نے اشارہ کیا تو آسیہ بی نے اپنی طلاق کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ عاملہ بڑے غور سے سنتی رہی۔

''پھر اب کیا چاہتی ہو؟'' آسیہ بی کی پوری بات سن کر اس نے پوچھا۔

''میں چاہتی ہوں کہ میرا سابق شوہر مجھے گھر میں دوبارہ آباد کر لے۔'' آسیہ بی نے دل کی بات بے دھڑک

کہہ دی تھی۔

''اگر تو سمجھداری سے کام لے کر میرے دیے ہوئے تعویذ جلاتی تو ایسی مشکل میں آج نہ ہوتی اور اپنے مرد کے دل پر راج کرتی۔''عاملہ نے کہا۔

''بس غلطی ہوگئی۔معاف کردیں۔''آسیہ نے ہاتھ جوڑ دیے۔

''کچھ میرے لیے کردیں کہ میرا مرد مجھے دوبارہ گھر بلالے۔میں اس کے لیے سب کرنے کو تیار ہوں۔ شریعت کا ہر حکم پورا کروں گی۔''آسیہ، عاملہ کے آگے گڑگڑائی۔

''دھیرج رکھو۔میں ذرا بھوش (مستقبل) دیکھ لوں پہلے۔بھوشوانی (فال) نکال کر بتاتی ہوں۔''عاملہ کی بات چیت سے ممانی کو اندازہ ہوا کہ وہ مسلمان عورت نہیں ہے۔

ان کے سامنے ہی اس عاملہ نے کاغذ پر چند آڑی ترچھی لکیریں کالے قلم سے کھینچیں اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا۔تھوڑی دیر آنکھیں بند کرکے بیٹھی رہی اور پھر آنکھیں کھول کر نفی میں سر ہلادیا۔

''کٹھن ہے، بہت کٹھن۔تیرے اور اس کے ستارے نہیں ملتے۔تو آگ کے مافق ہے (مانند ہے) اور وہ ٹھنڈا پانی۔دونوں کے ستاروں کے بیچ دشمنی ہے۔''

''کچھ کریں......آپ کے پاس بڑی امید سے آئی ہوں۔''آسیہ بی نے التجا بھرے لہجے میں کہا۔

''اگر اب دونوں ملے تو بڑا غضب ہوجائے گا۔تو مرے گی یا وہ مرے گا۔''عاملہ نے کہا تو آسیہ بی کے ساتھ حسنہ نے بھی گھبرا کر دل پر ہاتھ رکھ لیا۔

''میں کیسے برداشت کروں گی کہ میں تو برباد رہوں اور وہ دوسری عورت کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزارے۔''آسیہ بی رو ہی پڑیں۔

''پھر اپنے من کی بات بتاؤ کہ تمہاری کیا مرضی ہے؟''عاملہ نے اپنی تیز چمکدار نگاہیں آسیہ پر مرکوز کرتے ہوئے پوچھا۔

''بس وہ اگر میرے نہیں تو پھر کسی کے بھی نہ ہوں۔''آسیہ نے اپنے من کی کہہ دی۔

''ٹھیک ہے۔ایسا ہوجائے گا پرنتو ایک لاکھ روپیہ لگے گا تیرا۔''عاملہ نے بتایا۔

''مجھے منظور ہے۔''آسیہ بی نے فوراً ہامی بھرلی۔

''وہ اپنی استری (بیوی) کو چھوڑ دے گا،نہیں تو نشٹ (برباد) ہوجائے گا۔انا تھیا نشٹ ہوجائے گا۔''(بالکل برباد ہوجائے گا)

''میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ وہ کبھی کسی اور کے نہ ہوں ورنہ برباد ہوجائیں۔''

''پیسے نکال۔''عاملہ نے جیسے حکم جاری کیا۔اچھے خاصے پیسے وہ ساتھ لے گئی تھیں۔

آسیہ بی نے بیگ سے گن کر پورے ایک لاکھ روپے عاملہ کے آگے پڑی لکڑی کی چوکی پر رکھ دیے۔

''باہر جاکر انتظار کرو،میں تابیج (تعویذ) لکھ کر بھیجتی ہوں۔کیسے ان کو استعمال کرنا ہے، یہ باہر بیٹھا آدمی تم کو سمجھادے گا مگر اس بار کسی بھی تابیج کا کوئی الٹ استعمال ہوا یا عمل ٹوٹا تو یاد رکھنا کہ پھر تمہاری خیر نہیں ہے۔''عاملہ نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

''میں اب بہت احتیاط کروں گی۔''آسیہ بی نے وعدہ کرلیا۔

دونوں اٹھ کر باہر آگئیں۔

کچھ دیر بعد ایک آدمی نے کچھ تعویذات بندھی ہوئی پڑیوں میں راکھ اور مٹی کے ساتھ لادیے اور ساتھ ہی

ایک کاغذ دیا جس پر ان چیزوں کو کس طرح استعمال کرنا ہے، اس کا سارا طریقہ لکھا تھا۔ آسیہ بی نے ساری چیزیں بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے بیگ میں رکھیں اور دونوں واپس ہولیں۔

ان کا اطمینان ان کے چہرے سے جھلک رہا تھا اور ان کی بھاوج حسنہ یہ سب دیکھ کر دم بخود تھی۔

☆☆☆

عارفہ بی نے ایک کے بعد ایک کر کے عارف کے موبائل پر کئی کالز کیں مگر اس نے کال ہی اٹینڈ نہیں کی اور ایک وقت ایسا آیا کہ اس کا نمبر ہی بند ہو گیا۔ رات سے صبح اور صبح سے رات آ گئی۔ مگر عارف گھر نہ آیا۔

عارفہ بیگم نے آفس کے نمبر پر کال کی تو معلوم ہوا کہ وہ تو آفس گیا ہی نہیں...... بلکہ دس دن کی چھٹی پر ہے۔ رو، رو کر عارفہ بیگم کا برا حال تھا۔ ملازم تسلیاں دے رہے تھے، دعائیں کر رہے تھے۔ صدقات وخیرات سب جاری تھا مگر عارف کا کچھ اتا پتا نہیں تھا۔ تین دن کے اندر عارفہ بھی ادھ موئی ہو کر رہ گئی تھیں۔

آخر انہوں نے فون کر کے عاتکہ اور اس کے شوہر کو گھر بلایا اور سارا ماجرا گوش گزار کر دیا۔

''آپ نے بدر بھائی کو بتایا؟'' عاتکہ نے پوچھا۔

''نہیں، میری ہمت نہیں ہو رہی ابھی یہ بات بتانے کی۔ گنے چنے چند دن ان کے نکاح میں رہ گئے ہیں، اور دونوں بچوں کی منگنی کی ساعت تو بالکل ہی سر پر ہے۔ بدرالدین نے تو اپنے دوستوں کی کچھ فیملیز کو انوائٹ بھی کر لیا ہے اس تقریب کے لیے۔ میں اب آخر میں انہیں کس منہ سے منع کروں گی زونائشہ کے رشتے کے لیے اور وہ آگے اپنے دوستوں کو اس تقریب کے ملتوی ہونے کا کیسے بتا پائیں گے، یہ سب چھوڑو ذرا زونائشہ کا تو سوچو میں نے اس منگنی کی تقریب کے لیے اسے ساتھ لے جا کر ساری شاپنگ کر لی ہے اس کی پسند سے۔ اب اسے جب معلوم ہوگا کہ عارف تو اسے پسند ہی نہیں کرتا بلکہ وہ مرحا سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔''

''سب کی فکر چھوڑو آپا...... بس اپنے بیٹے کی فکر کرو اور دعا کرو کہ وہ خیریت سے گھر واپس آ جائے۔'' عاتکہ نے بہن کو سمجھایا۔

''ہاں مگر ابھی بدرالدین کو میں کچھ بتانا نہیں چاہتی، ان کے نکاح کی تقریب ذرا خیر و عافیت سے ہو جائے تو پھر کسی طرح یہ سارا معاملہ ان کے کانوں تک پہنچاؤں گی۔ فی الحال منگنی کی اس تقریب سے معذرت کے لیے کوئی بہانہ سوچوں گی مگر کسی طرح عارف تو گھر آ جائے۔ ہائے اللہ جی میں عارف کو کہاں ڈھونڈنے جاؤں......'' عارفہ بیگم چہرے پر دوپٹے کا پلو ڈال کر سسکنے لگیں۔

''آپا! آپ کو عارف کے کسی دوست کا کانٹیکٹ نمبر معلوم ہے؟'' عاتکہ بی کے شوہر فیصل نے عارفہ بیگم سے پوچھا۔

''ہاں، ایک دو نمبرز میرے پاس تھے میں نے کال کی مگر انہوں نے عارف کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔'' عارفہ نے آنسو پونچھتے ہوئے بتایا۔

''ہو سکتا ہے کہ ان دوستوں سے عارف کے چند اور دوستوں کے کانٹیکٹ نمبر مل جائیں۔'' فیصل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''آپ وہ نمبرز ذرا مجھے دیں۔''

عارفہ نے اپنے موبائل سے فیصل کے موبائل پر نمبرز شیئر کر دیے۔

''میں کال کر کے چیک کرتا ہوں...... ہو سکتا ہے عارف اپنے کسی اور دوست کے ہاں چلا گیا ہو۔'' کچھ دیر توقف کے بعد وہ پھر بولے۔

''ابھی تو پہلا کام یہ کرتا ہوں کہ قریبی تھانے میں جا کر عارف کی گمشدگی کی رپورٹ درج کراتا ہوں پھر اس

کے بعد شہر کے اسپتالوں میں فون کر کے چیک کرتا ہوں کہ اس نام، پتے اور حلیے کا کوئی شخص ایمر جنسی میں تو نہیں آیا یا لایا گیا۔ اس کے بعد مجھے اسپتال کے مردہ خانوں سے بھی معلوم کرنا ہوگا۔'' اور مردہ خانے کا نام سن کر عارفہ بیگم تو زور، زور سے رونے لگیں۔

''تھانے میں گمشدگی کی رپورٹ سے تو بات ہر طرف پھیل جائے گی اور ہماری بدنامی ہوگی کیونکہ پولیس تو ہر جگہ سے تفتیش مکمل کرے گی اور گھر بھی آئے گی۔ اس طرح تو بدر کو بھی ساری صورتِ حال کا علم ہو جائے گا۔'' عاتکہ نے اپنے شوہر کے سامنے اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

''نہیں، میرا دوست ایس ایچ او ہے اور ڈی آئی جی سے بھی میری اچھی سلام دعا ہے تو جو بھی کارروائی ہوگی انتہائی خاموشی اور رازداری سے ہوگی۔'' عاتکہ کے شوہر فیصل نہ صرف ہائیکورٹ کے ایڈووکیٹ تھے بلکہ زمین دار ہونے کے ساتھ پراپرٹی کے کام سے بھی منسلک تھے۔ یہی وجہ تھی کہ شہر اور شہر سے باہر بھی ان کے تقریباً ہر شعبے اور ہر قسم کے لوگوں سے تعلقات تھے۔

''اور خدانخواستہ عارف ہمیں کہیں بھی نہ ملا تو......؟'' عاتکہ نے شوہر سے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

''پھر تو اس بات کا ایک ہی مطلب ہوگا؟'' فیصل کی آنکھوں میں عجیب سی چمک آ گئی تھی۔

''وہ کیا......؟'' عاتکہ نے دھیرے سے سوال کیا۔

''وہ یہ کہ عارف کہیں اور نہیں بلکہ مرحا کے گھر روپوش ہے۔''

''ہائے اللہ......کیا ایسا ممکن ہے؟'' عاتکہ نے کہا۔

''ناممکن تو کچھ بھی نہیں ہے عاتکہ بیگم......بہر حال میں کل شام تک کھوج لگا لوں گا۔ ہر شعبے سے میرے پاس رپورٹ پہنچ جائے گی۔'' فیصل نے کہا۔

''اچھا عارفہ آپا......اب مجھے اجازت دیں اور آپ آرام کریں۔'' فیصل نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''عارف مل تو جائے گا ناں فیصل...؟'' عارفہ بیگم نے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''ہاں جی ان شاء اللہ......ضرور مل جائے گا، وہ کہیں نزدیک ہی ہوگا مگر آپ سے شرارت کے خیال سے چھپا ہوا ہے بس، تاکہ آپ پریشان ہو کر اس کی بات مان لیں۔'' فیصل نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''وہ اِک بار گھر آ جائے بس......میں اس کی ہر بات مان لوں گی......وہ جیسے چاہے گا ویسا ہی ہوگا......وہ جیت جائے بس......میں ہار تسلیم کر لوں گی۔'' عارفہ بیگم پھر رونے لگیں۔

''عاتکہ تم یہیں عارفہ آپا کے پاس رک جاؤ تاکہ انہیں ڈھارس رہے۔'' فیصل نے کہا تو عاتکہ نے پُر خیال انداز میں سر ہلایا۔

''ہاں میں تو خود بھی یہی سوچ رہی تھی۔ اس وقت عارفہ آپا کو تنہا چھوڑنا ہرگز مناسب نہیں......آپ ڈرائیور کے ہاتھ میرے دو تین جوڑے کپڑوں کے بھجوا دیجیے گا۔''

عارفہ نے کہا تو فیصل ٹھیک ہے کہہ کر دروازے سے باہر نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد عاتکہ نے بہن کو زبردستی کر کے دو چار لقمے کھانے کے کھلائے اور پھر انہیں سکون آور دوا دے کر سلا دیا۔

کچھ ہی دیر میں عاتکہ کے موبائل کی بیل بج اٹھی۔ تو فون اٹینڈ کرنے کمرے سے باہر آ گئیں۔ یہ بدرالدین کی کال تھی۔

''کدھر ہیں آپ دونوں بہنیں؟ کچھ اتا پتا ہی نہیں......سب خیریت تو ہے؟'' انہوں نے سلام دعا کے پوچھا۔

''ہاں سب خیریت ہے، بس عارفہ آپا کی طبیعت ایک دو دن سے کافی ناساز ہے۔'' عاتکہ نے بتایا۔

''ہاں ابھی میں انہی کا پوچھنے لگا تھا، میں انہیں کئی بار کال کر چکا ہوں مگر ان کا نمبر ہی اٹینڈ نہیں ہو رہا۔ اور آپ نے بھی گھر کا چکر نہیں لگایا تو مجھے تشویش ہوئی۔'' بدرالدین نے کہا اور پھر بہن کا پوچھنے لگے کہ انہیں کیا ہوا ہے؟

''شدید فلو کے ساتھ چیسٹ انفیکشن ہو گیا ہے اور ساتھ ہی آنکھیں بھی دکھنے آئی ہوئی ہیں...... اسی لیے میں آپا کی طرف آئی ہوئی ہوں......'' عاتکہ کے بتانے پر بدرالدین پریشان ہو گئے۔

''ڈاکٹر کو دکھایا......؟'' انہوں نے پوچھا۔ ''میں ابھی آ رہا ہوں پھر عارفہ آپا کو اسپتال لے چلتے ہیں۔''

''نہیں، نہیں...... تم تو بالکل بھی مت آؤ...... ڈاکٹر کو دکھایا تو اس نے بتایا ہے کہ چھوتی مرض ہے ایک دوسرے سے لگ سکتا ہے اس لیے تم تو گھر پر ہی رہو کہ تمہاری شادی میں چار روز تو باقی رہ گئے ہیں لہٰذا تم تو رسک نہ ہی لو آنے کا...... خدانخواستہ اگر تم اس وقت پر بیمار پڑ گئے تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔'' عاتکہ بیگم، بدرالدین کو عارفہ کے گھر آنے سے روکنا چاہتی تھیں اس لیے جھوٹ موٹ کے بہانے بنا رہی تھیں۔

''مگر آپ خود تو وہیں ہیں...... یہ مرض تو آپ کو بھی لگ سکتا ہے۔'' بدرالدین نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''میری فکر مت کرو...... میں نے اپنی پروٹیکشن کر لی ہے مگر تمہارا آنا ٹھیک نہیں ہے۔'' عاتکہ بیگم نے حتی المقدور ٹالا۔

''اچھا پھر عارفہ آپا سے بات ہی کرا دیں۔'' بدرالدین نے نئی فرمائش کر ڈالی۔

''ابھی تو وہ دوا کھا کر سو رہی ہیں......'' عاتکہ بی نے بتایا۔

''اور عارف......؟'' انہوں نے پوچھا۔

''بہت تھکا ہوا تھا بیچارہ...... سونے چلا گیا ہے بلکہ اب تک تو سو بھی گیا ہوگا......'' عاتکہ بہن کے گھر کا راز رکھنے کے لیے جھوٹ پر جھوٹ بولے چلی جا رہی تھیں۔

''اچھا چلیں ٹھیک ہے، میں صبح کال کر کے عارفہ آپا کی طبیعت معلوم کر لوں گا......'' انہوں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

☆☆☆

ازنا کی خفگی کے بعد عرشان کا دل کہیں بھی نہیں لگ رہا تھا۔ اپنے کام پر دورانِ ڈیوٹی بھی وہ کچھ کھویا ہوا تھا۔ اسی لیے غلطی پر غلطی کیے جا رہا تھا۔ کسی گاہک کا آرڈر کسی کی ٹیبل پر تو کسی کا آرڈر کسی اور کی ٹیبل پر...... یہی نہیں بلکہ کولڈ ڈرنک کئی بار اس کے ہاتھوں سے گرتے، گرتے بچی تھی۔

دو چار دن سے اس کی مسلسل غلطیاں اور غیر حاضر دماغی نوٹ کرنے کے بعد اسے منیجر نے اپنے آفس میں بلا لیا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ تمہارا دل اب اس ملازمت سے بھر گیا ہے، میں تمہارا حساب کیے دیتا ہوں، تم یہاں سے چھٹی کرو......''

عرشان کے منت ترلوں کے باوجود منیجر نے اپنا کیلکولیٹر کھولا...... اس کا حساب بنایا سیف سے اس کی اب تک کی تنخواہ اور کمیشن کے پیسے اس کے ہاتھ پر رکھے۔ اور باہر کا راستہ دکھا دیا۔

عرشان نے پیسے والٹ میں ڈالے اور سر جھکا کر باہر جانے لگا۔ جبھی کسی نے اسے پیچھے سے پکار لیا تھا...... آواز پہچان کر عرشان تیزی سے پیچھے پلٹا اور پلٹ کر دیکھتا ہی رہ گیا۔

☆☆☆

''دل پہ پتھر رکھ کر منہ پہ میک اپ کر لیا
اپنے سیاں جی سے آج میں نے بریک اپ کر لیا''

کچھ دن تک تو یہ ازنا کا فیورٹ سونگ رہا تھا اور وہ دن میں کئی بار اسے سنا کرتی تھی۔ اسے امید تھی کہ عرشان اسے بار، بار کال کر کے سوری کہے گا اور وہ نخرے دکھائے گی مگر جب ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تو ازنا کو تشویش ہونے لگی۔

کہیں عرشان سچ مچ مرحا کی زلفوں کا اسیر تو نہیں ہو گیا۔

''کمبخت مرحا، بہنوں میں سب سے زیادہ خوب صورت بھی تو ہے کیا خبر عرشان کو اب مرحا پسند آ گئی ہو۔ مگر نہیں عرشان بہت پختہ سوچ کا لڑکا ہے، وہ ظاہری حسن پر مرنے والا انسان نہیں ہے اور پھر یہ بھی تو حقیقت ہے کہ میں بھی تو کوئی کم حسین نہیں...... ماشاء اللہ سے ہم تینوں بہنوں کو ہی اللہ تعالیٰ نے بڑی فرصت میں بنایا ہے۔'' ازنا نے دل ہی دل میں کہا۔

''تو پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے عرشان کی اس بے رخی کی؟ شاید وہ میرے اس طرح کھلے ڈلے انداز میں اپنے کردار پر شک و شبے کے اظہار سے ہرٹ ہو گیا ہو۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس طرح تو میں نے خود کو اس کی نظروں میں گرا کر اپنے مقابلے میں مرحا کو معتبر کر دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہ تو اسے ہی اچھا سمجھے گا اور مجھے گھٹیا گردانے گا۔'' وہ طرح، طرح کی باتیں سوچ رہی تھی۔

''کیا مجھے عرشان سے اپنے رویے پر سوری کر لینی چاہیے؟ مگر پھر اس طرح تو اسے پوری زندگی کے لیے یہی عادت پڑ جائے گی کہ اگر میں کسی بات پر خفا ہوں گی تو پھر سوری بھی میں خود ہی کروں گی اور وہ نہیں منائے گا۔ چلو ایک دو دن اور دیکھتی ہوں پھر اگر عرشان کا فون نہ آیا تو میں خود اسے کال کر کے اس سے معذرت کر لوں گی۔ غلطی میری ہے تو معافی بھی مجھے ہی مانگنا ہو گی۔ ویسے بھی سوری کہنے سے کوئی چھوٹا بڑا تو نہیں ہو جاتا...... ایک بار میں سوری کر لوں گی مگر شادی کے بعد عرشان کو ایسا سیٹ کروں گی کہ چاہے غلطی میری بھی ہو مگر منایا وہی کرے گا۔'' ازنا نے سوچا اور مسکرا دی۔

''کیا ہر وقت سیڈ سونگ لگائے رکھتی ہو؟ گھر میں اتنی خوشی کا موقع ہے اور تم اس طرح کے گانے سن رہی ہو......؟'' ازنا کوئی اداس سا گانا لگائے سن رہی تھی جبھی زونائشہ ایک بے حد خوب صورت سوٹ ہینگر پر لٹکائے کمرے میں چلی آئی۔

''بھئی کون سا خوشی کا موقع...... پاپا کی شادی......؟'' ازنا نے استہزائیہ ہنسی ہنس کر پوچھا۔

''ارے نہیں پگلی...... میں اپنی منگنی کی بات کر رہی ہوں......'' زونائشہ نے کہتے ہوئے سامنے اپنا سوٹ لہرایا۔

''یہ دیکھو ذرا......'' گلابی اور کاسنی رنگوں کے امتزاج پر گولڈن کام بڑی نفاست سے کیا گیا تھا اور دوپٹے کے چاروں اطراف گولڈن گوٹا اور کرن لگی ہوئی تھی۔

''ماشاء اللہ بہت خوب صورت سوٹ ہے۔'' ازنا نے تعریف کی۔

''یہ پھپو نے دلایا ہے انگیجمنٹ کے لیے......'' زونائشہ نے خوشی سے بھرپور لہجے میں بتایا۔

''انگیجمنٹ رنگ بھی میں نے خود پھپو کے ساتھ جا کر لی ہے۔ وہ بھی بہت ہی خوب صورت ہے بالکل نئے ڈیزائن کی اور پھپو نے سوٹ کے میچنگ شوز، جیولری اور چوڑیاں بھی دلائی ہیں۔'' زونائشہ کا جوش اور خوشی دیدنی تھی۔

''باقی تو سب کچھ پھپو نے مجھے پہلے ہی دے دیا تاکہ انگیجمنٹ والے دن تیار ہونے میں آسانی ہو بس رنگ وہ اسی دن اپنے ساتھ لائیں گی تاکہ رسم ادا کر سکیں۔''

''ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ...... اللہ پاک ان خوشیوں کو حاسدوں کی نظر سے بچا کر رکھے۔'' ازنا نے خلوص سے دعا دی۔

''عارف بھائی کی بھی ساری تیاری ہو گئی ہو گی انگیجمنٹ کے لیے؟'' ازنا نے پوچھا۔

''ہاں، پاپا نے پھپو کو عارف کے سوٹ، شوز اور رنگ کے لیے پیسے دے دیے تھے تاکہ وہ اپنی مرضی سے شاپنگ کر سکیں......'' زونائشہ نے بتایا۔

''چلو یہ تو اچھی بات ہے...... میں اپنے لیے کل مارکیٹ جا کر ریڈی ٹو ویئر میں سے کچھ لے آؤں گی......''

ازنا نے کہا۔

''ازنا......ابھی تک ہم میں سے کسی نے بھی مرحا کو میری انگیجمنٹ کے حوالے سے کچھ بھی نہیں بتایا...... وہ بے شک مما کی وجہ سے ہم سے دور رہتی ہے مگر مجھے کبھی، کبھی ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے بھی اسے خود سے دور کر کے بالکل غیر کر دیا ہے۔ سوچ رہی ہوں کہ ابھی اسے کال کر کے عارف سے اپنی منگنی کا بتادوں اور کہوں کہ.... بے شک وہ پاپا کی میرج پارٹی میں شامل نہ ہو مگر میری انگیجمنٹ پر تو ضرور آئے۔ بلکہ کل پرسوں ہی چلی آئے اور آ کر سب سے پہلے اپنی شاپنگ کرے پھر مل کر سب انجوائے کریں گے، ڈھولک بھی بجائیں گے سوچو اگر اتنے اہم موقع پر اپنی بہن ہی نہیں ہوگی تو کیا خاک مزہ آئے گا۔'' زونائشہ کی بات پر ازنا کچھ سوچتے ہوئے سر ہلانے لگی۔

''پاپا تو مرحا کو بتانا چاہتے تھے مگر میں نے ہی انہیں منع کر دیا تھا۔'' ازنا نے بتایا تو زونائشہ حیران رہ گئی۔

''وہ کیوں بھلا......؟''

''وہ اس لیے کہ وہ ماموں کے ہاں رہتی ہے اور ممانی کا تو زونی آپی، آپ کو معلوم ہی ہے کہ وہ نظر لگانے میں ماہر ہیں اور نظر بھی ان کی ایسی ہے کہ پتھر کو کاٹ کر رکھ دے، اب اگر مرحا کو بتاتے تو ممانی کو بھی علم ہو جاتا اور ان کی نظر لگ سکتی تھی۔ اس گھر کی کوئی خوشی ممانی کو ہضم نہیں ہوتی اور پھر مما کو پتا چلتا تو ان کا بھی رونا دھونا اسٹارٹ ہو جاتا۔ کیونکہ وہ تو شروع سے ہی عارفہ پھپھو کو پسند نہیں کرتی تھیں، عارفہ پھپھو کی اور ان کی آپس میں کبھی... بنی ہی نہیں تو یقیناً مما بھی اس رشتے کی مخالفت ہی کرتیں اور ہوسکتا ہے کہ مما آپ کو کال کر کے اپنی ممتا کا واسطہ دے کر مجبور کرتیں کہ آپ ہی اس رشتے سے انکار کر دیں۔ ایسے میں مرحا کے لیے سچویشن اور بھی مشکل ہو جاتی، بس یہی سب سوچ کر میں نے پاپا کو منع کر دیا تھا کہ ابھی مرحا کو اس بارے میں کچھ نہ بتائیں۔''

ازنا نے تفصیل بتائی تو زونائشہ پریشان سی ہوگئی۔

''یہ سب تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا... چلو شکر ہے کہ تمہارے ذہن نے کام کیا اور تم نے بڑی گہرائی میں جا کر سوچا۔ تمہارا شکریہ......'' اس نے تشکر سے بہن کو دیکھا۔

''مگر میں تو یہ سوچ کر بہت اداس ہوں کہ کیا میری انگیجمنٹ پر ہماری بہن مرحا موجود نہیں ہوگی؟'' زونائشہ اداسی سے بولی تو ازنا نے قہقہہ لگایا۔

''یہ آپ نے کیسے سوچ لیا کہ مرحا اتنے اہم موقع پر موجود نہیں ہوگی۔ میں خود اسے جا کر لاؤں گی اور اس کی شاپنگ بھی کرادوں گی۔ ڈونٹ وری......'' ازنا نے کہا تو زونائشہ مطمئن ہوگئی۔

''ایک بات تو بتائیں زونی آپی...... کیا عارف بھائی کے میسجز یا کالز آتی ہیں آپ کے پاس؟ اور انہوں نے کبھی آپ سے اظہارِ محبت کیا ہے؟'' ازنا نے پوچھا تو زونائشہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''نہیں تو......؟'' زونائشہ کے جواب پر ازنا سوچ میں پڑ گئی۔

''میرے خیال میں تو یہ بہت ایب نارمل بات ہے، آخر انہیں آپ سے رابطہ تو کرنا چاہیے تھا۔'' ازنا نے کہا۔

''اصل میں عارف عام لڑکوں کی طرح چھچھورے اور شوخے نہیں ہیں، اس لیے بھی ایسی حرکتوں سے اجتناب کرتے ہوں گے۔ ویسے میں نے ان کی نظروں میں اپنے لیے پسندیدگی کی جھلک تو کئی بار دیکھی ہے۔'' زونائشہ نے شرماتے ہوئے بتایا تو ازنا ہنس پڑی۔

''میری پیاری آپی! اللہ کرے آپ کی خوشیوں کو کبھی کسی کی نظر نہ لگے۔''

ازنا نے جھٹ بہن کے گلے میں بانہیں ڈال کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے خلوصِ دل سے دعا دی تھی۔

☆☆☆

عارف کی گمشدگی کی پریشانی اپنی جگہ تھی مگر یہ بھی سچ تھا کہ عاتکہ کے آجانے سے عارفہ کو بڑی ڈھارس ہوئی

آپ کی توجہ کے منتظر

میلے کچیلے، داغ دھبوں والے......کچن کیبنٹ، باتھ ٹب، استری، پرانی میز آپ کی توجہ کے منتظر......
اکثر اوقات گھریلو کام کاج میں ہمیں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جن میں گھریلو اشیا کی مناسب صفائی نہ ہونے کی وجہ سے جہاں قیمتی وقت کا زیاں ہوتا ہے وہیں اہم اشیا بھی برباد ہو جاتی ہیں، تاہم اس کا حل موجود ہے، چند مفید طریقۂ کار یا تراکیب کا استعمال کرتے ہوئے ان مشکلات سے چھٹکارا حاصل کر کے زندگی کو آسان بنایا جاسکتا ہے۔

اکثر کچن کیبنٹ پر ایسا چکنا، بدبودار مواد لگ جاتا ہے، جو کسی صورت بھی قابلِ قبول نہیں ہوتا لیکن اسے صاف کرنا انتہائی آسان ہے۔ایک حصہ خوردنی تیل لے کر اس میں دو حصے بیکنگ سوڈا ملائیں اور اب اس مکسچر کو کسی کپڑے یا ٹوتھ برش پر لگا کر کیبنٹ کے متاثرہ حصے کو صاف کریں۔ چند ہی منٹوں میں آپ کے کیبنٹ چمک جائیں گے۔

استری کے نچلے حصے کو صاف کرنا انتہائی آسان ہے۔سب سے پہلے تھوڑا سا نمک استری کرنے والے تختے پر پھیلا دیں اور اس کے بعد استری کو نمک پر رکھ کر آن کریں۔اس کا درجہ حرارت کا آپشن بلند ترین پوائنٹ پر ہونا چاہیے۔استری کا متاثرہ حصہ مکمل صاف اور چمک دار ہو جائے گا۔

اگر کسی پرانی لکڑی کی میز پر خراشیں پڑ چکی ہیں اور وہ انتہائی بدنما محسوس ہو رہی ہے تو فکر نہ کریں، انہیں مکمل طور پر صاف کیا جاسکتا ہے۔آدھا کپ بھر کے میں آدھا کپ زیتون کا تیل ملائیں اور اب اس مکسچر میں کسی کپڑے

تھی۔ایک بہن کے لیے دوسری بہن کا ہونا بھی کتنا بڑی نعمت ہے۔ اپنی ماں جائی سے بڑھ کر اور کوئی سچا ہمدرد یا غمگسار نہیں ہوتا۔

عارفہ بیگم اپنے بیٹے کی جدائی میں تڑپتی تھیں تو عاتکہ ہی وہ ہستی تھیں جو انہیں دلاسا دیتیں، انہیں سنبھالتیں اور ان کا خیال رکھتیں۔

پھر عاتکہ ہی کے مشورے سے انہوں نے ہمت باندھ کر، اپنے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے خود بدرالدین کو کال کی اور بتایا کہ عارف کے پشاور میں موجود ایک گہرے دوست کے فادر اسپتال میں بہت نازک صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ان کے دونوں گردے جواب دے گئے ہیں اور عارف دو دن سے وہیں گیا ہوا ہے۔ڈاکٹرز نے دوست کے والد کی زندگی سے مایوسی کا اظہار کیا ہے اس لیے عارف کو ابھی کچھ دن اپنے دوست کی دل جوئی کے لیے وہیں رکنا پڑے گا تو اس وجہ سے انگیجمنٹ کی تقریب ملتوی کرنی پڑے گی۔‘‘

’’اوہو......!اچھا۔‘‘ بدرالدین کے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا۔

’’تمہارے نکاح کے بعد حاجرہ بھی گھر آجائے گی تو اس تقریب میں اور بھی اچھا لگے گا۔‘‘ بدرالدین خاموش رہے۔

’’میں جانتی ہوں بدرالدین کہ اس تقریب کے لیے تم مہمانوں کو انوائٹ کر چکے ہو تو پھر اب انہیں منع کرنا مشکل ہوگا مگر چلو منگنی نہ سہی مگر تمہاری مہندی تو ہے ہی ناں......تو مہمان جب آئیں گے تو اسی وقت انہیں ساری صورتِ حال بتا دیں گے۔قوالی نائٹ اور ڈنر تو ہے ہی۔مہمان اسی کو کافی انجوائے کریں گے۔‘‘ عارفہ نے رک، رک کر آہستہ، آہستہ معذرت خواہانہ انداز میں انہیں سمجھایا۔

’’ٹھیک ہے آپا، وہ تو کوئی مسئلہ نہیں۔اللہ تعالیٰ بس آپ کو صحت یابی عطا فرمائے اور عارف کے دوست کے والد کے لیے بھی آسانیاں فرمائے، آمین۔باقی ہر چیز کے ہونے کا ایک وقت معین ہے اگر بچوں کی نسبت

کو ڈبوئیں اور اسی کپڑے سے میز صاف کرتے جائیں۔ تمام خراشیں غائب ہو جائیں گی اور میز بالکل نئی لگنے لگے گی۔

تکیوں کے غلاف یا دیگر سفید اشیا ہلکے پیلے رنگ میں تبدیل ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور دھلنے کے باوجود بھی میلی محسوس ہوتی ہیں۔ اس پریشانی سے چھٹکارا حاصل کرنا بھی کوئی مشکل کام نہیں۔ ایک کپ کپڑے دھونے کے پاؤڈر میں ایک کپ برتن دھونے کا پاؤڈر مکس کریں۔ اب اس مکسچر میں ایک کپ بلیچ اور آدھا کپ بورکس مکس کریں اور انتہائی گرم پانی میں یہ مکمل مکسچر ڈال کر متاثرہ اشیا کو دھوئیں۔ سفید رنگ دوبارہ حاصل ہو جائے گا۔

باتھ ٹب کو صاف کرنا ہے تو ایک چکوترا اور ایک چوتھائی کپ نمک لیں، چکوترے کو دو حصوں میں کاٹ کر اس پر تھوڑا سا نمک چھڑکیں، باتھ ٹب کو گیلا کر کے اس کی سطحوں پر باقی نمک چھڑک دیں، چکوترے کو ٹب میں رگڑیں اور اس کے بعد ٹب کو پانی سے دھولیں۔

از: سائرہ شاہ، لاہور

بیوٹی ٹپس

ہاتھوں کی خوب صورتی کے لیے اپنے ہاتھوں سے صدقہ کریں۔ آواز کی خوب صورتی کے لیے تلاوت قرآن پاک کریں۔ آنکھوں کی خوب صورتی کے لیے اللہ پاک کے خوف سے نکلے ہوئے آنسو۔ چہرے کی خوب صورتی کے لیے اچھا وضو۔ دل کی خوب صورتی کے لیے اللہ کی یاد۔

مرسلہ: حمیرا انجم وحید، واہ کینٹ

میں قدرت کی جانب سے تاخیر ہے تو اس تاخیر میں بھی کوئی بہتری ہی ہوگی۔ اللہ پاک کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے۔ ٹھیک ہے پھر آپ آرام کریں میں ذرا اپنے کام کچھ نمٹا لوں......'' یہ کہہ کر بدر الدین نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

''پتا نہیں کیوں مجھے بدر الدین کا لہجہ یک دم ہی کچھ بدلا ہوا سا لگا۔'' عارفہ بیگم نے کال بند ہونے کے بعد عاتکہ سے کہا۔

''ہو سکتا ہے کہ یہ آپ کا وہم ہو...... مگر ہو سکتا ہے کہ بدر کو آپ کی بات سے کچھ دھچکا پہنچا ہو اور وہ اس لیے پریشان ہوں کہ زونائشہ کو منگنی ملتوی ہونے کا کیسے بتائیں گے۔''

''ہاں...... یہ تو ہے۔'' عارفہ بیگم نے مری، مری آواز میں کہا اور پھر اونچی آواز سے رونے لگیں۔

''ہائے میرے بیٹے...... میرے عارف تو نے اپنی ماں کو کہیں کا نہیں چھوڑا۔ میرے لعل اب تو گھر آجا، اپنی ماں کے صبر کا امتحان نہ لے۔ دیکھ اب تو میں نے تیری منگنی بھی کینسل کر دی ہے۔'' وہ بلک، بلک کر رو رہی تھیں۔

عاتکہ نے انہیں گلے سے لگایا اور تسلیاں دینے لگیں پھر عارفہ بیگم کی حالت دیکھ کر وہ خود بھی اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکیں۔ اور بے تحاشا رونے لگیں۔

☆☆☆

اسپتالوں سے چیک کرانے، تھانے میں گمشدگی کی رپٹ درج کرانے اور ڈی آئی جی سے بات کرنے سے بہتر فیصل نے یہی سمجھا تھا کہ پہلے مرحا کے ماموں کے گھر جا کر وہاں سے عارف کے بارے میں معلومات لینے کی کوشش کریں۔ پھر سچویشن کے مطابق آگے کا پلان بنائیں گے۔

آسیہ بیگم کے بھائی کے گھر کا ایڈریس انہیں کچھ، کچھ یاد تھا۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد وہ گھر تک پہنچ ہی گئے

تھے، گھنٹی بجائی۔

مرحا اسی وقت کسی کام سے باہر آئی تھی اس نے گیٹ میں بنی چھوٹی سی کھڑکی سے فیصل پھوپا کو باہر کھڑے دیکھا تو آسیہ بی کو بتانے الٹے قدموں اندر کی طرف بھاگ گی تھی۔

☆☆☆

"آئی ہے مہندی دیکھو آئی ہے مہندی
مہندی میں رنگ نہیں، خوشبو بھی سنگ نہیں
دولھا کی بہنوں کو اتنا بھی ڈھنگ نہیں
آیا ہے جوڑا دیکھو آیا ہے جوڑا
جوڑے کا وہ رنگ نہیں، چوڑیاں بھی سنگ نہیں
دولھا کی اماں کو اتنا بھی ڈھنگ نہیں"

"بس کردو بس......" دادی نے ہاتھ اٹھا کر گانا بجانا سب اسٹاپ کردیا۔

"شادی بیاہ کے گیت گاؤ مگر گیتوں کے بہانے لڑکے کی ماں بہنوں کو کوسنا اور برا بھلا کہنا بند کرو...... یہ بہت بری بات ہے۔"

دادی نے کہا تو امی نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا کر بھرپور تائید کی۔

"دادی جان اور پیاری امی...... ہم اکثر یہی دیکھتے چلے آئے ہیں کہ جب لڑکی اور لڑکے والے اپنے بچوں کا آپس میں رشتہ طے کرتے ہیں تو اس وقت وہ دونوں گھرانے آپس میں رشتے داری کو اپنے لیے اعزاز سمجھ رہے ہوتے ہیں مگر جونہی لڑکے اور لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو لگتا ہے کہ ان دونوں فیملیز کا ایک دوسرے سے بڑا دشمن ہی اور کوئی نہیں...... آخر اس کی کیا وجہ ہے؟" عافیہ کے ذہن میں نت نئے سوالات اچانک سے آتے تھے اور وہ فوراً پوچھ بھی لیتی تھی۔

"بھئی یہ تو کم ظرف لوگوں کے کام ہیں ورنہ تو بچوں کے حوالے سے بننے والی رشتے داریاں تو اپنی خاندانی رشتے داریوں سے بڑھ کر عزیز ہوجاتی ہیں...... مگر ہوتا یہ ہے کہ لڑکے کے گھر والے ہر معاملے میں اپنے ہی بیٹے کو سپورٹ کرتے ہیں اور لڑکی سسرال میں غلط کام کرلے یا کچھ الٹا سیدھا بھی بول جائے تو سسرال والوں یا داماد کی شکایت پر لڑکی کے گھر والے اس کے حمایتی بن کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس لیے بھی دونوں گھرانوں کے دل میں ایک دوسرے کے لیے عزت کم ہوجاتی ہے۔ اگر لڑکے کے گھر والے اپنی بہو اور لڑکی کے گھر والے داماد کی طرفداری کریں اور اپنے بیٹے اور اپنی بیٹی کو الگ، الگ سمجھائیں تو شاید معاملات کچھ بہتر ہوجائیں۔ چھوٹی، چھوٹی رنجشیں بعض اوقات اتنی بڑھ جاتی ہیں کہ دونوں طرف کے لوگ مطلب میکے اور سسرال والے...... اگر کسی تقریب میں مل .... بھی جائیں تو آپس میں سلام دعا کے بھی روادار نہیں ہوتے۔ حالانکہ ایسا ہونا نہیں چاہیے۔ اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں بڑھ چڑھ کر ساتھ کھڑے ہونا چاہیے۔ کیونکہ لڑکی کے والدین کے لیے لڑکی سے بڑھ کر کچھ قیمتی نہیں ہوتا جو وہ بیٹے والوں کے سپرد کردیتے ہیں اور بیٹے کی ماں کے پاس اپنے بیٹے سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا جو وہ لڑکی کی نذر کردیتی ہے تو دونوں طرف سے ایک دوسرے کی عزت اور قدر کرنی چاہیے۔ اب دیکھو ناں......"

دادی نے اپنی بہو یعنی حاجرہ کی ماں کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ جب بیاہ کر اس گھر میں آئی تھی تو میری بہو تھی مگر میری محبت اور اس کی اطاعت نے اسے میری بیٹی بنادیا۔ آج جبکہ میرا شوہر زندہ ہے اور نہ اس کا شوہر سلامت ہے تب بھی یہ میرے ساتھ ہے اور پہلے سے بھی زیادہ میرا خیال رکھتی ہے اور میری عزت کرتی ہے۔ یہ ہوتی ہے ماؤں کی تربیت اور اعلیٰ نسل لوگوں کی نشانی......" دادی کی آنکھوں میں یہ کہتے ہوئے آنسو بھر آئے تھے۔

''ہائے اماں آپ کیوں رو رہی ہیں، اگر میں بیوگی کے بعد بھی اپنے میکے والوں کے ہمراہ نہیں گئی اور آپ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی ہے تو اس میں آپ کی محبت کا بڑا عمل دخل ہے۔ آپ نے مجھے کبھی بہو بنا کر غیر سمجھا ہی نہیں...... اپنے بچوں سے زیادہ اہمیت دی، ہر لمحہ میرا ساتھ دیا، میری خامیوں، میری غلطیوں اور کوتاہیوں کو ایسے نظر انداز کیا جیسے ایک ماں اپنی بیٹی کی غلطیوں کو درگزر کرتی ہے۔ اور میرے ذرا سے اچھے کام یا اچھی بات کو سارے میں اجاگر کیا اور میری حوصلہ افزائی کی۔ پھر جب بھی میرے میکے والے گھر آئے تو انہیں بے تحاشا عزت دی اور ان کے آگے میری خامیاں گنوانے کے بجائے ہمیشہ میری تعریف ہی کی اور اچھی تربیت کے لیے میرے گھر والوں بطورِ خاص میری ماں کا شکریہ ادا کیا تو میرا ابھی فرض بنتا تھا کہ اگر آپ مجھے اتنا اچھا سمجھتی ہیں تو پھر میں اسے ثابت بھی کروں کہ میں واقعی اچھی ہوں اور اچھی تربیت لے کر آئی ہوں......'' امی نے نزدیک آ کر دادی کے گلے میں اپنے بازو حمائل کر دیے تو دادی نے ان کی پیشانی چوم لی اور ان خوب صورت لمحات کو بھابی، عافیہ، حاجرہ اور شاکر کے موبائل کیمروں نے محفوظ کر لیا۔ رانی بھی حیرت سے یہ منظر دیکھ رہی تھی اور اس کی ماں اور خالہ بھی......

''تمہاری تربیت واقعی تمہاری ماں نے بے مثل کی ورنہ میری تمام تر محبتوں کو اپنا حق سمجھ کر سمیٹنے کے باوجود مجھے تم جوتے کی نوک پر رکھتیں تو میں کیا کر سکتی تھی۔ کم ظرف، بدنسل اور گھٹیا لوگوں کا تو یہی وتیرہ ہوتا ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ جو محبت کی کمیٹی میں نے برسوں پہلے ڈالی تھی وہ بڑھاپے میں آ کر کھل گئی اور میرے اللہ نے مجھ پر کرم کر دیا۔'' دادی شکرانے کے آنسو بہا رہی تھیں جنہیں امی بڑی محبت سے اپنے آنچل میں جذب کر رہی تھیں۔ اردگرد موجود سب گھر والے ان دو ہستیوں کو حیرت سے دیکھ رہے جو ساس بہو تھیں مگر ماں، بیٹی سے زیادہ بڑھ کر ایک دوسرے کے ساتھ اٹیچڈ تھیں۔ کیونکہ دونوں نے ایک دوسرے کی کوتاہیوں اور لغزشوں پر ہمیشہ ایک دوسرے کو گنجائش دی تھی اور حوصلہ افزائی کی تھی۔

☆☆☆

گیٹ پر بیل ہوئی تو گھر کا ملازم باہر گیا۔ اور پھر چند منٹ بعد ہی پورے جوش و ولولے سے چلّاتا ہوا اندر آیا۔

''عارفہ باجی...... عاتکہ بی بی...... دیکھیں تو ذرا کون آیا ہے؟'' بخشو (ملازم) جوش سے چلّایا۔

عاتکہ عصر کی نماز کی ادائیگی کے بعد جائے نماز تہ کر رہی تھیں جبکہ عارفہ کرسی پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ بخشو میاں کی خوشی سے سرشار آواز پر انہوں نے چونک کر سامنے دیکھا تو وہاں چہرے پر مسکراہٹ لیے عارف کھڑا تھا۔

عارفہ بیگم بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھیں جیسے یہ حقیقت نہ ہو بلکہ وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہوں......

''آپا...... دیکھ رہی ہیں آپ؟ عارف آ گیا ہے، ہمارا عارف واپس گھر آ گیا ہے۔'' عاتکہ نے جوش میں آ کر عارفہ کو تقریباً جھنجوڑ ڈالا تھا۔

عارف بھی خود پر قابو نہ رکھ سکا اور آگے آ کر اپنی ماں اور خالہ کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

''تو کہاں چلا گیا تھا میرے لعل...... دیکھ تیرے جانے سے میری کیا حالت ہو گئی۔'' عارفہ بیگم بیٹے کو سامنے پا کر اپنے جذبات پر کنٹرول نہ رکھ سکیں اور اسے چومتے ہوئے رو پڑیں۔

''اب میں واپس آ گیا ہوں امی......! اب آپ نہیں روئیں گی۔ میں آپ کو کبھی رونے نہیں دوں گا......''

عارف اپنی ماں اور خالہ دونوں کو چپ کرا رہا۔

☆☆☆

وقت تھا کہ گویا پر لگا کر اڑتا چلا جا رہا تھا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے حاجرہ اور بدرالدین کے نکاح کا دن بھی آ گیا تھا۔

(جاری ہے)

پیاری چندا

فلک تنویر

''پیاری چندا!

امید کرتی ہوں کہ خیریت سے ہوگی۔

اب میں کیا بتاؤں کہ خیریت کی تمنا کی تھی اور بے سکونی کی خیرات جھولی میں ڈال دی گئی۔ خیر، خیرات کی بھی خوب کہی۔ اسے خیرات کہہ کر مجھے ذرا عجیب لگ رہا ہے کیونکہ ہاتھ میں انگارہ رکھ کر بھلا کوئی ہتھیلی حنائی ہونے کی امید کیسے کر سکتا ہے؟

ہتھیلی تو جلنی ہی ہوگی ناں، ظاہری بات ہے!

لیکن یہ بات ظاہر ہونے کے باوجود میرے لیے عقدہ کیوں بن گئی کہ عقدے کی گرہیں کھولتے، کھولتے میری بینائی دھندلا گئی۔

مجھے یاد ہے۔ (اب اس بات پر بھی بہت ہنسی آئی کہ مجھے کچھ یاد بھی آسکتا ہے بھلا؟) کہ ایک دن میں تمہاری اماں کو یہ کہہ کر کہ ہم دونوں باغ جا رہے

ہیں، اجازت دیں ناں تو، تمہاری اماں نے اجازت تو دے دی لیکن ہم دونوں نے اتنی دیر کردی تھی کہ تمہاری اماں نے مجھے بہت ڈانٹا۔

اب سوچتی ہوں اور سوچ، سوچ کے الجھ جاتی ہوں کہ کاش اب بھی ایسی ڈانٹ مل جائے۔ بس تھوڑی سی کہ سکون مل جائے...... بس اتنی ڈانٹ...... بس اور کچھ چاہیے ہی نہیں۔ کیونکہ ایک سکون ہی تو چاہیے باقی سب تو میں نے جنید کے پاس ''گروی'' رکھ دیا۔

اب یہ خط پڑھتے، پڑھتے تمہاری حیرت سے باہر ابلتی آنکھیں مجھے تصور میں دکھائی دے رہی ہیں۔ تم زیادہ سوچو مت کہ جنید کون ہے۔

بتاتی ہوں تفصیلاً بتاتی ہوں، ملاقات سے اختتام تک۔

جنید سے ملاقات بہت عجیب طریقے سے ہوئی تھی اور تمہیں تو یاد ہے ناں، میرا وہ قول؟ کیا نہیں، مجھے پتا تھا تمہیں نہیں یاد ہوگا۔ لیکن خیر، گاؤں کی بیچاری سی گائے میں تمہیں خود بتائے دیتی ہوں کہ محبت کی پہلی ملاقات عجیب نہ ہو تو محبت ہوتی ہی نہیں۔

(میرا قول ہے ناں تو اس میں جھول بھی ہوسکتا ہے۔)

محبت کیوں نہیں ہوتی۔ محبت کیوں ہوتی ہے؟ ہماری زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ یہ کیوں ہے؟ آخر کیوں؟ اگر عابد سے منگنی کی خوشی میں تمہارے ذہن میں کچھ آچکا ہو تو مجھے جواب لکھ بھیجنا۔ یاد سے...... کیونکہ اکثر تم بھول جاتی ہو۔

ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ جنید......

جنید لائبریری میں بیٹھا، ہینڈ فری کانوں میں اڑسے، سامنے راجا گدھ رکھے بظاہر اسے پڑھ رہا تھا۔ لیکن وہ دراصل کتاب میں رکھے موبائل کو دیکھ رہا تھا۔

میری ساتھ نازیہ تھی۔ وہ نازیہ کریم جو کہ میرے ساتھ اکبر بھائی کی شادی میں آئی تھی۔ یاد آیا؟ جس نے کالی شلوار قمیص پہنی تھی اور تم نے کہا تھا کہ ہائے اللہ یہ تو بالکل صبا قمر ہے۔ صبا قمر سے یاد آیا تم نے اس کا ڈراما باغی دیکھ لیا؟

اس روز نازیہ اور میں لائبریری میں بیٹھے، سامنے رکھے نوٹس کو رٹنے کی کوشش کرتے ناکام ہوئے جاتے لیکن اڑیل گھوڑے کے ضد کی طرح پھر کوشش کرتے...... تنگ آکر، میں نے نوٹس بند کیے اور نہایت خوابیدہ انداز میں نازیہ کو دیکھا۔

''نازو...... دفع کرواسے۔ دیکھو ابھی سر نوید (جو کہ بالکل میرے منگیتر نوید کی طرح مسکراتے ہیں۔ آنکھوں سے......) کے پریڈ میں کافی وقت ہے۔ سو، آج ذرا ان نمونوں کا ایکسرے کرتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟''

''خیال اچھا تو نہیں ہے لیکن...... چلو، خیر'' کے تاثرات چہرے پہ سجائے اس نے ہامی بھری اور ہم لائبریری میں بیٹھے لڑکوں اور لڑکیوں کے بارے میں تکے لگانے لگے۔

سائنس کی موٹی، موٹی کتابیں پڑھنے والے کافی ''خشک شکل'' معلوم ہوتے تھے جبکہ چند ایسی لڑکیاں بھی بیٹھی تھی جن کا مجھے اندازہ تھا کہ سوائے شو مارنے کے ان کا یہاں کچھ کام نہیں تھا۔ لیکن نازیہ کہنے لگی کہ اگر ایسا ہوتا تو بیچاریوں کی آنکھوں پہ دو، دو کٹوروں کی طرح چشمے نہ چڑھے ہوتے۔ ایسے میں جب ہم تنگ آکر اس فضول کھیل کو ختم کیا ہی چاہتے تھے کہ ہماری نظر جنید پر پڑی۔

کالی شرٹ میں ملبوس وہ پہلی ہی نظر میں کافی خوبرو دکھا تھا۔ جو وہ کر رہا تھا وہ پر بتا چکی ہوں۔ لیکن ہم کو جس بات نے...... اس کھیل کو...... جاری رکھنے پر اکسایا تو وہ بانو قدسیہ کا ناول راجا گدھ تھا۔ ساری لائبریری میں وہ ہی تھا۔ جو اردو کی کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

(تمہیں لگ رہا ہوگا کہ میں نے ڈائریکٹ ہی ڈورے ڈال دیے۔ اللہ...... تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو؟ چچ...... چچ...... چچ......)

اس کی شخصیت پر تب تک بات ہوتی رہی جب اس نے کتاب پڑھ لی اور جانے لگا تو ہمارے پیچھے سے گزرتے ہوئے وہ کسی دوست سے فون پر بات کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''مجھے کیا ضرورت ہے یار ناول پڑھنے کی۔ یہ تو بس شزا کے آڈیو میسجز سن رہا تھا میں۔ واللہ...... ایسا کچھ بھی

نہ تھا جیسا تمہیں لگا۔'' اتنا کہہ کر جناب باہر چل دیے۔

اس کے بعد جتنا میں اور نازو ہنسی تھیں بتا نہیں سکتی واللہ......

تو بات تو ملاقات کی کر رہی تھی میرا مطلب پہلی ملاقات یہ تھی۔ دوسری دفعہ ہم کاریڈور میں ملے تھے۔ وہ بہت عجلت میں کہیں جا رہا تھا۔

میں نے بلاوجہ اس کے ساتھ ٹکرا کر ہاتھ میں پکڑی کتابیں گرا دی تھیں۔

اور اس پر برسنے لگی۔

''اللہ...... کیسے، کیسے لڑکے ہیں؟ ذرا جو لڑکی اکیلی دیکھی محترم فلرٹ پر اتر آتے ہیں بھئی...... ہم لڑکیاں ہیں...... کوئی مجسمے نہیں۔'' کتابیں اٹھا کر اس نے مجھے تھماتے ہوئے نہایت چبا، چبا کر کہا۔

''لڑکیاں ہیں اسی لیے کرتے ہیں فلرٹ...... مجسموں کا کیا کرنا؟'' یہ کہہ کر وہ رکا نہیں اور واک آؤٹ کرنے کے انداز میں چلا گیا۔ مجھے اس کا انداز پسند آیا تھا۔

اس لیے نہیں کہ اس کے سوری بولنے کے ری ایکشن کی توقع کرتے مجھے شکست کھانی پڑی۔ اس لیے کہ میرے پاس اس کے ''سحر'' میں مسحور ہونے کی کوئی دلیل ہی نہ بچی۔ اسی غم پر...... کفِ افسوس ملتے، ملتے...... میری اس کے ساتھ ایک اور ملاقات ہوگئی۔

کہنے کو تو وہ ایک سستا اور نہایت بچگانہ فلمی سین تھا لیکن وقت گواہی دے گا کہ رات بھر کروٹیں بدلتے، بدلتے صبح کی روشنی پا کر میں سوئی اور اس رت جگے میں جو سرور تھا وہ میرے روم، روم میں کچھ ایسے اتر گیا کہ رت جگے سے میری پکی پکی دوستی بن گئی۔

اس ملاقات کی جگہ کو کہتے ہیں...... ''کینٹین''۔

کینٹین عموماً لوگ کھانے پینے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ اسے فلرٹنگ، کچھ اسے اپنا سستا ہیومر استعمال کرنے کے لیے بھی کچھ اپنا غم چائے کے گھونٹوں میں ضم کرنے کے نہایت قدیم فارمولا استعمال کرنے اور کچھ میری طرح لوگوں کے رزق کے چھیننے کے گھٹیا کاموں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ میں تمہیں پہلے بھی لکھ چکی تھی۔ مطلب کہ ہمارے گروپ میں صرف ایک ہی ''بھائی سا'' ہے۔ فواد، اگرچہ وہ فواد خان نہیں ہے بلکہ فواد لغاری ہے۔ سو، کینٹین میں، میں اور نیلم بیٹھی تھیں اور سامنے کالی شرٹ میں وہ بیٹھا تھا، جس کی پشت پر ''The black November'' لکھا تھا اور یہ شرٹ فواد کی پسندیدہ اور ہزار ہا دفعہ کی پہنی ہوئی تھی۔

وہ برگر کھا رہا تھا۔ میں نیلو کو ایک منٹ کا کہتی، اس کے دائیں ہاتھ میں پکڑے برگر پر جھپٹی لیکن دفعتاً مجھے لگا کہ وہ فواد نہیں تھا...... ہاں، میں نے صحیح پہچانا وہ فواد نہیں بلکہ جنید تھا۔ شرم کے مارے مجھ سے برگر گرا۔ میں نہایت شرمندہ تھی۔

''یونیورسٹی کی فائن آرٹس کی طالبہ، مس مدیحہ آج دن دیہاڑے بزنس ڈیپارٹمنٹ کے معصوم طالب علم جنید اشعر عالم کے رزق کو زمیں بوس کرنے کے بعد نہایت ڈھٹائی سے سامنے اس کا منہ تکتی جا رہی ہے اگر مینرز نام کی کوئی چیز پائی جاتی ہو تو اے اہلِ کینٹین خدارا اس بھوکی کو کہہ دے کوئی کہ معصوم کا اپنا برگر واپس کیا جائے۔'' اس کی آواز بلند اور کرخت تھی۔

میرا رنگ اڑ چکا تھا۔ (اڑنے کا مطلب تم یہاں سرخ یا لال بھبوکا لے سکتی ہو۔ یہ نیلم نے بتایا تھا مجھے۔)

''بھوکی کھانا واپس کر دو۔'' کینٹین میں سے کسی نے آواز لگائی۔

اس لڑکے کو میں نے شعلے اگلتی نگاہوں سے گھورا اور اسے چبا جانے کا اشارہ کرتی میں واک آؤٹ کرنے والی تھی کہ وہ سامنے آ کھڑا ہوا۔

''کیوں؟...... کس خوشی میں چل دیں؟''

''تمہارے برگر کو زمیں بوس کرنے کی خوشی میں۔ راستہ چھوڑو ندیدے، چھچھورے، بخیل، پاگل، باؤلے۔''

تم ہی کہتی تھی ناں کہ میں پھٹ جاتی ہوں جلد...... اور مجھ سے رہا نہیں جاتا۔ میں نے ساری بھڑاس نکالنے کی کوشش کی لیکن شاید بھڑاس نہ نکل سکی کیونکہ میں یہ کہہ کر چلی گئی اسے ہکا بکا چھوڑ کر۔ شاید یہ میری غلط فہمی تھی کہ میں اسے ہکا بکا چھوڑ کے گئی لیکن وہ میرے پیچھے، پیچھے آتا

رہا۔ سنسان، تھوڑی سی تاریک گیلری میں یک دم وہ میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔

اس کی سانسیں بے ربط تھیں اور اس کے چہرے پر سنجیدگی کی گمبھیرتا جمی تھی۔

''مجھے تم اچھی لگی ہو یا۔ شاید مجھے تم سے...... پیار ہو گیا۔ پر نہیں۔ یہ کافی بچگانہ فلمی ڈائیلاگ ہے۔ شاید تم ساحرہ ہو اور مجھ پر اپنا سحر چلا چکی ہو۔ تمہاری آنکھیں کافی گہری ہیں۔ کسی سمندر کے ساحل پر اترنے والی خوابیدہ شام کی طرح۔''

مجھے حیرت تب نہ ہوئی تھی اب ہو رہی ہے کہ اسے تو ادب سے کافی چڑ تھی تو پھر وہ ایسی فلسفیانہ باتیں کیونکر کر رہا تھا؟

شاید اس لیے کہ وہ محبت میں پھنس گیا تھا۔ معذرت کے ساتھ محبت میں پھنسنے کا کہا۔ اس کی ایک وجہ ہے لیکن اسے رہنے دو۔ اور خود تکے لگاتی رہو۔ خط میں اس کا تکا بھی بھیج دینا۔

اچھا تو میں کہہ رہی تھی کہ اس نے یہ باتیں کہیں۔ اب سنو۔

میں بھاگ گئی تھی۔ بھلا بتاؤ میں کیا کرتی میں تو اپنے ماموں جان کے بینک مینیجر بیٹے کی منگیتر تھی ناں۔

خیر اس بات کو مارو گولی۔ تو یہاں سے ہمارے بیچ دوستی پروان چڑھنے لگی۔ چڑھتی رہی۔ چڑھتی رہی یہاں تک کہ چھتنار درخت بن گئی۔

اس دوستی کے چھتنار درخت کے نیچے جانے کب محبت کا خودرو پودا نکلا اور نشوونما پانے لگا۔ یہ الگ قصہ ہے اور چونکہ الگ ہے تو گاؤں میں ہی بتا دوں گی۔

گاؤں میں ہم جنم دن المعروف ''برتھ ڈے'' نہیں مناتے لیکن یہاں ان شہریوں کے تو ڈھب ہی نرالے ہیں۔ ہر دن کسی نہ کسی کا جنم دن منایا جاتا ہے۔ یونی میں غبارے پھاڑے جاتے ہیں۔ کیک کھلائے کم اور چہروں پر زیادہ تھوپے جاتے ہیں۔

اس بلاوجہ بھونڈی فلسفیانہ تمہید کی وجہ میرا برتھ ڈے ہے۔ مجھے پتا ہے۔ تم نے دوپٹے کا کونا منہ میں داب لیا ہوگا۔ لیکن خیر...... جتنا ہنسنا ہے، ہنس لو۔ ممکن ہو تو تم بعد

رحمتوں کے در کھلے

آؤ کہ لوٹیں رحمتیں
ہم بھی تو پائیں نعمتیں
کیسے لٹاتا سب پہ رب
ہے خاص اپنی برکتیں
ہے ہاتھ میں سب آپ کے
شان اس کی یوں بھی دیکھیے
ہیں بخششوں کے واسطے
اس کے ہیں دروازے کھلے

☆☆☆

اے تو محبت کے امیں
اے کہ صیام آفریں
ہووے مبارک سب کو تو
اور پُرسکوں ہو ہر جبیں
بس کامراں ہر زیست ہو
اور نیکیوں کی جیت ہو
ہاں الفتوں کا دور ہو
اور حق کی ہر دم جیت ہو

آمین

شاعر: فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی

میں میرا برتھ ڈے گفٹ بھیج دینا۔

میری برتھ ڈے پر اس نے مجھے مستنصر حسین تارڑ کا شہرۂ آفاق ناول ''پیار کا پہلا شہر'' گفٹ کیا تھا۔ جس کے پہلے صفحے پر کیپشن ہی عطا شاد کی لکھی ایک بہت پیاری نظم تھی۔

اگر پڑھنا چاہتی ہو تو درج کیے دیتی ہوں۔ ورنہ اس کو بنا پڑھے گزر جاؤ۔ کوئی بات نہیں......

میں نے خوشبو کو بھی چھو کے دیکھا
میں نے مٹھی میں کرنیں سمیٹیں
میں نے بوسے لیے چاندنی کے
میں نے سورج میں سائے کو دیکھا
میں ہوا سے کروں گفتگو بھی
میں صداؤں کا ہر روپ دیکھوں

میں نے سوچوں کے نغمے سُنے ہیں
میں نے لفظوں سے چہرے بُنے ہیں
رنگ کا عکس دیکھا ہے میں نے
عکس کا رنگ پہنا ہے میں نے
میں نے قطرے میں دجلے کو دیکھا
میں نے دجلے میں قطرہ نہ پایا
میں جو سوچوں تو کیا، کیا نہ دیکھوں
میں جو دیکھوں تو کیا، کیا نہ سوچوں
میں وہ قادر کہ گم قدرتوں میں
میں وہ شاعر کہ چُپ حیرتوں میں
تجھ کو سوچوں تو کچھ بھی نہ دیکھوں
تجھ کو دیکھوں تو کچھ بھی نہ سوچوں

اب میں پور، پور ڈوب گئی تھی اس کی محبت میں۔ مجھے وہ سانس لینا گوارا نہ تھی جس میں اس کے پیار کی یاد شامل نہ ہوئی ہو۔ میں اگر ہنستی تو اس کے نام اپنی ساری خوشیاں دان کرنے کی خواہش کرتی۔

ہم ملتے تھے...... بہت فرصت سے...... اور یہ فرصت محبت کی سیڑھیاں تھیں۔ ہم یہ سیڑھیاں چڑھتے گئے...... چڑھتے گئے۔

ایک واقعہ رقم کیے دیتی ہوں۔ تمہیں لگ رہا ہوگا کہ میری زبان کافی ادبی ہوگئی ہے۔ لیکن خیر کوئی بات نہیں میں خط کے ساتھ لغت بھی بھیج رہی ہوں۔ مشکل الفاظ نکالتی جانا۔ (رعب ڈالنے کی پرانی عادت ہے میری۔ ہنس لو بھئی۔ لطیفہ سنایا ہے۔)

ہم یونی سے کلاسز بنک کر کے قریبی کیفے چلے گئے تھے۔ کیفے میں نہایت خوابناک ماحول تھا۔

سحر ہو اور سحر پر مستزاد سحر ہو۔ کیا ساحرانہ امتزاج ہے ناں۔

''سنو۔ میں چاہتا ہوں اس ویلنٹائن پر ہم...... کہیں گھومنے چلیں۔ کیا خیال ہے۔ خیال برا نہیں ہے۔'' بات ختم کرنے کے بعد ہنسنے کی اس کی پرانی عادت تھی۔

خیال واقعی میں برا نہ تھا۔ اور میری ہم خیالی جانچ کے اس نے ویلنٹائن ڈے پر ایک شام میرے نام کرنے کا اہتمام کیا۔

شام کی خاصیت یہ ہے کہ یہ محبت والے کے نام چھپتی ہے اور اس کی خامی یہ ہے کہ اس کا سے اتنا ہی ہوتا ہے کہ جیسے صبح کے وقت کوئی سہانا خواب جلد آجائے اور جلدی چلا بھی جائے۔

وہ شام کچھ اس طرح ہی تھی۔

ہم صبح ٹھیک گیارہ بجے پارک میں ملے تھے۔

پارک کا قصہ سنو! (قصہ کم، لطیفہ زیادہ)

پارک میں ایک بچہ اپنی ماں سے کہہ رہا تھا۔

''ممی! کیا پاپا کو پیار ہو گیا ہے؟''

بیچاری ماں نے سخت حیران پریشان ہو کر مستفرانہ نظروں سے دیکھا۔ کچھ بولی نہیں...... بچہ سمجھ گیا کہ ممی نظروں سے ہی پوچھ رہی ہے کہ کیا مطلب؟

''ممی...... یہ جو ساتھ میں لڑکی بیٹھی ہے ناں؟ اسے پاپا پیار سے دیکھ رہے تھے دو منٹ پہلے۔'' بچے کی آنکھیں مجھ پر مرکوز ہو گئیں۔

ممی نے ندامت سے مجھے دیکھا اور معذرت کرتی بچے کو ڈپٹتی ہوئی وہاں سے لے گئی۔ میری ہنسی تھمتی نہ تھی اور جنید بھی پارک میں بار، بار یاد کرواتا رہا۔ وہاں ہم نے ڈھیر ساری باتیں کیں۔ چلو کچھ یاد آیا۔ شیئر کر لوں۔ ممکن ہے تم بور ہو جاؤ پڑھ کے لیکن خیر پڑھ لو میری خاطر۔

پارک میں ہم دونوں آئس کریم کھا رہے تھے تو ہم نے فلسفے کا کھیل کھیلا۔ بھونڈا فلسفہ...... فلسفے کا عنوان ''محبت'' تھا۔

جنید نے مسکراتے ہوئے یہ کہا۔

''محبت نازک آئینہ ہے۔ یہ محبوب کے عکس کے علاوہ کچھ دکھاتا ہی نہیں اور......'' اور میں نے ساحر کی ساحرانہ مسکراہٹ میں پور، پور ڈوبتے ہوئے کہا۔

''محبت آئینہ ہی ہے۔ عکس دکھاتا رہتا ہے...... دکھاتا رہتا ہے...... حقیقت کے برعکس...... پر اس عکس کو حقیقت سمجھتے ہی یہ ٹوٹ جاتا ہے اور کچھ نہیں رہتا بس خواب کا کانچ...... اور اس کے ٹکڑے......''

میری زبان ادبی کہانیاں پڑھتے کچھ زیادہ ہی ادبی ہوگئی ہے...... ہے ناں۔

پارک میں ہم دو گھنٹے رہے تھے۔ پھر ایک اچھے سے ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے چلے گئے۔

جنید نے وہاں "فیملی سروس" شروع کر رکھی تھی اور وہاں ہی میں جنید کو جان پائی تھی۔ اس کا خاندان...... ان کے رواج...... وغیرہ، وغیرہ...... میں نے بھی اسے بہت کچھ بتایا ہوا تھا۔ جو رہ گیا تھا وہ اب بتا دیا تھا۔

جنید کے دو بھائی تھے، جو شادی شدہ اور بال بچوں والے ہیں۔ اپنی، اپنی فیملی کے ساتھ فرانس میں رہائش پزیر تھے۔ وہاں ان کا اپنا ہوٹل ہے اور ایک اسٹور۔ ایک بہن ہے جو کہ اپنی بیٹی کی منگنی بھی کر چکی ہے۔ امی حیات ہیں اور باپ کی وفات ہو چکی ہے۔

اچھا خوشحال خاندان ہے۔ کچھ چھوٹے، چھوٹے واقعے سنائے۔ کچھ لطیفے۔ (وہ بھی لکھنا چاہ رہی تھی لیکن سوچا اگر لکھا تو شاید خط پھاڑ دو گی تم۔)

کھانا کھانے کے بعد ہم ساحل سمندر چلے گئے۔ یہ محبت کا دن تھا...... اور ہم اسے بھرپور گزارنا چاہتے تھے۔ شام کے سورج ڈھلتے سے تک ہم وہاں بیٹھے رہے۔ ایک دوسرے کو تکتے...... قصے سناتے، سنتے رہے۔

یہ قصہ پھر ڈھلتی شام کا تھا۔

ویلنٹائن ختم ہو رہا تھا...... کیسا دن تھا محبت کا......

کیفے میں بیٹھے، کافی پیتی، جنید کے سنگم پہ نازاں میں نوید کو بھول چکی تھی۔ بالکل ہی کہ میرا اس کے ساتھ ابو نے رشتہ کیا ہوا تھا جس کے بڑے بھائی کا نام میری آپی کے نام سے جڑا ہوا تھا۔ تمہیں ہنسی آرہی ہوگی کہ میں نے ابھی ہی کیوں نوید کو یاد کیا...... بتاتی ہوں پگلی۔

وہ...... نوید میرے سامنے بیٹھا تھا۔ شکر ہے اس نے دیکھا نہیں۔

دنیا آنکھوں کے سامنے کیسے ناچتی ہے؟ یہ نوید کو دیکھ کے ہی مجھے لگا تھا۔ وہ فون پر بزی تھا اور عین اس وقت...... میں اٹھی اور جنید کی آواز پر پلٹے بغیر ہی کیفے سے نکل گئی۔ پیچھے اس کی آواز کی بازگشت میرے ٹیکسی میں بیٹھنے کے بعد بھی پیچھا کرتی رہی اور...... لوگوں کے بقول، محبت کے اس دن، میں نے محبت کا مفہوم جان لیا تھا۔

محبت کیا ایک دن کی محتاج ہے؟

کیا وہ محبت نہیں۔ جو نوید اور میرے رشتے کی پاکیزگی ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ میرا اور جنید کا کوئی رشتہ ہی نہیں اور ہم ساتھ ساتھ گھوم رہے تھے؟ آخر کیوں۔

میں مانتی ہوں میں کوئی مذہبی نہیں ہوں لیکن آج میں نے محبت کو جان لیا تھا۔ محبت عزت ہے...... اور عزت محبت۔

نوید مجھے دیکھ لیتا تو ممکن تھا وہ گھر میں بتاتا، آپی کا رشتہ اس محبت کی وجہ سے خراب ہوتا اور تب دنیا میں نام نہاد ویلنٹائن تو منایا جاتا...... اصل میں اس دن کی حقیقت سے لوگ واقف ہی کہاں ہیں...... لیکن ٹوٹے گھر، ٹوٹے رشتوں اور عزت کے ماتم میں کوئی دن نہ منایا جاتا...... تب محبت رہتی لیکن...... رشتے نہ رہتے۔

اور کیا تم نے سنا نہیں کہ جس کے پاس رشتے نہیں ہوتے محبت ان میں پنپ نہیں سکتی۔

چلو اب خط کو وائنڈ اپ کرتی ہوں میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ اس شو کے اختتام پر تالیاں بجانا پلیز۔

خط لپیٹ رہی ہوں یار۔ انگلیاں تھک گئیں لکھتے، لکھتے۔ ایک اہم بات بتاؤں؟ چلو بتاتی ہوں۔ میں اور جنید اب بھی ملتے ہیں۔ ہم دوست ہیں اس کا دو دن بعد نکاح ہے تم سے پوچھ رہی ہوں جاؤں کہ نہیں۔ لیکن ہاں، مجھے یاد آیا۔

مجھے اسائنمنٹس بنانے ہیں ناں تو......

تمہاری دی ہوئی لسٹ میرے پاس ہی ہے میں چند ایک چیزوں کے علاوہ سب خرید چکی ہوں بس کچھ چیزیں باقی ہیں جو کل لوں گی خط پوسٹ کرنے کے بعد...... جنید کے ولیمے کے لیے گفٹ بھی لینا ہے۔ کیونکہ اس کے بلانے کے باوجود جانا نہیں ہے تو اسے بھی بھیج دوں گی کوریئر سے...... ٹھیک ہے ناں!

سب کو دعائیں اور تم سے اپنے لیے دعا دینے کی درخواست ہے۔

تمہاری نگوڑی
"گل رخ"

❁❁❁

تیسرا حصہ

منی ناول

گمان کے بعد یقین کا سفر

غزالہ عزیز

مائرہ کو شاید کہیں سے تھوڑی عقل مل گئی تھی۔ اس لیے اس نے سوچ لیا تھا کہ اس بار وہ غصہ نہیں کرے گی...... اسے معید کو خود سے بیزار اور بدظن نہیں کرنا تھا۔ ایک اسی کی محبت کا فخر اور مان ہی تو تھا۔ جس کی بنا پر وہ رومیسا کے سامنے اکڑ کر کھڑی ہوتی تھی۔ مگر پھر بھی اس کے کال ریسیو کرتے ہی شکوے، گلے اس کی زبان سے پھسلتے چلے گئے۔

''تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو معید...... کیا تمہاری اور رومیسا کی زندگی میں میری اتنی سی بھی اہمیت اور اوقات نہیں ہے کہ تم اتنی اہم بات کو مجھ سے شیئر کر لیتے۔ تم نے تو فیصلہ بھی اکیلے ہی کر لیا تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا معید......'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو گئی۔

''تم نے بھی تو مجھے نہیں بتایا تھا مائرہ...... رامش کی امی نے آٹھ سال پہلے ہی......'' معید نے جواباً برجستہ جتا کر حساب برابر کیا۔ تو مائرہ لمحوں میں اس کی بات کی گہرائی میں اتر کے انجان بن گئی۔ وہ اقرار کر کے معید کی نظروں اور دل سے اترنے کی غلطی ہرگز نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے صاف مکرتے ہوئے بولی۔

''مجھے اس بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ امی کو ہی پتا ہوگا...... لیکن اگر تمہیں پھر بھی اس بات کا بدلہ لینا تھا تو امی سے لیتے...... میرا کیا قصور تھا...... میں تو تمہاری بیوی ہوں، ہم دونوں سے زیادہ گہرا اور قریبی رشتہ اور کس کا ہو سکتا ہے۔'' وہ معصوم بن کر روہانسے لہجے میں

بولی تو معید کا دل بھی نرم پڑ گیا۔ ویسے بھی وہ خوشی کے موقع پر بات کو بڑھا کے بدمزگی پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''میں نے تمہیں فون پر بتانے کی کوشش کی تھی۔ مگر اس وقت تم غصے میں اس قدر آؤٹ آف کنٹرول ہو رہی تھیں کہ تم سے کچھ بھی شیئر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ویسے بھی اگر رومیسا کے ضروری ڈاکومینٹس بنوانے کا معاملہ نہ ہوتا تو میں نکاح کے لیے اتنی جلدی ان کی بات نہ مانتا...... اچھا ہے...... اب رومیسا آسانی سے کینیڈا آسکے گی۔ ورنہ اگر تائی جان آٹھ سال پہلے رامش کا پروپوزل منع نہ کرتیں تو آج مجھے بنا کسی کے مشورے کے رومیسا کی زندگی کے اتنے بڑے فیصلے کو اکیلے نہ کرنا پڑتا۔ تم لوگوں نے بھی تو اتنے سال مجھے... لاعلم رکھا تھا۔ شکر ہے۔ اب میری ساری ٹینشن دور ہوگئی ہے۔ بہتر ہے کہ تم بھی اب پرانی باتوں کو مت دہراؤ...... ورنہ بات دور تک جائے گی۔''

اسے صرف اپنی بہن کو اپنے پاس بلانے، اس کا مستقبل سنوارنے کی پروا تھی۔ مائرہ کا تو یہاں کوئی ذکر ہی نہیں تھا۔ اسی خیال نے اسے تاؤ دلایا۔ وہ اب بھی مائرہ کو اپنے پاس بلانے کی کوئی بات کرنے کے بجائے اس کی شکایتوں کے جواب میں لاجواب کر رہا تھا۔ جیسے وہ اس سے دور رہ کر بہت سکون میں ہو...... اور یہاں مائرہ کا سکھ، چین اور آرام و اطمینان سب برباد ہو چکا تھا۔ پھر بھی وہ اپنی فطرت سے باز نہ آتے ہوئے... رامش کی ذات میں کیڑے نکالنے لگی۔

''وہ تو ٹھیک ہے معید...... لیکن وہ تمہارا دوست اتنے سالوں سے کینیڈا میں رہ رہا ہے۔ جانے اتنے عرصے میں کہاں، کہاں منہ مار چکا ہوگا۔ تمہیں اس بات کی کیا خبر ہوگی۔ کل کو اگر خدانخواستہ اس کے

بارے میں کوئی اونچ نیچ والی بات پتا چلی تو کیا کرو گے تم...... اتنا اندھا اعتماد بھی اچھا نہیں ہوتا۔ آخر اتنی جلد بازی کی کیا ضرورت ہے۔ یہاں پاکستان میں بھی تو رومیسا کے لیے اچھا رشتہ مل سکتا ہے۔ ارسل بھائی کوئی آخری شخص تو نہیں تھے ناں......'' معید کو رامش کے حوالے سے مائرہ کی یہ سوچ اور خود ساختہ انداز ے برے لگے تھے۔ پھر بھی وہ مائرہ کو تسلی دلا کر اس موضوع کو ختم کرنا چاہتا تھا۔

''میں رامش اور اس کی فیملی کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں...... اس لیے تمہیں اس بات کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں...... میں نے جتنی تسلی کرنی تھی... کرلی ہے، تم بس اپنے آنے کی تیاری شروع کرو...... تمہارے پیپرز اگلے ہفتے تک تیار ہو رہے ہیں، میں رومیسا کے نکاح کے لیے پاکستان آرہا ہوں تو واپسی میں تم میرے ساتھ ہی چلوگی......''

''تم سچ کہہ رہے ہو معید......'' وہ اس کی پوری بات سنے بغیر خوشی سے جذباتی لہجے میں بولی۔

''کیوں...... تمہیں میری محبت پر کوئی شک نہیں ہے کیا...... جو میں تمہیں جان بوجھ کر خود سے دور رکھوں گا...... اتنے عرصے اپنی جاب کے ساتھ اس کام میں بھی مصروف رہا تھا۔ رامش نے ہمارے لیے ایک کرایے کے اپارٹمنٹ کا بھی انتظام کر دیا ہے۔''

وہ کچھ اور بھی کہہ رہا تھا مگر اس کے اس اعتراف نے مائرہ کے جلتے، بلتے دل پر ٹھنڈی پھوار سی برسا دی۔ وہ ایک لمحے کو بھول چکی تھی کہ ایک ہفتے بعد رومیسا کے نکاح کی رسم بھی ادا ہونی ہے۔ جبکہ اسے رومیسا کا رشتہ اتنی اچھی جگہ طے ہو جانے کی ذرا بھی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ وہ جتنا اسے معید سے دور رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ حالات ہمیشہ اس کے مخالف ہو جاتے تھے۔ اب تو شادی کے بعد بھی رومیسا نے بھائی کے قریب ہی رہنا تھا۔ مگر اپنی خوشی میں وہ اس وقت سب کچھ بھلائے اس سرشاری میں مبتلا رہی کہ بالآخر وہ معید کے پاس کچھ دنوں میں پہنچ جائے گی۔ اس کی ساری کلفت لمحوں میں دور ہو گئی۔ اس کا بگڑا ہوا موڈ بھی بحال ہو گیا۔

''اچھا...... اب میں فون رکھتا ہوں، یہاں کافی رات ہو چکی ہے۔ صبح آفس جا کر چھٹی کے لیے بھی ایپلی کیشن دینی ہے۔ تم بھی اپنا کام کرو...... میں پھر کال کروں گا......'' معید نے بات مختصر کی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مائرہ پھر سے اس رشتے کے بارے میں اپنے تحفظات کا بار، بار ذکر کر کے اس کے دل کو بھی بے سکونی میں مبتلا کر دے۔ اسے بھی اندازہ تھا کہ مائرہ روایتی بھابی کی طرح کبھی نہیں چاہ سکتی تھی کہ رومیسا کینیڈا آ کر معید کے قریب اس کی آنکھوں کے سامنے رہے۔ شاید ہر عورت اپنے شوہر کو کسی کا بھائی کسی کا بیٹا جان کر اس کی توجہ اور محبت شیئر کرنے کے معاملے میں کم ظرف واقع ہوتی ہے۔ اسے چونکہ مائرہ سے بھی محبت تھی۔ لہٰذا وہ اچھی بھلی میریڈ لائف روایتی رشتوں کی چپقلش میں خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسی لیے ہمیشہ کی طرح اب بھی اگنور کیا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے، میں بھی فون رکھتی ہوں...... ابھی امی، ابو اور آپی کو بھی یہ خوشخبری سنانی ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں معید...... میں کتنی خوش ہوں، یہاں ایک، ایک پل تمہارے بغیر کاٹنا کتنا مشکل ہے میرے لیے...... میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی معید...... تم سے بہت محبت کرتی ہوں......''

''جانتا ہوں...... اسی لیے تو یہاں آتے کے ساتھ ہی اسی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ مجھے بھی تمہارے ساتھ کی کمی بہت شدت سے محسوس ہوتی ہے مائرہ...... میں بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں...... اس لیے اپنا بہت خیال رکھنا...... خدا حافظ......''

''تم بھی اپنا خیال رکھنا خدا حافظ......'' وہ خوشی کے احساس سے لبریز لہجے میں جواباً بولی اور فون بند کر دیا۔ پھر کچھ خیال آنے پر تیزی سے کمرے سے نکلی تا کہ یہ خوشی کی خبر ماں اور بہن سے جا کر شیئر کر سکے۔ اس کے تو خوشی سے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔

☆☆☆

اگلے دن رمیز خالو اسے رمشہ خالہ اور ثمرہ کے ساتھ ''خوشنما ولا'' خود چھوڑنے آئے تھے۔ تایا جان سے مل کر انہیں مبارک باد دینے کے ساتھ اپنی طرف سے ہر قسم کی ذمّے داری میں حصہ لینے کا بھی کہا تو انہوں نے سہولت سے شکریہ ادا کر کے معذرت کرلی کہ وہ پہلے ہی تمام انتظامات کر چکے ہیں۔

شام تک اریشہ، رامش کی بہن بھی رومیسا کو شاپنگ کرانے کے لیے آگئی تو رمشہ خالہ نے رومیسا کے کہنے پر ثمرہ کو بھی اس کے ساتھ بھیج دیا۔ اریشہ واقعی بہت ملنسار اور فرینڈلی نیچر کی مالک تھی۔ رومیسا کی جھجک قدرے کم ہوئی۔ وہ بالکل بڑی بہنوں کی طرح ٹریٹ کررہی تھی۔ رومیسا نے موتیا کلر کا گولڈن کام والا برائیڈل ڈریس پسند کیا تھا۔ پھر اسی کلر اور ڈیزائن کی مناسبت سے میچنگ جیولری اور دیگر چیزیں بھی پسند کیں۔ رامش کا ڈریس بھی اس نے رومیسا کی پسند سے ہی لیا تھا۔ کچھ روز پہلے عائشہ بیگم نے اسے سب کچھ تفصیل سے بتایا تھا تو وہ بھی اکلوتے بھائی کی پسند کو سراہتے اس کی خوشی میں بہت خوش تھی۔ رومیسا اسے بھی بہت پسند آئی تھی۔ بہرحال شاپنگ کے بعد اچھا سا ڈنر کروا کر اس نے ان دونوں کو واپس ''خوشنما ولا'' ڈراپ کردیا تھا۔

اگلے دن معید کے ساتھ رامش اور عائشہ آنٹی نے پاکستان پہنچنا تھا۔ اور انہوں نے اریشہ کے گھر ہی ٹھہرنا تھا جبکہ تایا احمد حسن نے بھی معید کے آنے سے پہلے گھر کے بڑے سے لان میں نکاح کی تقریب کا سارا انتظام کرلیا تھا۔ کچھ قریبی رشتے داروں کو بھی انوائٹ کیا تھا۔ اب معید نے چھوٹا ہو کر اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا تھا تو وہ کیوں سگی بھتیجی کی خوشی کے موقع پر کم ظرفی دکھاتے۔ جس مکان کی فیروزہ بیگم کو ہوس تھی۔ وہ مستقبل میں ان کی بیٹی، مائرہ کے حصے میں ہی آنا تھا۔ رومیسا نے تو شادی کر کے کینیڈا رخصت ہوجانا تھا۔ پھر جانے کب وہ پلٹ کر پاکستان واپس آتی۔ اِدھر سائرہ اور مائرہ نے سمجھداری سے ماں کو سمجھا بجھا لیا تھا۔ ورنہ اس موقع پر ان کے رویّے کی کجی ان کی عمر بھر کی محنت کا بھرم توڑ دیتی۔ وہ تو شکر تھا کہ وہ سمجھ گئی تھیں۔ اس لیے نارمل انداز میں گھر کی تقریب میں حصہ لینے لگیں۔ ثمرہ نے بھی کسی سے پوچھے، مشورہ کیے بغیر اپنی دوستوں کو بلا کر آج رات خوب ہلا گلا اور رت جگا منانے کے لیے ڈھولک سنبھالی تھی۔ تایا جان نے خوشی کا اظہار کیا تو اس نے مزید پُراعتمادی سے سب کو گھر میں ہی مہندی لگوانے کا انتظام بھی ان ہی سے کروالیا۔ مائرہ اور سائرہ نے بھی باپ کے خیال سے کوئی مداخلت نہیں کی۔ اب ثمرہ بےفکری سے رومیسا کے کمرے میں بیٹھی اس کے برائیڈل ڈریس اور جیولری سلیکشن کو ڈسکس کررہی تھی۔ رمشہ خالہ بھی وہیں بیٹھی تھیں۔ بیوٹیشن بڑے ماہرانہ انداز میں رومیسا کے مہندی لگا رہی تھی اور اپنی باتوں سے اسے محظوظ کررہی تھی۔

معید، رامش اور عائشہ بیگم رات کو ہی کراچی پہنچے تھے۔ وہ ماں، بیٹا تو ائرپورٹ سے ہی اریشہ کے گھر چلے تھے۔ جبکہ معید اپنے گھر پہنچا تھا۔ شاہ میر اور اسودا سے ائرپورٹ لینے گئے تھے۔ اب رومیسا سمیت سب گھر والے اس کے اردگرد جمع تھے۔ مائرہ نے تو سب سے پہلے اپنی کینیڈا روانگی کی بابت کنفرم کیا تھا۔ خالہ نے اسے مبارک باد دی تھی۔ پھر تھکن کے باوجود رات گئے تک معید ان سب کے درمیان بیٹھا رہا تھا۔ کھانا وہ فلائٹ پر ہی کھا چکا تھا۔ ثمرہ نے ہی چائے بنا کر سب کو سرو کی تھی۔ معید نے اسی وقت سب کے گفٹس جو وہ ساتھ لے کر آیا تھا۔ ان کے حوالے کردیے تھے۔ مائرہ کے تو پاؤں ہی زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ وہ سب سے زیادہ خوش تھی کہ رومیسا سے پہلے وہ معید کے پاس جارہی تھی۔ وہ اپنے اور رومیسا کے موازنے میں ہمیشہ خود کو اوپر رکھنا چاہتی تھی۔ اب قسمت نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا۔ اب تو اسے خود پر ناز کرنے کا موقع ملا تھا۔

اگلی صبح رمیز خالو بھی انتظامات کا سوچ کر جلدی آگئے تھے۔ نکاح کا انتظام گھر کے لان میں ہی کیا گیا تھا۔ جو ڈیکوریشن والوں نے بالکل کسی اعلیٰ بینکوئٹ

جیسی ڈیکوریشن سے سجایا تھا۔ سب سے نمایاں اسٹیج پر پھولوں کی ارینجمنٹس تھی جو معید کو بہت اچھی لگی تھی۔ مہمانوں کے لیے استقبالیہ بھی پھولوں میں گھرے محرابی انٹرنس بنا کے کی گئی تھی۔ سامنے اسٹیج اور اس کے بعد فرنٹ پر دائیں بائیں مہمانوں کے لیے آف وائٹ صوفے رکھوائے گئے تھے۔ سجاوٹ میں سفید پھولوں کا زیادہ استعمال کیا گیا تھا' معید کی فرمائش پر۔ سفید رنگ رامش کا فیورٹ بھی تھا۔ دوسری طرف بوفے ڈنر کا شاندار انتظام تھا۔ شام تک ساری تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ گھر پر آئی بیوٹیشن اور اس کی ہیلپرز دیگر خواتین کو تیاری میں مدد دے رہی تھیں۔ سائرہ اور اس کا شوہر سمیر بھی اچھے موڈ کے ساتھ شریک ہوئے۔ شام سات بجے رامش اپنی فیملی اور چند قریبی رشتے داروں کے ساتھ بارات کی شکل میں، خوشنما ولا پہنچ گیا۔ استقبالیہ پر معید کے ساتھ سائرہ اور مائرہ بھی کھڑی تھیں۔ مائرہ اور سائرہ کے دلوں پر تو اب صحیح معنوں میں بجلی گری تھی۔ وہ بھی دولھا بنے ہینڈسم سے شاندار پرسنالٹی کے مالک رامش کو دیکھ کر...... اوپر سے اس کی ماں اور بہن بھی کھاتے پیتے امیر گھرانے کی بیگمات نظر آ رہی تھیں۔ غریب یا مڈل کلاس تو وہ بھی نہیں تھے۔ لیکن رامش کی فیملی بہر حال اسٹیٹس کے حوالے سے ان سے اونچی تھی۔ مائرہ اپنے کینیڈا جانے کی خوشی بھول کر رومیسا کی خوش بختی کے غم میں مبتلا ہو گئی۔

معید نے تایا جان، رمیز خالو، ا[illegible] اور شاہ میر کے ساتھ مل کر بارات کا شاندار استقبال کیا۔ اِدھر رومیسا کے ساتھ تائی جان اور رمشہ خالہ بیٹھی تھیں۔ پھر ایجاب وقبول ہوا تو ڈنر شروع ہونے سے پہلے رومیسا کو اسٹیج پر رامش کے ساتھ لا کر بیٹھا دیا گیا۔ تاکہ سلامی اور تحائف کا سلسلہ ختم ہو جائے تو پھر ڈنر شروع کیا جائے۔ رومیسا اپنی سج دھج میں مغلیہ شہزادی لگ رہی تھی۔ وہاں موجود سب مہمانوں نے دونوں کو چاند سورج کی جوڑی قرار دیا تھا۔ معید اسٹیج پر مائرہ کے ساتھ موجود تھا۔ سب نے رامش کو تحائف دیے۔

سائرہ اور اس کے شوہر نے کیش دیا۔ تایا جان نے جہیز کے نام پر ایک بڑی رقم کا چیک دیا تھا۔ تاکہ کینیڈا جا کر رومیسا جیسے چاہے اپنے گھر کو سجانے کے لیے چیزیں خرید لے۔ رامش کو قیمتی گھڑی اور کیش سلامی دی۔ اس کے بعد سب کو ڈنر کے لیے بلایا گیا تو ثمرہ نے اسٹیج پر آ کر دودھ پلائی کی رسم شروع کر دی۔ معید نے اسے اپنی خوشی پوری کرنے کے لیے فری ہینڈ دے دیا تھا۔ سائرہ اور مائرہ تو اپنے رویوں سے کسی رسم کو کرنے میں انٹرسٹڈ نظر نہیں آ رہی تھیں۔ تو ثمرہ نے رسم میں رامش سے اچھی خاصی موٹی رقم نیگ میں وصولی کی۔ جو رامش نے خوشی سے بنا کسی تکرار کے دے دی تھی۔

ثمرہ ہی کے اصرار پر آرسی مصحف کی رسم کی گئی۔ اب رخصتی تو ہونی نہیں تھی۔ لہٰذا دلہن اور دولھا کو اسٹیج پر ہی ایک دوسرے کو اس سج دھج کے روپ میں دیکھنے کا ایک مختصر سا موقع دیا گیا۔ رومیسا تو مارے حیا کے پلکیں ہی جھکائے رہی تھی۔ آئینے کی طرف دیکھتی تو یقیناً دولھے سے نگاہیں چار ہونی تھیں۔ جبکہ رامش نے اس کے دلکش روپ کو دیکھ کر دل ہی دل میں سراہنے کے ساتھ ہلکی سی آواز میں سرگوشی بھی ''ماشاءاللہ......'' کہہ کر کی تو رومیسا نے پٹ سے پلکیں اٹھا کر آئینے میں دیکھا تو رامش کے خوب صورت چہرے کے ساتھ ہونٹوں پر دل فریب مسکراہٹ دیکھ کر دوبارہ پلکیں جھکا گئی۔ اس کے ساتھ ہی ثمرہ کی ہی شرارت پر جلد ہی دونوں کے سروں پر تانا دوپٹا ہٹا لیا گیا تو رامش بھی سنبھل کر بیٹھ گیا۔ رامش نے اسے نیگ میں .... پچاس ہزار دیے تھے۔ ثمرہ خوشی کے ساتھ ہلکا پھلکا مذاق بھی کر رہی تھی۔ فوٹو گرافر کی فرمائش پر اسٹیج پر موجود فیملی فوٹو لیا گیا تو رامش تصویر کھنچ جانے کے باوجود رومیسا کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ اور رامش کی دلچسپ حرکت ثمرہ نے ہی پکڑی تھی۔

باقی سب تو ڈنر میں مصروف تھے۔ مگر ثمرہ شرارت کرنے سے باز نہ آئی۔

''ذرا احتیاط اور صبر سے کام لیں رامش بھائی۔

اس وقت سب لوگ آپ کو ہی دیکھ رہے ہیں، فکر نہ کریں۔ میں مہمانوں کے جانے کے بعد رومیسا سے آپ کی ایک میٹنگ ضرور کروادوں گی۔ آخر رومی کی سب سے فیورٹ کزن اور فرینڈ ہوں۔ اتنا تو کر ہی سکتی ہوں اپنے بہنوئی صاحب کے لیے۔'' ثمرہ کی ہلکی آواز میں کی گئی سرگوشی کو صرف رامش اور رومیسا کے کانوں نے ہی سنا تھا۔ وہ ان دونوں کے قریب موجود تھی۔ لہٰذا رامش جھینپ کر رومیسا کے چہرے سے نگاہ ہٹاتے سائڈ میں کھڑی ثمرہ کو دیکھنے لگا۔ کیونکہ فیملی فوٹو کے بعد ایک دو پکچرز فوٹوگرافر نے اسٹیج پر ہی رامش اور رومیسا کی لی تھیں۔ فوٹوگرافر کی ہدایت پر ہی وہ رخ موڑ کے رومیسا کی طرف دیکھ رہا جسے ثمرہ نے شرارت کا لک دے کر ماحول کو خوشگوار سا بنا دیا۔ اس دوران مائرہ اسٹیج سے اتر کر ساتھ اپنا فوٹو سیشن کروا رہی تھی۔ پورے چار گھنٹے پارلر میں لگا کر آئی تھی۔ اور لگ بھی بہت خوب صورت تھی۔ لہٰذا معید بھی موقع کی مناسبت سے انجوائے کر رہا تھا۔

''تم کیوں شرم و حیا میں چانس مس کر رہی ہو رومی...... احتیاطاً تم بھی ایک نظر رامش بھائی کو دولھا بنے دیکھ لو...... فوٹوز سے زیادہ لائیو دیکھنے میں چارم ہوتا ہے، اب رخصتی تو ہو نہیں رہی تو اسی موقع سے فائدہ اٹھاؤ۔ کیا پتا میری میٹنگ کروانے کی کوشش پر ظالم سماج دیوار بن کر کھڑا ہو جائے۔'' ثمرہ نے یہ کہہ کر کچھ فاصلے پر اسٹیج سے نیچے لان کے دوسرے حصے میں کھڑی مائرہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اور رومیسا کو اس بات پر بے ساختہ ہلکی سی ہنسی آ گئی تھی۔

رامش اس ہلکے پھلکے مذاق کو انجوائے کر رہا تھا۔ جو ثمرہ احتیاط کا دامن تھامے بڑی دھیمی آواز میں کر رہی تھی۔ جو مہمان یا فیملی ممبر کے کانوں تک نہ پہنچے۔ صرف رامش اور رومیسا ہی سن سکیں۔ لہٰذا رامش بھی اس کی گل افشانیوں پر مسلسل مسکرا رہا تھا۔ حالانکہ اسے مائرہ کی طرف دیکھ کر کیا جانے والا اشارہ سمجھ بھی نہیں آیا تھا۔ اور رومیسا سوچ رہی تھی کہ آج ثمرہ کی شوخی عروج پر ہے، کون کہہ سکتا تھا کہ وہ کالج میں اسٹوڈنٹس کو لیکچرز دینے والی لیکچرار ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ رومیسا کے لیے بہت خوش ہے۔ اسی لیے اب اس کی باتوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر بھی نظر آ رہی تھی۔

رات گہری ہونے سے پہلے یہ تقریب اختتام پزیر ہو گئی تھی۔ رامش اپنی فیملی کے ساتھ سب سے مل کر جا چکا تھا۔ ان کی میٹنگ والی بات صرف ثمرہ کے مذاق تک ہی محدود رہی تھی۔ رامش کی طرف سے ایسی کوئی فرمائش نہیں کی گئی تھی۔ وہ ایک میچورڈ اور سوبر بندہ تھا۔ البتہ اگلے دن شام کو کینیڈا کے لیے روانگی سے قبل وہ اپنی فیملی کے ساتھ ''خوشنما ولا'' آیا تھا۔ اس نے معید کے ساتھ یہیں سے ائرپورٹ روانہ ہونا تھا۔ اریشہ اور اس کا شوہر انہیں ڈراپ کرنے ساتھ آئے تھے۔ رومیسا بھی لان میں بھائی کے ساتھ لگ کر کھڑی افسردگی سے الوداعی ملاقات کے لیے موجود تھی۔ حالانکہ معید نے اسے کتنی تسلی دی تھی کہ اب بس کچھ دنوں بعد ہی وہ معید کے پاس کینیڈا موجود ہوگی۔ پھر بھی اس کے چہرے کی اداسی کم نہیں ہوئی تھی۔ رامش ماں کے ساتھ ایک طرف کھڑا تایا جان اور ان کی فیملی سے فرداً فرداً مل رہا تھا۔ رومیسا سے کوئی بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ بس اس نے اس کی طرف ایک نظر دیکھا تھا۔ رومیسا نے بھی اسی وقت اس کے چہرے کی اور نگاہ کی تھی اور اس ایک نگاہ میں الوداعی کلمات جیسے احساسات کے ساتھ تسلی بھی محسوس ہوئی تھی رومیسا کو جو اسے اداس دیکھ کر دی گئی تھی۔ رومیسا نے ایک نرم نظر کے ساتھ نگاہ جھکا لی تھی۔ رامش نے اس کی بھیگی آنکھوں والے روپ کو اپنے دل کے آئینے میں نقش کر لیا تھا۔ بقول شاعر جب دل چاہا جھک کر دل میں جھانک لیا اور سیراب ہو گئے۔ وہ بہت مہذب اور میچورڈ لڑکا تھا۔ اس لیے اس کے ہر عمل سے شائستگی ہی جھلکتی نظر آئی۔ رومیسا کے دل کو اس بات نے بہت اطمینان دلایا تھا۔ اسی لیے وہ اتنے لوگوں کے درمیان

کھڑی رامش کی موجودگی میں کمفرٹیبل فیل کر رہی تھی۔ عائشہ آنٹی نے اسے گلے لگا کر پیار کیا تھا۔ مائرہ کو بھی سب گلے لگا کر رخصت کر رہے تھے۔ جبکہ وہ ماں، باپ اور بہن سے گلے مل کر کافی رونے دھونے والا سین کری ایٹ کر چکی تھی۔ حالانکہ معید کے پاس پہنچنے کے لیے وہی سب سے زیادہ بے چین و بے قرار تھی۔ اب اس کے ساتھ جاتے ایسے پوز کر رہی تھی۔ جیسے پہلی بار ماں، باپ کے گھر سے رخصت ہو رہی ہو جبکہ دل اس تفاخر سے بھرا ہوا تھا کہ بالآخر وہ رومیسا سے پہلے کینیڈا معید کے پاس جا رہی تھی۔ جو رومیسا سے مقابلے بازی میں اسے برتر بنا کر تسکین پہنچا رہا تھا۔ بہر حال یہ مرحلہ بھی بخوبی نبٹ گیا۔ ثمرہ اور رمشہ خالہ آج کے دن رومیسا کے پاس رک گئی تھیں۔ اگلے دن انہوں نے اپنے گھر چلے جانا تھا۔

☆☆☆

رامش کی کوشش سے ہی معید کو کرائے پر ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ مل گیا تھا۔ کینیڈا پہنچ کر اپنی خیریت کی اطلاع گھر میں سب کو دینے کے بعد مائرہ اگلے دن سے ہی اپنے گھر کو ڈیکوریٹ کرنے میں مگن ہو گئی تھی۔ اسے اس بات کی بھی خوشی تھی کہ اب وہ اور معید اس گھر میں اپنی الگ دنیا بسائیں گے۔ جہاں رومیسا ہر وقت ان کے درمیان رہ کر اس کی زندگی پر مسلط نہیں ہو گی۔ اب معید بھی رومیسا سے زیادہ اسے توجہ دے گا۔ اور وہ آہستہ آہستہ اس کی پوری زندگی پر چھا جائے گی۔ اتنی خوشیاں اور نعمتیں پا کر بھی اس کے ظرف کا دامن رومیسا کے معاملے میں آج بھی تنگ ہی رہا تھا۔

دو ماہ بعد رامش اور عائشہ آنٹی رومیسا کو باقاعدہ ''خوش نما ولا'' سے رخصت کروا کے کینیڈا واپس روانہ ہو گئے تھے۔ رامش صرف دو دن کی شارٹ لیو لے کر آیا تھا۔ معید کو چھٹی نہیں مل سکی تھی۔ لہٰذا تایا جان نے رومیسا کو بیٹی کی طرح رخصت کیا تھا۔ جس کے اگلے دن ولیمے کی تقریب ہوٹل میں رکھنے کے بعد رات کی فلائٹ سے ہی وہ کینیڈا کے لیے روانہ ہو گئے۔ معید نے ہی رامش کے اپارٹمنٹ کو رومیسا کے استقبال کے لیے ڈیکوریٹ کیا تھا۔ جس دن رامش اور رومیسا کو عائشہ آنٹی کے ساتھ کینیڈا پہنچنا تھا۔ معید نے رامش کے بیڈ روم کو بھی فریش فلاورز سے ڈیکوریٹ کروایا تھا۔ رامش اور رومیسا کی پسندیدہ خوشبو دار کینڈلز کی آرائش اضافی تھی۔ تازہ پھولوں کی مہک نے پورے روم کے اندرونی ماحول کو معطر کر رکھا تھا۔ کینڈلز کی خوابیدہ سی روشنی نے ماحول کو بہت فسوں خیز بنا دیا تھا۔ وہ تینوں ائرپورٹ سے گھر پہنچے تو معید اور مائرہ ان کے استقبال کے لیے پہلے سے موجود تھے۔ مائرہ اور معید نے مل کر ڈنر کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ فریش ہونے کے بعد انہوں نے معید اور مائرہ کے ساتھ مل کر ڈنر کیا تھا۔ آج کافی مائرہ نے ہی معید کے کہنے پر بنائی تھی۔ چائے کا موڈ نہیں تھا۔ پھر رات گہری ہونے سے پہلے معید اور مائرہ نے ان لوگوں سے واپسی کی اجازت لی تھی۔ رامش نے ان دونوں کا ہی بہت شکریہ ادا کیا تھا۔ جنہوں نے اتنی محبت سے ان کا روم ڈیکوریٹ کرنے کے ساتھ زبردست سے ڈنر کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ پھر معید اور مائرہ، رومیسا سے مل کر اپنے فلیٹ واپس چلے گئے تو عائشہ آنٹی بھی تھکن کے باعث سونے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

رامش اس کا ہاتھ تھام کر اپنے بیڈ روم میں لے کر آیا۔ یہ رومیسا کے لیے بڑا پیارا سا سرپرائز تھا معید کی طرف سے۔ وہاں پاکستان میں تو وہ لوگ اریشہ کے اپارٹمنٹ میں ٹھہرے تھے۔ رامش کے ولیمے کے لیے اریشہ کے سسرال والے بھی گھر میں ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ لہٰذا ابھی تک رامش کو رونمائی کا گفٹ دینے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ صرف دو دن کے وزٹ پر تو گیا تھا۔ ولیمے والی رات ہی فلائٹ بک تھی۔ یہاں پر ویک اینڈ تھا۔ لہٰذا رامش کو آسانی سے شارٹ لیو مل گئی ورنہ اتنی جلدی لمبے ٹائم کے لیے فرم کی طرف سے چھٹی ملنا مشکل تھی۔ ائرپورٹ سے واپس آ کر بھی وہ عائشہ آنٹی کے بیڈ روم میں فریش ہونے گئی تھی۔ اور

اب رامش کی ہمراہی میں اپنے بیڈ روم میں قدم رکھتے ہی رامش نے اسے اس سرپرائز کے بارے میں بتاتے مسکراتے لہجے میں کہا۔

''یہ ڈیکوریشن معید نے کی ہے۔ تمہارے بھائی کو دوستی اور رشتے نبھانے خوب آتے ہیں۔ یہ سرپرائز تمہارے بھائی، بھابی کی طرف سے ہے۔'' رومیسا روم کی ڈیکوریشن کو ستائشی نگاہوں سے کھڑی دیکھ رہی تھی۔

''کیسا لگا سرپرائز......؟'' اس نے ساتھ کھڑی رومیسا کے چہرے کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے دوستانہ لہجے میں کہا تو وہ ہلکا سا مسکراتے ہوئے بولی۔

''بہت خوب صورت...... آپ پہلے بتا دیتے تو میں معید بھائی کو تھینکس ہی کہہ دیتی۔''

''وہ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ تم بعد میں کہہ دینا۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامے بیڈ روم میں داخل ہو کر بیڈ کے پاس لایا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ آہستگی سے چھوڑ کر بیڈ کی سائڈ ٹیبل سے جھک کر کچھ نکالنے لگا۔ رومیسا بیڈ کے کونے پر ہی بیٹھ گئی تھی۔ رامش کے ہاتھ میں ایک جیولری باکس تھا۔ جسے بیڈ پر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے رامش نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب بڑھایا تھا۔

''یہ رونمائی کا گفٹ ہے تمہارے لیے...... سوری وہاں پاکستان میں موقع ہی نہیں ملا۔ تم سے تسلی سے بیٹھ کر بات کرنے کا۔''

رومیسا نے جیولری باکس رامش کے ہاتھ سے لے کر کھولا تو اندر چین لاکٹ کے ساتھ ڈائمنڈ ٹاپس بھی موجود تھے۔ ہارٹ کی شکل کے پینڈٹ کے اطراف میں چھوٹے، چھوٹے ڈائمنڈ لاکٹ میں بھی جگمگا رہے تھے۔

''تھینکس...... یہ بہت خوب صورت ہے۔'' رومیسا نے متاثر کُن تاثر کے ساتھ تعریف کرتے شکریہ ادا کیا۔

''واقعی...... تھینک گاڈ...... تمہیں پسند آ گیا۔ ورنہ مجھے جیولری وغیرہ کی شاپنگ کا کوئی آئیڈیا نہیں تھا۔ مجھے کوئی گفٹ دینا ہو تو آپی کو ہی ساتھ لے جاتا ہوں...... وہ اپنی پسند سے لے لیتی ہیں۔'' وہ پُرسکون لہجے میں ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

رومیسا جواباً بس ہلکا سا ہی مسکرائی تھی۔ اس کی ہلکی پھلکی باتوں سے ان کے درمیان تکلف اور اجنبیت کا احساس آہستہ، آہستہ دور ہو رہا تھا۔ وہ بہت کم گو تھی۔ اسی لیے رامش اسے اپنائیت کا احساس دلا رہا تھا۔ ثمرہ نے اس کی بہت ساری خوبیوں کا تفصیلی تذکرہ کرنے کے ساتھ ایک خامی بھی بتا دی تھی کہ وہ اپنی فیلنگز کو ایکسپریس نہ کر سکنے اور کم گوئی میں ماہر ہے، تب رامش نے اس سے باتیں کرنے کے لیے دوستانہ لہجہ اختیار کیا تھا۔

''میرے خیال میں ہمیں ایک دوسرے کو جاننے کا کام وقت پر چھوڑ دینا چاہیے۔ فی الحال ریسٹ کرنا زیادہ ضروری ہے، تم بھی تھک گئی ہو، ہے ناں، چلو...... تم ریسٹ کرو، میں ایک نظر امی کو دیکھ لوں...... انہیں کسی چیز کی ضرورت نہ ہو۔'' اس نے اپنی اور اس کی تھکن کے خیال سے بس اتنا ہی کہا تھا اور روم سے باہر چلا گیا... تو رومیسا بھی ہاتھ میں پکڑے باکس کو ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں رکھ کر بیڈ پر تکیہ درست کر کے لیٹ گئی۔ گھر آ کر وہ چینج کر چکی تھی۔ اب تھکن کی وجہ سے اسے کچھ دیر میں نیند بھی آ گئی تھی۔ حالانکہ وہ رامش کے آنے تک پلکیں جھپک، جھپک کر نیند بھگانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ مگر جانے کب نیند کی مہربان آغوش نے اسے اپنے اندر سمیٹ لیا۔

رامش کمرے میں واپس آیا تو اسے سوتا پایا۔ ...ب اب سے عاری چہرہ اسے بہت بھلا لگا۔ رامش نے قریب آ کر اس کے اوپر بلینکٹ اچھی طرح اوڑھا دیا پھر اس کے دلکش چہرے پر ایک ستائشی نظر ڈال کر اپنی جگہ پر آ کر لیٹ گیا۔ نیند تو اسے بھی آ رہی تھی۔ شکر تھا کہ اگلا دن سنڈے کا تھا۔ اس نے فلائٹ بھی ایسے ہی لی تھی کہ ایک دن گھر میں آرام کا مل جائے۔ اسی خیال کے ساتھ وہ پُرسکون ہو کر آنکھ موند گیا۔ اور گہری نیند میں جانے تک آنکھ کے پردے پر رومیسا کا دلکش چہرہ چھایا رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ اس نے جس لائف پارٹنر کے ساتھ کی خواہش کی تھی،

خدا نے اسے عطا کر دیا تھا۔ بس اب اسے اپنی محبت کو ہمیشہ دل میں سنبھال کر رکھنا تھا۔ زندگی کا ہم سفر من پسند ہو تو آگے کا سفر بہت خوشگوار اور پُرسکون گزرتا ہے۔ رامش بھی اپنی محبت کے ساتھ اس سفر کے سہانے خواب کے ساتھ نیند کی مہربان آغوش میں اتر گیا۔

☆☆☆

اگلی صبح عادت کے مطابق اس کی آنکھ سویرے ہی کھل گئی تھی۔ بیڈ کی دوسری جانب رامش کو سوتے دیکھ کر اسے خیال آیا کہ پچھلی رات وہ رامش کا انتظار کیے بغیر ہی تھکن اور نیند کے مارے سوگئی تھی۔ اسے ہلکی سی شرمندگی کا بھی احساس ہوا۔ لیکن پھر رامش کے پُرسکون چہرے کی طرف دیکھ کر خود بھی پُرسکون ہوگئی۔ اس نے بھی رومیسا کی تھکن کے خیال سے مائنڈ نہیں کیا ہوگا۔

نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد وہ کچن میں چلی آئی۔ اپنے اور عائشہ آنٹی کے لیے پہلے دو کپ چائے بناتے ساتھ ہی ناشتے کے لوازمات کی تیاری بھی شروع کر دی تھی۔ عائشہ آنٹی نے بتایا تھا کہ وہ صبح کی نماز کے بعد چائے پیتی ہیں اور ناشتا رامش کے آفس جاتے ہوئے ساتھ ہی کرتی ہیں۔ آج چھٹی کا دن تھا تو اس نے سوچا پہلے دن ناشتے میں کچھ اہتمام کر لیا جائے تب ہی عائشہ آنٹی کچن میں چلی آئیں۔ اسے صبح، صبح وہاں دیکھ کر منع کرنے لگیں۔ جبکہ رومیسا نے انہیں دیکھتے ہی سلام کیا۔

''السلام علیکم آنٹی......!''

''وعلیکم السلام......جیتی رہو بیٹا۔'' انہوں نے نرمی سے جواب دیتے کچن سلیب پر رکھے دو مگ دیکھ کر شرمندہ لہجے میں کہا۔

''ارے بیٹا......تم اتنی صبح، صبح کچن میں کیوں آ گئی ہو۔ رامش تو دیر سے اٹھے گا۔ آج سنڈے ہے، اس لیے میں نے سوچا تھا کہ تم دونوں کے اٹھنے کے بعد ہی ناشتا بنا دوں گی......اس وقت تو میں اپنے لیے چائے بنانے آئی تھی۔'' اسے چائے بناتا دیکھ کر عائشہ بیگم نے ہلکے سے شرمندہ لہجے میں کہا تو وہ اپنائیت بھرے، لہجے میں بولی۔

''کوئی بات نہیں آنٹی......میں بھی اپنے لیے چائے بنانے آئی تھی۔ میں نے ایک کپ آپ کے لیے بنا لی ہے، سوچا ساتھ، ساتھ ناشتے کی تیاری بھی ہو جائے گی۔'' اس نے چائے کا مگ انہیں پکڑاتے ہوئے کہا۔

انہیں رومیسا کی سعادت مندی پر خوشی ہوئی تھی۔ مگر وہ نئی دلہن تھی۔ اور نئی دلہن کے لاڈ اٹھانا صرف رواج نہیں بلکہ اپنے گھر اور خاندان کا حصہ بننے والی ایک لڑکی کو اپنائیت کا احساس دلانے کی بہت بھلی رسم بھی ہے۔ کیا ہوا جو وہ پاکستان کے بجائے کینیڈا میں موجود تھیں۔ مگر اپنی بہو کے لاڈ اٹھانا وہ بھی چاہتی تھیں۔ اسی لیے اسے ناشتا بنانے سے منع کر رہی تھیں۔

''آپ اطمینان سے چائے پئیں اور مجھے گائڈ بھی کرتی جائیں۔ آپ اور رامش ناشتے میں کیا پسند کرتے ہیں؟'' رومیسا نے انہیں شرمندہ دیکھ کر نرم لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تو وہ آگے بڑھ کر اسے روکنے لگیں۔

''ارے نہیں بیٹا......تم چھوڑو یہ سب......میں کر لوں گی......تم جا کر تیار ہو جاؤ۔ رامش اٹھے گا تو تمہیں فریش دیکھ کر اسے اچھا لگے گا۔ ارے یہی تو دن ہوتے ہیں لڑکیوں کی بے فکری کے۔ تمہیں ابھی سے کچن سنبھالنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تھینک یو آنٹی......لیکن مجھے صبح جلدی اٹھنے کی عادت ہے۔ اور تین لوگوں کا ناشتا بنانے میں کون سا بہت سارا ٹائم لگے گا۔ آپ فکر مت کریں۔ میں رامش کے اٹھنے سے پہلے فریش بھی ہو جاؤں گی۔ آپ بس یہ بتائیں کہ رامش اور آپ ناشتے میں کیا لیں گے۔''

رومیسا نے انہیں تھام کر کچن اسٹول پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ جواباً انہوں نے محبت سے اسے دیکھتے ناشتے کے مختصر سے مینو کا بتایا تو اس نے اپنی مرضی سے بھی ایک دو چیزیں تیار کرنے کا سوچ لیا۔

''ارے بیٹا......مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا ہے، ابھی تو تم نئی دلہن ہو۔ کیا ہوا جو ہم پردیس میں بیٹھے ہیں۔ ہماری روایات اور رسم و رواج تو پاکستانی ہی

ہیں ناں......اور میں بھی ٹیپکل پاکستانی ساس ہوں۔ جو بہو کے سارے ارمان اور رسمیں پوری کر کے خوشی مناتی ہیں۔'' وہ ساتھ، ساتھ کام کرتے مسکرا کر انہیں دیکھتی بھی جارہی تھی۔ اور پھر باتوں، باتوں میں ان کے بتائے ناشتے کے تمام لوازمات بھی تیار کر لیے۔ عائشہ آنٹی اس کی سلیقہ مندی کی معترف ہورہی تھیں۔ دونوں ساس، بہو نے پہلے ٹیبل سیٹ کی۔ عائشہ بیگم نے اسے تیار ہونے بھیج دیا اور خود لوازمات ڈش میں نکالنے لگیں۔ رامش فریش ہو کر ناشتے کی ٹیبل پر آیا تو میز پر ناشتے کے اضافی لوازمات دیکھ کر خوش دلی سے مسکرانے لگا۔ ابلے انڈے، چیز آملیٹ، گارلک بریڈ سادہ بریڈ (سلائس) فروٹ سلیڈ وہ بھی ڈھیر سارے ڈرائی فروٹس اور شہد کے ساتھ۔ دو طرح کے سینڈوچز، جوس وغیرہ رامش ٹیبل پر لوازمات دیکھنے کے بعد اب سامنے بیٹھی فریش سی نکھری نکھری رومیسا کو ستائشی نظروں سے سراہتے ساتھ بیٹھی ماں کو مخاطب کرتے بولا۔

''یہ سارے لوازمات ہم تینوں کے لیے ہیں۔ کیا آج لنچ اور ڈنر کی چھٹی کا پلان ہے امی!'' عائشہ آنٹی یہ سن کر مسکراتے ہوئے رومیسا کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''ارے بیٹا...... یہ ناشتا میں نے نہیں رومیسا نے بنایا ہے۔ وہ بھی صبح صبح اٹھ کر اس لیے اب تمہیں شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ڈھیر ساری تعریف بھی کرنی ہوگی میری بیٹی کی۔''

رومیسا نے ہی فون کر کے مائرہ بھابی کو منع کیا تھا کہ وہ معید بھائی کو آرام کرنے دیں۔ سفر کی تھکن کے خیال سے وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ بہن کی محبت میں عائشہ آنٹی کی طرح پاکستانی رسم ورواج کے مطابق ناشتا وغیرہ بنوا کے لے کر اس کے گھر پہنچ جائے۔ مائرہ تو خود یہی چاہتی تھی۔ اس لیے معید کو جگایا ہی نہیں......اور وہ یہاں آکر پہلے دن شوہر اور ساس کے لیے اپنے ہاتھ سے ناشتا بنا کر خوش نظر آرہی تھی۔ رامش نے ماں کی بات سن کر خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا تو وہ جھینپ کر مسکرانے لگی۔

''واہ بھئی......تم نے تو آج پہلے دن ہی ہماری دعوت کردی ہے۔ کیوں امی......!''

''تم دعوت ہی سمجھ لو......اور ناشتے کے بعد دعوت کا انعام بھی میری بہو کو دے دینا۔ فی الحال ناشتا شروع کرو......ورنہ ٹھنڈا ہوجائے گا۔'' عائشہ آنٹی نے بھی دوستانہ لہجے میں مسکرا کر کہا تو وہ رومیسا کا شکریہ ادا کرنے لگا۔

''تھینک یو رومی......! اور انعام تم اپنی مرضی کا لے لینا۔''

رامش نے شرارتاً اپنا والٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرادی۔

''آج آپ کی چھٹی کا آخری دن ہے......اس لیے یہ اہتمام کیا ہے، کل سے آفس جانا ہوگا تو جو روٹین میں آپ لوگ ناشتا کرتے ہیں۔ وہی بنادوں گی۔''

رومیسا نے جواباً نرم لہجے میں کہا۔ رامش نے اپنی پلیٹ میں چیز آملیٹ لیا اور بریڈ کے ساتھ فرسٹ بائٹ لیتے ہی آملیٹ کے ذائقے کی تعریف کی تھی۔ عائشہ آنٹی بھی اپنی پلیٹ میں نکال کر کھانے لگیں تو وہ ان دونوں کے لیے جوس کے گلاس رکھنے لگی۔

''زبردست رومی......آملیٹ تو واقعی بہت ٹیسٹی ہے۔'' رومیسا نے فروٹ سیلڈ کی طرف اشارہ کرتے کہا۔

''تھینک یو آنٹی......آپ فروٹ سیلڈ بھی لیں ناں......صبح کے ناشتے میں بہت healty رہتا ہے۔''

''ضرور لوں گی بیٹا......لیکن لنچ میں لوں گی...... میں دوپہر میں کھانا نہیں کھاتی۔ صرف فروٹس اور سیلڈ وغیرہ ہی لے لیتی ہوں......اگر ابھی اتنا ہیوی ناشتا کر لیا تو لنچ کے ساتھ ڈنر بھی گول ہوجائے گا......'' انہوں نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے ہلکے پھلکے لہجے میں اپنی روزمرہ روٹین کا بتایا تھا۔ رامش تو جوس کے بعد اب فروٹ سیلڈ نکال رہا تھا۔ تاکہ اتنی محبت سے ناشتا بنانے والی پیاری سی بیوی کا دل خوش کر سکے۔

''ویسے یہ واقعی ہیوی ہوجائے گا......لیکن تمہاری خوشی کے لیے تھوڑا سا لے لیتا ہوں......''

رامش نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے شگفتہ لہجے میں

کہتے ہوئے تھوڑا سا فروٹ سیلڈ اپنی پلیٹ میں نکالا۔ عام طور پر ناشتے میں بہت کم لوگ فروٹس کا استعمال کرتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ چائے، کافی اور جوس ہی استعمال کرتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ صبح کے وقت سب کو اپنے، اپنے ورک پلیس پر پہنچنا ہوتا ہے۔ بہر حال رامش کے جواب نے اسے خوشی دی تھی۔ مگر وہ پھر بھی پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔ اسے رامش کی پسند نا پسند اور مزاج کا ابھی کچھ اندازہ کہاں تھا۔

''کیوں...... آپ بھی لنچ نہیں کرتے کیا؟''

''کرتا ہوں...... لیکن آفس میں...... اب یہ اتنا کچھ کھانے کے بعد تم آج کا لنچ گول ہی سمجھو...... لیکن شام میں ہم ڈنر پر چلیں گے۔ آپ دونوں ٹائم پر ریڈی رہیے گا۔'' رامش نے ماں اور بیوی کی طرف دیکھ کر کہا تو عائشہ اسے منع کرنے لگیں۔

''نہیں بیٹا...... ڈنر کے لیے تو تم دونوں ہی چلے جانا۔ میری تو ابھی سفری تکان ہی نہیں اتری...... میں تو گھر پر ہی آرام کروں گی۔''

''ٹھیک ہے، آپ کا موڈ باہر جانے کا نہیں ہے تو ہم آپ کے لیے پیک کروا لائیں گے۔ ٹھیک ہے ناں......'' رامش نے فوراً نرمی سے جواب دیا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھیں۔ جانتی تھیں منع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں...... بہت کیئرنگ تھا وہ۔ لہٰذا رومیسا سب سے پہلے بریک فاسٹ ختم کر کے برتن سمیٹنے کے لیے اٹھی تو رامش فوراً اٹھ کر اس کا ساتھ دینے لگا۔ رومیسا نے منع کیا تو وہ بتانے لگا کہ وہ ان سب کاموں کا سالوں سے عادی ہو چکا ہے۔ پھر ناشتا بھی رومیسا نے تیار کیا تھا تو وہ اکیلی ہی کیوں ہلکان ہو۔ رومیسا کو اس جواب سے دل ہی دل میں خوشی ہوئی تھی۔ رامش نے اس کا خیال کیا تھا۔ اور اسے ابھی سے لگ رہا تھا کہ رامش ایک بہت کیئرنگ شخص ہے۔ صرف بیوی کے لیے نہیں ماں اور بہن کے لیے بھی۔ اور ایسے لوگ بہت حساس ہوتے ہیں۔ رومیسا کو تو وہ ایسے ٹریٹ کر رہا تھا جیسے وہ اس کی پسندیدہ ترین بیوی ہو...... حالانکہ یہ لو میرج نہیں تھی۔ رومیسا تو سچائی سے بے خبر تھی۔ اس لیے دل ہی دل میں معید کی شکر گزار بھی تھی۔ جس نے رامش کی شکل میں اس کی جھولی میں عمر بھر کا سکون، چین ڈال دیا تھا۔ ورنہ پردیس میں وہ بھی سسرال میں ایسی پزیرائی سب کے حصے میں کہاں آتی ہے۔ اب لگ رہا تھا کہ واقعی وہ خوش بخت ہے۔ اور دعائیں بن مانگے بھی قبول ہو جاتی ہیں۔

شام میں وہ بلیک کلر کے خوب صورت ڈریس میں تیار ہوئی تو اس کے چہرے پر نیچرل دلکشی کے ساتھ ڈنر کی مناسبت سے متناسب میک اپ نے خوب صورت لک دی تھی۔

اندرونی خوشی وطمانیت کے ساتھ چاہے جانے کا احساس چہرے پر اجالا بن کر پھیل گیا تھا۔ رامش نے گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے اس کی بھرپور تعریف کی تھی۔ پڑھی لکھی، سمجھدار اور خوب صورت بیوی جو وقت اور ماحول کے تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھالنے کی صلاحیت رکھتی ہو...... ایک مرد کو لائف پارٹنر کے طور پر اور کیا مطلوب ہوتا ہے...... زندگی کی تکمیل کے لیے۔ ایک آئیڈیل عورت اسے مکمل کر دیتی ہے۔ رامش بھی خود کو ایسا ہی خوش نصیب شخص سمجھ رہا تھا۔ جسے زندگی نے بالآخر اس کی من پسند خوشیاں لوٹا دی تھیں۔ جن کے دائمی ہونے کی وہ دل میں دعا بھی کرتا تھا۔ ڈنر کے بعد انہوں نے کچھ دیر باہر واک کی تھی۔ موسم ٹھنڈا تھا مگر گرم اوورکوٹ کے ساتھ دونوں اس ٹھنڈ کو انجوائے کر رہے تھے۔ ساتھ میں گرما، گرم کافی کے ڈسپوزل کپ بھی ہاتھوں میں تھے۔ البتہ ماں کے خیال سے وہ گھر جلدی واپس آ گئے تھے۔ اگلے دن سے رامش نے آفس بھی جانا تھا۔

☆☆☆

معید نے اگلے سنڈے ان کو اپنے گھر انوائٹ کیا تھا۔ کراچی سے کینیڈا پہنچنے کے بعد وہ سیدھی رامش کے اپارٹمنٹ ہی آئی تھی۔ اب پہلی بار معید کے فلیٹ پر ڈنر کے لیے آ رہی تھی۔ لہٰذا پھول اور کیک کے ساتھ

کچھ گفٹس بھی لے جانا چاہتی تھی۔ رامش نے آفس سے واپس آکر شاپنگ میں مدد کی تھی۔

مائرہ نے صرف معید کی خوشنودی کی خاطر دعوت کا انتظام گھر پر کیا تھا۔ وہ کوکنگ بھی اچھی کرلیتی تھی۔ چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے معید نے بھی کچن کے کاموں میں اس کا پورا ہاتھ بٹایا تھا۔ لہٰذا مائرہ کا موڈ بھی اچھا رہا تھا۔ سب کچھ ریڈی کر کے وہ خود فریش ہونے چلی گئی۔ واپس آئی تو وہ لوگ آچکے تھے۔ معید نے گفٹس دیکھ کر رامش اور رومیسا سے اس تکلف کی بابت اعتراض کیا تو انہوں نے پہلی بار اس کے گھر آنے پر روایت کے مطابق گفٹس دینے کا جواز پیش کیا۔ معید بھی رامش کی اس عادت کا معترف ہوگیا کہ اس کو رشتے داری اور تعلق داری نبھانے کا فن آتا تھا۔ جیسے ہی مائرہ تیار ہو کر سٹنگ روم میں داخل ہوئی۔ رامش کے ساتھ رومیسا کو ہلکی پھلکی تیاری میں دیکھ کر اسے اپنا وجود بالکل پھیکا سا محسوس ہوا تھا۔ حالانکہ پاکستان سے زیادہ یہاں پر معید اس کا خیال رکھ رہا تھا۔ رومیسا کے چہرے پر شادی کے بعد جونکھار، طمانیت اور سرشاری کا تاثر جھلکنے لگا تھا۔ اس نے ایک بار پھر سے مائرہ کو اندر ہی اندر جلن اور حسد میں مبتلا کیا تھا۔ جیسے رومیسا کی خوشیوں پر اس کی بدنظر ہمیشہ سے گھات لگائے بیٹھی ہو۔ اس تاثر سے بے خبر معصوم رومیسا وائٹ ڈریس میں ہلکی سی جیولری کے ساتھ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہائٹ کلر رامش کا فیورٹ کلر تھا۔ اوپر سے رامش کی چاہت نے اس کے چہرے کو انوکھے روپ سے بھر دیا تھا۔ جو مائرہ کو اپنی آنکھوں میں چبھتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ اسی وقت معید کی نظر اس پر پڑی تو وہ جلدی سے مصنوعی بشاشت اور منافقانہ مسکراہٹ چہرے پر سجائے رومیسا سے ملنے آگے بڑھی۔ سلام کے بعد حال احوال پوچھا تھا۔ جبکہ معید کو کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ رومیسا کا اطمینان وسکون بتارہا تھا کہ رامش نے اسے کتنا خوش رکھا ہوا تھا۔ اس نے دل میں بہن کی دائمی خوشیوں کی صدقِ دل سے دعا کی۔ کیونکہ بدنظر اتارنے کو دعا کی ضرورت پڑتی ہے۔ مائرہ نے سب کو پہلے جوس پیش کیا تھا۔ کچھ دیر بعد ڈنر ٹیبل پر رامش نے مائرہ کی کوکنگ کی کھلے دل سے تعریف کی تو اس کا لیا دیا سا انداز خود بخود اچھے موڈ میں تبدیل ہوگیا۔ معید نے بھی اس تعریف کی بھرپور تائید کی تھی۔ البتہ کافی کی فرمائش معید نے رومیسا سے کی تھی۔

''رومیسا کافی بہت اچھی بناتی ہے رامش...... اگر تم نے اب تک نہیں پی ہے تو آج تمہیں بھی پتا چل جائے گا...... میری بہن سے اچھی کافی کوئی نہیں بنا سکتا۔''

''مجھے پتا چل چکا ہے، تمہاری بہن سے زیادہ اچھی کافی کوئی نہیں بنا سکتا۔ میں بھی نہیں......'' رامش کے بے ساختہ خوشگوار لہجے میں کیے گئے اعتراف پر رومیسا کے جھینپنے کے ساتھ معید نے بھی بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔ پھر مصنوعی گھوری کے ساتھ بولا۔

''اچھا تو اس کا مطلب ہے...... تم نے آتے کے ساتھ میری بہن کو کچن کے کاموں پر لگا دیا ہے۔ ارے ابھی تو اس بیچاری کے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ بھی پھیکا نہیں پڑا۔ اور تم نے ابھی سے ظالم سسرالیوں کا روپ بدل لیا ہے۔'' معید نے شرارتاً بڑی بوڑھی خواتین کی طرح مصنوعی ناراضی سے کہا تو سب ہی معید کی ایکٹنگ پر دل کھول کر ہنسے تھے۔

''ہرگز نہیں یار...... میں اتنا ظالم شوہر بالکل بھی نہیں ہوں...... پوچھ لو اپنی بہن سے...... میں نے اور امی نے تو بہت منع کیا تھا۔ مگر یہ یہاں آنے کے بعد اگلے دن سے ہی کچن کی ذمے داری خود ہی سنبھال چکی ہے۔'' رامش نے بھی ہلکے پھلکے دوستانہ لہجے میں جواباً کہا تو عائشہ بیگم بھی رومیسا کی تعریف کرنے لگیں۔

''واقعی بیٹا...... تمہاری امی نے بیٹی کی بہت اچھی تربیت کی ہے۔ ورنہ آج کل لڑکیاں آدھی زندگی اپنی اسٹڈیز میں گم ہو کر گھرداری میں کہاں دلچسپی لیتی ہیں۔ مگر رومیسا کی عادتوں اور مزاج کو دیکھ کر لگتا ہے، یہ ہر چیز میں پرفیکٹ ہے۔''

مائرہ نے بے چینی و بیزاری سے پہلو بدلا تھا۔ پہلے معید اور اب اس کی ساس کو رومیسا کی تعریفوں میں رطب اللسان دیکھ کر وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر جتانے لگی۔

''رومیسا کی اصل ٹریننگ تو میری امی نے ہی کی ہے آنٹی ...... ورنہ سرینہ چچی کی ڈیتھ تو رومیسا کی کم عمری میں ہی ہوگئی تھی۔ مجھے اور سائرہ آپی کو کوکنگ وغیرہ امی نے ہی سکھائی ہے۔''

مائرہ کے جتانے پر ایک لمحے کے لیے خوشگوار ماحول سنجیدگی میں بدل گیا...... معید کو اس کا اس طرح جتانا اچھا نہیں لگا تھا۔ مگر وہ خاموش رہا تھا۔ تب ہی مائرہ نے رومیسا کو مخاطب کیا تھا۔

''چلو رومی...... میں کچن میں چل کر کچھ گائڈ کر دیتی ہوں تمہیں...... تم پہلی بار آئی ہو ہمارے گھر تو میں کچھ ہیلپ بھی کردوں گی۔''

رومیسا کافی بنانے کے لیے خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ پھر مائرہ کی ہمراہی میں اس کے کچن میں چلی آئی۔ معید نے ماحول کو... بوجھل پن سے بچانے کے لیے ان دونوں سے ہلکی بات چیت شروع کردی۔

''لگتا ہے...... اپنے سگھڑاپے اور خدمت سے ساس اور شوہر کا دل جیتنے کی کوشش کی جارہی ہے۔'' وہ کچن میں کھڑی تیزی سے کافی کی تیاری میں مگن تھی۔ تب ہی ضروری اشیا کچن کیبنٹس سے نکال کر اس کے سامنے رکھتے مائرہ جتاتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے مادی چیزوں سے کسی کا دل جیتنے کی ضرورت نہیں ہے بھابی...... میرا ماننا ہے کہ خلوصِ نیت سے کیا جانے والا ہر عمل انسان کو دوسروں کی نظروں میں معتبر بنادیتا ہے۔ میں دل جیتنے سے زیادہ دل میں گھر کرنے کو اہم سمجھتی ہوں۔ اس لیے کوشش کرنی چاہیے۔ کسی کے دل اور نظروں سے اترنے کی نوبت نہ آئے۔''

رومیسا کم بولتی تھی مگر مقابل کو لاجواب کردیتی تھی۔ اس وقت مائرہ کی بھی یہی حالت تھی لیکن وہ پہلی بار بھائی کے گھر آنے والی معید کی لاڈلی بہن کی شان میں کوئی گستاخی کر کے بدمزگی پیدا کر کے معید کی ناراضی مول لینا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے شیلف سے برتن نکال کر اس کے سامنے رکھ کر بولی۔

''میں تو صرف مذاق کررہی تھی۔ تم بلاوجہ افلاطون بننے کی کوشش مت کرو...... کافی بن جائے تو لے آنا...... میں تب تک تمہاری ساس کو کمپنی دیتی ہوں جاکر...... وہ بیچاری بور ہورہی ہوں گی۔'' مائرہ اسے جتا کر کچن سے باہر چلی گئی تو رومیسا سوچنے لگی۔

''کچھ لوگ اپنے اوپر کتنا بھی ملمع چڑھا کے خود کو پیش کریں وہ کبھی خالص اور کھرے نہیں بن سکتے۔ کھوٹے سکوں کی طرح بس شور پیدا کرتے ہیں ......'' واپسی میں معید نے بھی ان تینوں کے لیے گفٹس رومیسا کے حوالے کیے تھے۔ رومیسا نے اعتراض کیا تو اس نے یہ کہہ کر چپ کروادیا کہ وہ شادی کے بعد پہلی بار اس کے گھر آئی ہے۔ اور رواج کے مطابق اس نے وہی کیا ہے جو میکے آنے پر بیٹی کے ماں، باپ کرتے ہیں۔ رومیسا نے بھائی کی ایسی حساسیت اور محبت کے اظہار پر بے ساختہ اس کے کندھے سے لگ کر اپنی محبت کا عقیدت کا اظہار کرنے کے ساتھ دل میں خدا کا شکر بھی ادا کیا تھا۔ اللہ اس پر خاص مہربان تھا۔ ورنہ اس نے زیادہ تر اپنی دوستوں سے یہی سنا تھا کہ شادی کے بعد بھائی، بہنوں سے منہ پھیر لیتے ہیں، بدل جاتے ہیں۔ بیوی اور سسرالی رشتوں کی خوشنودی کی خاطر سگے خونی رشتوں کو فراموش کردیتے ہیں۔ خود اس کی فیملی میں خالہ زاد ضمیر بھائی شادی کے بعد ماں، باپ اور بہن، بھائی سے بس رسمی سا ہی تعلق نبھارہے تھے۔ بلکہ پوری طرح بیوی اور اس کے گھر والوں کی ہمنوائی میں مگن تھے۔ شاید یہی ڈر خوف اسے بھی مائرہ کے مزاج اور رویوں کی وجہ سے لگا رہتا تھا۔ جو معید کی مثالی محبت کے باوجود اسے خود کو خوش نصیب سمجھنے کی خوش فہمی میں مبتلا ہونے نہیں دیتا تھا۔ کیونکہ وہ تو خود کو ماں، باپ سے محروم سمجھ کر بدقسمت ہی تصور کرتی تھی۔ حالانکہ اللہ نے بھائی کے نرم دل و حساسیت کے ساتھ اب رامش کی صورت میں اچھا خیال

رکھنے والا شوہر اور بیٹی سمجھ کر ٹریٹ کرنے والی ساس دی تھی۔ اور ان سب سے ہٹ کر اس کی پرورش اور تعلیم بھی بے یار و مددگار یتیم بچوں کی طرح ہرگز نہیں ہوئی تھی۔ اچھے تعلیمی اداروں سے تعلیم حاصل کر کے وہ خود ایک قابل و ذہین تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔ برے وقت میں ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ رومیسا کو اس کی زندگی کے یہی پلس پوائنٹ اسے خوش بختی کے درجے پر فائز کرتے تھے۔ مگر جانے کیوں مائرہ کی مقابلے بازی یا پھر حسد و رشک کی وجہ سے وہ ہر لمحہ اپنی قسمت سے ڈر خوف میں مبتلا رہتی تھی۔ کہتے ہیں بری نظر بھی آپ کی خوشیوں اور خوش بختی کو سیاہی میں بدل سکتی ہے۔ رومیسا اسی خوف سے باہر آنے کی کوشش میں اب تک ناکام رہی تھی۔

بہر حال معید نے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے رخصت کیا تھا۔ البتہ بعد میں بیڈ روم میں آ کر مائرہ نے اعتراض بھی کیا تھا کہ کچھ دن پہلے شادی پر اتنے خرچے کرنے کے بعد اب دعوت پر بھی اتنے گفٹس دینے کی کیا ضرورت تھی۔ بس یہیں پر آ کر معید کو اس پر غصہ آتا تھا۔ جیسے اس نے اب بے پروائی سے اگنور کرنے کی روش اپنالی تھی۔ مائرہ سے بحث کر کے گھر کا ماحول مکدر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لہٰذا اس وقت بھی اس نے مائرہ کے اعتراض کی پروا نہیں کی۔ معید کو لیپ ٹاپ پر مصروف دیکھ کر وہ خود ہی اکیلے بول، بول کر تھک کر بیزار ہو گئی تو اٹھ کر ڈریسنگ روم میں چینج کرنے چل دی۔ واپس آئی تو معید بیڈ پر کروٹ لے کر لیٹ چکا تھا۔ جیسے سو گیا ہو، مائرہ بس پیچ و تاب کھا کر ہی رہ گئی۔ بس یہیں پر آ کر اسے مات ہو جاتی تھی۔ حالانکہ اگر وہ اپنی کدورت کو ایک طرف رکھ کر غیر جانبداری سے دیکھتی تو سمجھ آتا کہ رومیسا بھی ان کے گھر پہلی بار آنے کی وجہ سے گفٹس لے کر آئی تھی۔ مگر اسے صرف اپنے شوہر کی جیب اور کمائی پر اکیلے راج کرنے کی خواہش نے کم ظرف و بے ضمیر بنا دیا تھا۔

گھر پہنچ کر جب رومیسا نے عائشہ آنٹی اور رامش سے معید کے دیے گئے گفٹس کا ذکر کیا تو وہ لوگ بھی

رومیسا کو اس تکلف کے لیے معید کو منع کرنے کے لیے کہہ رہے تھے۔ لیکن جب رومیسا نے ان کے سامنے معید کی کہی باتوں کو دُہرایا تو ان لوگوں کو بھی خاموش ہونا پڑا۔ ان کو بھی اندازہ ہو گیا تھا۔ دونوں بہن، بھائی کی محبت اور باؤنڈنگ مثالی تھی۔

☆☆☆

ویک اینڈ پر وہ اسے اپنے سپر اسٹور لے کر آیا تھا۔ ملازمین سے تعارف کرایا۔ جو نہ صرف مسلمان بلکہ پاکستانی بھی تھے۔ سب رامش کے حوالے سے بہت ریسپیکٹ دے کر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ واپسی میں اس نے بیکنگ کا سامان بھی خریدا تھا تاکہ صبح کے ناشتے یا شام کی چائے کے لیے اپنے ہاتھ سے مختلف قسم کی بریڈز اور کیکس، پیٹیز وغیرہ بیک کر سکے۔ اس لیے خود کو مصروف رکھنے کے لیے وہ کوئی جاب کرنے کے بجائے اپنے گھر کو سجانے، سنوارنے کے علاوہ رامش کے لیے اچھے، اچھے کھانے بنانے میں مصروف رہ کر خوشی محسوس کر رہی تھی۔ اس کے نزدیک رشتے بھی پودوں کی طرح ہوتے ہیں۔ انہیں وقت دینے کے ساتھ خصوصی دیکھ بھال اور بے حد خیال کے ساتھ ٹریٹ کرنے سے جس طرح پودوں کی جڑیں رفتہ، رفتہ اندر سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہیں، اسی طرح انسانی رشتے بھی مضبوط اور پائیدار بنتے چلے جاتے ہیں۔ بات صرف مثبت سوچ، سمجھ اور فہم کی ہوتی ہے۔ خونی رشتوں سے زیادہ ان رشتوں کو نبھانے میں سمجھداری دکھانی پڑتی ہے تاکہ زندگی کو مکمل اور خوب صورت بنایا جا سکے۔ رومیسا بھی اپنی سوچ کے مطابق نئی زندگی کو کامیاب بنانے کی تگ و دو میں نہایت سمجھداری سے آگے بڑھ رہی تھی۔

واپسی پر ڈرائیونگ کے دوران رامش نے اسے اپنی فیملی سے متعلق مزید باتیں بتائی تھیں۔

''ویسے تم اگر کبھی گھر میں بوریت محسوس کرو تو اسٹور کا چکر لگا سکتی ہو۔ اچھا ہے، ملازمین کے بھی ذہن میں رہے گا کہ ان پر چیک رکھنے کے لیے مالکن آتی جاتی رہتی ہے حالانکہ سب اعتماد کے لوگ ہیں۔ مگر بزنس میں اعتماد کے ساتھ چیک اینڈ بیلنس بھی ضروری ہے۔ میں تو ... ویک اینڈ پر چکر لگاتا ہوں......'' رامش نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکے سے مسکرا کر کہا تھا۔

''جی ٹھیک ہے......'' وہ مختصراً جواب دے کر گاڑی کی ونڈو...... کے پار باہر ہوتی ہلکی، ہلکی برف باری دیکھنے لگی۔ اسے بارش اور برف باری دونوں بہت پسند تھیں۔ اور سردیوں کے موسم کو بہت انجوائے کرتی تھی۔ لیکن کینیڈا میں تو بہت زیادہ ہی ٹھنڈ پڑتی تھی۔ اسے ہمیشہ سے کراچی کی ہلکی پھلکی ٹھنڈ سے ہی واسطہ پڑا تھا۔ لہٰذا اب یہاں باہر نکلتے وقت بہت احتیاط کرنی پڑتی تھی۔ وہ کیلگری میں رہائش پزیر تھے۔ رامش نے ڈرائیونگ کرتے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اس کی دلچسپی کو نوٹس کیا تھا۔

''تمہیں سنو فال اچھی لگتی ہے؟''

''جی بہت......اور بارش بھی......'' رومیسا نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔

''بارش تو مجھے بھی بہت پسند ہے۔ لیکن یہاں بارش اور سردی دونوں ہم پاکستانیوں کو بہت پریشان کرتی ہیں۔ خاص طور پر ہم کراچی کے رہنے والوں کو۔ جو زیادہ سردی کے عادی ہوتے ہیں اور نہ بارش کے۔ ایسا ہی ہے ناں......''

''جی......یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، کراچی میں بارش اور سردیاں مختصر ہی دنوں کے لیے آتی ہیں لیکن کبھی کبھار کسی سال ہمیں سرپرائز بھی مل جاتے ہیں۔'' رومیسا نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے جواباً کہا۔ وہ آہستہ، آہستہ ایک دوسرے کی پسند و ناپسند اور مزاج و عادات سے واقف ہو رہے تھے۔

''ویسے یہاں بہت اچھی، اچھی بیکریز موجود ہیں پھر یہ بیکنگ کے سامان کی شاپنگ کیوں کی ہے، کیا تمہیں بیکنگ کا شوق ہے؟''

''جی، کالج کی چھٹیوں میں ثمرہ کے ساتھ بیکنگ اور کوکنگ کے کورسز کے لیے تھے۔ اس لیے کبھی کبھار

گھر میں کسی کی برتھ ڈے یا سنڈے کے بریک فاسٹ میں اپنا شوق پورا کر لیتی تھی۔ اپنی فیملی اور فرینڈز کے لیے ان کی برتھ ڈے پر اپنے ہاتھ سے کیک بیک کر کے بھیجتی تھی۔ اب صبح کے ناشتے کے لیے آپ کے اور آنٹی کے لیے بھی ٹرائی کرنا چاہتی ہوں......'' رامش کی ہلکی پھلکی باتوں کے جواب میں وہ بڑی تسلی سے جواب دے رہی تھی۔ جسے سن کر رامش امپریس ہوا تھا۔

''ویری نائس......ورنہ معید کی زبانی سن کر میں تو یہی سمجھتا تھا کہ تم صرف پڑھا کو ٹائپ، پوزیشن ہولڈر لڑکی رہی ہو۔'' اسے رومیسا کی اپنے اور اپنی ماں کے لیے کوکنگ ریسپیز ٹرائی کرنے کی بات سن کر بہت خوشی محسوس ہوئی۔ وہ اپنے نئے رشتوں کو کتنی سمجھداری سے اہمیت اور مان دے رہی تھی۔ ورنہ آج کل کے مشینی دور میں جب ہر بندہ یورپی ملکوں میں اپنے گھر کے کاموں کے علاوہ باہر جاب کی ذمے داری بھی نبھا تا ہو۔ ایسی مصروف زندگی میں کس کے پاس ٹائم ہوتا ہے جو اپنی فیملی کے لیے اتنا کیئرنگ ہو کر سوچے......وہ دل ہی دل میں رومیسا کی خوبیوں کو سراہا رہا تھا۔

''معید تمہاری ذہانت اور قابلیت کی بڑی تعریفیں کرتا تھا کہ میری بہن بہت ذہین اور قابل ہے۔ پڑھائی میں ہمیشہ پوزیشن لیتی رہی ہے۔''

اب یہ سن کر وہ رامش کی طرف جھینپ کر دیکھتے مسکرانے لگی۔ معید بھائی نے جانے اس کے بارے میں اور کیا، کیا بتایا ہوگا۔ کیا یہ بھی کہ اگر اسے ہلکی سی بھی چوٹ لگ جائے تو کس طرح ری ایکٹ کرتی ہے۔ کسی کو کچھ نہیں بتاتی۔ بس خاموش ہو کر ساری تکلیف خود ہی برداشت کرتی ہے۔

''او کے......تو پھر ہم نیکسٹ ویک اینڈ پر مل کر کچھ ٹرائی کریں گے۔ تھوڑی بہت کوکنگ تو میں بھی کر لیتا ہوں......تمہاری ہیلپ ہی کروادوں گا......'' وہ بس مسکرا کر کے تائید میں سر ہلانے لگی۔ واپسی میں انہوں نے کھانا باہر ہی کھایا تھا۔ وہ ابھی تک ہنی مون پر کہیں باہر جا نہیں سکے تھے۔ لہٰذا رامش ہر ویک اینڈ پر اسے کہیں نہ کہیں آؤٹنگ پر لے جاتا۔ رامش کو اتنی جلدی دوبارہ آفس سے چھٹیاں نہیں مل سکتی تھیں۔ لہٰذا کرسمس کی چھٹیوں میں اس نے رومیسا کو گھمانے پھرانے کا سوچا تھا۔ وہ گھر پہنچے تو عائشہ آنٹی سو چکی تھیں۔ دونوں نے فریش ہو کر سٹنگ میں بیٹھ کر اچھی سی مووی ساتھ بیٹھ کر دیکھنے کا پلان کیا تو رومیسا کافی بنانے چلی گئی۔

☆☆☆

موسم سرما اسٹارٹ ہو چکا تھا۔ اس لیے زیادہ تر لوگ رات دیر تک گھر سے باہر رہنے سے گریز کرتے تھے۔ خاص طور پر شدید برف باری میں۔ اس وقت بھی باہر برف باری ہو رہی تھی۔ اور معید نے اس سے آفس کا کچھ ضروری کام کرتے ہوئے کافی کی فرمائش کی تھی۔ لہٰذا مائرہ نے کچھ دیر بعد کافی لا کر اسے دینے کے بعد اپنے گلے شکوے شروع کر دیے۔ وہ تو پاکستان سے یہی سوچ کر آئی تھی کہ آتے کے ساتھ ہی معید کے ساتھ پورا کینیڈا گھومنے پھرنے کے لیے نکل جائے گی۔ جیسے یہ بات آسان ہوگی ناں......اس بات کا احساس کیے بغیر کہ وہ اپنی نئی جاب میں سیٹلڈ ہونے کے لیے کتنی محنت سے کام کر رہا ہے۔

''کیا ہے معید......تم گھر پر بھی آفس کا کام کرتے رہتے ہو......میں جب سے یہاں آئی ہوں......تم مجھے کہیں بھی آؤٹنگ کے لیے نہیں گئے۔ رامش بھائی کو دیکھیں۔ وہ ہر ویک اینڈ پر رومیسا کو لے کر جاتے ہیں۔ تم تو شادی کے بعد مجھے ہنی مون پر بھی لے کر نہیں گئے تھے۔'' معید نے صوفے پر ساتھ بیٹھی مائرہ کو گھور کر دیکھا تھا۔ اب وہ مقابلے بازی میں رومیسا کی ساری خیر خبر رکھنے لگی تھی۔ اسے مائرہ کے بچکانہ انداز پر ہلکا سا غصہ آیا تھا۔ شادی کے بعد اس کی جاب ختم ہو گئی تھی۔ اور اس کے بعد کے سارے حالات اس کے سامنے تھے۔ اب یہاں وہ اپنی نئی جاب میں قدم جمانے کے لیے جدوجہد......کر رہا تھا۔ اور اسے ہنی مون پر جانے کی سوجھ رہی تھی۔ حالانکہ ڈنر اور شاپنگ کے لیے وہ کچھ دن پہلے ہی اسے لے جا چکا تھا۔ پھر بھی اس کی دروغ گوئی پر نروٹھے

پن سے بولے بغیر نہیں رہا۔

''ہنی مون پر تو رامش اور رومیسا بھی نہیں گئے۔ اور میری تو ابھی نئی، نئی جاب ہے۔ تم چاہتی ہو میں سیر سپاٹوں میں پڑ کر اپنی اس جاب سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔''

''میں نے ایسا کب کہا...... مگر ہم ویک اینڈ پر تو کہیں باہر جا سکتے ہیں ناں...... شادی کے بعد انجوائے کرنے کے لیے یہی تو دن ہوتے ہیں۔ جب کپلز ایک دوسرے کے ساتھ گھوم پھر کر یادگار وقت گزارتے ہیں۔ بعد میں تو انسان ساری زندگی ذمے داریوں اور فرائض کو بھگتانے میں گزار دیتا ہے۔ مگر زندگی کے ان ابتدائی دنوں کا چارم وقت گزرنے کے ساتھ پھیکا پڑ جاتا ہے۔ لیکن تم شاید نہیں سمجھو گے معید...... تم مردوں کو تو ہم لڑکیاں جذباتی اور بیوقوف ہی نظر آتی ہیں۔'' ایک لمحے کے لیے معید کو اپنی زیادتی کا احساس ہوا تو وہ فوراً لیپ ٹاپ ایک طرف رکھ کر اسے منانے کے لیے اس کے ہاتھ کو تھام کر نرمی سے سمجھانے لگا۔

''آئی ایم سوری یار...... تم بھی ٹھیک ہی کہہ رہی ہو...... لیکن فی الحال کہیں گھومنے پھرنے کے لیے مجھے چھٹی نہیں مل سکتی۔ البتہ کرسمس کی چھٹیوں میں رامش کے ساتھ مل کر میں نے کہیں گھومنے پھرنے کا سرپرائز پروگرام بنایا تھا۔ لیکن تمہاری ناراضی دیکھ کر یہ سرپرائز اب سرپرائز نہیں رہا ہے۔ اس لیے خوش ہو جاؤ...... ہم کرسمس کی چھٹیوں میں چھوٹے موٹے ہنی مون پر ضرور... جائیں گے۔''

''رئیلی معید...... تم سچ کہہ رہے ہو...... ہم واقعی ہنی مون پر جائیں گے۔'' وہ فوراً خوش ہو کر بولی۔

''میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا...... بلکہ کل سنڈے کو ہم ڈنر بھی باہر ہی کریں گے۔ اب تو خوش ہو ناں تم......'' معید نے مسکراتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا۔

معید نے اس کی شکایت دور کرنے کے لیے ڈنر کا بھی پروگرام بنا لیا تو وہ واقعی خوش نظر آنے لگی۔

''رئیلی معید...... تم بہت اچھے ہو...... اب تم جلدی سے اپنا کام ختم کرو...... تب تک میں تمہارے لیے کچھ اسنیکس بنا کر لاتی ہوں......'' مائرہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تو اس نے بھی سکون کی سانس لی۔ ورنہ اگر وہ یونہی اسے ڈسٹرب کرتی رہتی تو وہ اپنی ضروری پریزینٹیشن تیار نہیں کر سکتا تھا...... مائرہ روم سے باہر چلی گئی تو وہ دوبارہ اپنے کام میں لگ گیا۔

☆☆☆

اگلے دن ناشتے سے فری ہو کر وہ ثمرہ سے بات کرنے بیٹھ گئی۔ یہاں آنے کے بعد اس سے تفصیل سے بات نہیں ہو سکی تھی۔ رامش اسٹور کے وزٹ کے لیے جا چکا تھا۔ عائشہ آنٹی اپنے روم میں تھیں۔ وہ ٹیرس پر چلی آئی تھی۔ ایک دوسرے کی خیر، خیریت جاننے کے بعد وہ اس سے رامش اور آنٹی کے بارے میں پوچھنے لگی تو رومیسا نے پوری ایمانداری کے ساتھ سچائی ہی بیان کی۔ بلاوجہ کا مصنوعی بھرم رکھنے کی کوشش نہیں کی۔

''رامش اور آنٹی دونوں ہی بہت اچھے اور... کوآپریٹو نیچر کے مالک ہیں۔ آنٹی حقیقتاً بیٹی کی طرح ٹریٹ کرتی ہیں مجھے۔ اور گھر کے کاموں میں آنٹی ہی نہیں اکثر رامش بھی میرا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ رامش بہت کیئرنگ اور سافٹ نیچر کے مالک ہیں ثمرہ، وہ میری چھوٹی، چھوٹی باتوں کی بہت پروا کرتے ہیں۔ بہت دوستانہ لہجے میں بات کرتے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ میں اب معید بھائی کے فیصلے سے بہت مطمئن اور خوش ہوں...... رامش میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں۔ جو کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہوتی ہیں۔'' اتنے دنوں میں اس کے ساتھ رہتے ہوئے رومیسا نے رامش کی ذات کے حوالے سے جن خوبیوں کو محسوس کیا تھا۔ وہ ثمرہ کے سامنے بیان کر دیں۔ جواباً وہ اسے اس کی دائمی خوشیوں کی دعا دینے لگی۔

''یہ تو بہت خوشی کی بات ہے...... اللہ تمہاری خوشیوں اور مان کو یوں ہی قائم و دائم رکھے۔ تم بھی رامش بھائی اور آنٹی کا بہت خیال رکھا کرو...... رشتے خلوص اور محبت سے ہی پنپتے اور مضبوط بنتے ہیں۔ تم ان کا ہمیشہ خیال رکھنا۔ قدر کرنا پھر یہ ہمیشہ کے لیے

تمہاری خوشیوں سے جڑ جائیں گے۔'' ثمرہ نے ہمیشہ کی طرح اپنے خلوص اور دعاؤں کا اظہار کیا تھا۔

''تھینک یو ثمرہ...... مجھے بس تم لوگوں کی دعاؤں کی ہی ضرورت ہے کیونکہ کبھی، کبھی مجھے لگتا ہے... جیسے مائرہ بھابی مجھ سے شدید قسم کی جیلسی میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ معید بھائی ان سے اتنی محبت کرتے ہیں مگر وہ پھر بھی ہر بات میں مجھ سے مقابلے بازی کرتی ہیں۔ ان سکیورٹی میں مبتلا رہتی ہیں۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہیں میں ان کی ''حسد'' یا ''بدنظر'' کا شکار نہ ہو جاؤں......'' اس نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''خدا نہ کرے رومی...... کیسی فضول باتیں منہ سے نکال رہی ہو...... جیلسی والی بات تو تمہاری ٹھیک ہی لگتی ہے...... میں نے بھی یہ بات محسوس کی ہے۔ لیکن ''نظرِ بد'' بھی حسد اور جلن کی صورت میں ہی کسی کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اس کے لیے تو تمہیں بس دعا ہی کرنی ہوگی...... کیونکہ حاسدین کی نظریں واقعی ''پتھر پھاڑ'' قسم کی ہوتی ہیں، دوسروں کی خوشیوں کو کھا جاتی ہیں...... لیکن تم پریشان مت ہو...... میں امی سے بھی دعا کے لیے کہوں گی...... نظرِ بد سے بچنے کی بھی مسنون دعائیں ہوتی ہیں۔ وہ تمہیں فون پر بتا دیں گی۔'' ثمرہ نے اسے تسلی دی۔ اس کے دل کا بوجھ بھی ثمرہ سے بات کر کے ہلکا ہو گیا تھا۔ اس کی کوئی اور دوست تو تھی نہیں جس سے وہ اپنے دکھ سکھ کی باتیں شیئر کرتی...... اس لیے ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کرنے لگی۔

''شکریہ ثمرہ...... تم سے بات کر کے میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ تم ہمیشہ میری الجھنوں کو منٹوں میں سلجھا دیتی ہوں......''

''اٹس اوکے میری جان...... میں تمہاری کزن ہی نہیں دوست بھی ہوں...... تم ہر پرابلم مجھ سے شیئر کر سکتی ہو...... اس لیے کسی بھی بات کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... ہم سب ہیں تمہارے ساتھ، تم اپنا خیال رکھنا، میں اب فون رکھتی ہوں......'' ثمرہ نے جواباً کہا تو اس نے بھی بات سمیٹ کر خدا حافظ کہا۔

''ٹھیک ہے، سب کو میرا اسلام کہنا، خدا حافظ......''

اس سے بات کر کے وہ آنٹی کے کمرے میں چلی آئی۔ جہاں عائشہ بیگم قرآن کی تفسیر پڑھ رہی تھیں۔ اسے وہاں دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا تو وہ چلتی ہوئی آ کر صوفے پر ان کے پاس بیٹھ گئیں۔

''میں قرآن پاک کو ترجمے کے ساتھ پڑھتی ہوں، اکثر کچھ باتیں، کچھ شرعی مسائل سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ لہٰذا میں نے اسے سمجھنے کے لیے تفسیر پڑھنی شروع کی تو ذہن میں بندھی بہت سی گرہیں کھل گئیں اور ابہام بھی دور ہو گئے، تم بھی قرآن پاک کی تلاوت، ترجمے اور تفسیر کے ساتھ کیا کرو...... بہت سی پریشانیوں اور مسائل کا حل ہمارے لیے آسانی فراہم کرتا ہے۔''

''جی آنٹی...... میں بھی رمضان المبارک میں قرآن پاک ترجمے کے ساتھ ہی پڑھتی ہوں۔ البتہ تفسیر کے لیے آپ مجھے گائڈ کر دیجیے گا...... میں ضرور اس کا مطالعہ کروں گی......'' رومیسا نے جواباً تائیدی لہجے میں کہا۔ واقعی اللہ پاک نے اپنی مقدس کتاب میں انسانی زندگی گزارنے کے احکامات سے لے کر ہر مسئلے کا حل بیان کر دیا ہے۔ اب یہ لوگوں کی فہم و فراست پر ہے کہ وہ اس مقدس صحیفے سے کس طرح استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ رومیسا نے بھی دل میں سوچا تھا کہ اس کی بہت سی ذہنی الجھنوں کا حل سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔

''جیتی رہو بیٹا...... الحمدللہ...... ہم مسلمان ہیں اور ہمیں اپنے دین کے حوالے سے مکمل آگاہی حاصل ہونی چاہیے۔ اور کامیاب انسان وہی ہوتا ہے جو دین اور دنیا کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اپنی آخرت کی تیاری بھی کرتا ہے۔ ورنہ آج کل کے مصروف اور مشینی دور میں تو ہم انسانوں نے دو وقت کی روٹی سے زیادہ ایک سپر لگژری لائف کے حصول میں خود کو ایک دوڑ میں شامل کر رکھا ہے۔ جہاں وہ آگے سے آگے نکلنے کی کوشش میں سرگرداں رہتا ہے۔ حالانکہ زندگی کی حقیقت تو بس اتنی ہے کہ انسان بے خبر ہے۔ جسے اپنے

اگلے لمحے کی سانس کا بھی بھروسا نہیں ہوتا۔ مگر ہم پھر بھی سو برس کا سامان اکٹھا کرنے کی تگ و دو میں مصروف رہتے ہیں۔'' وہ خاموشی اور توجہ سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ تب ہی انہیں رامش کا خیال آیا۔

''یہ رامش کہاں رہ گیا ہے۔ صبح اسٹور وزٹ کے لیے نکلا تھا۔ تم ذرا اسے کال کر کے بات کرو...... اب تو شام ہونے والی ہے۔ آج کل موسم بھی شدید ہو رہا ہے، دو دنوں سے مسلسل برف باری ہو رہی ہے۔ اسے جلدی گھر آ جانا چاہیے تھا۔'' عائشہ بیگم کی... فکرمندی دیکھ کر وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''جی آنٹی...... آپ فکر مت کریں...... میں ابھی کال کر کے پتا کرتی ہوں......'' وہ دوبارہ تفسیر قرآن پڑھنے میں مشغول ہو گئیں۔

رومیسا وہاں سے باہر آئی تو اپنے کمرے سے سیل فون لانے کے خیال سے آگے سٹنگ ایریا سے گزر کے جانے لگی تو کچن میں کھڑے رامش کو دیکھ کر اس کے پاس چلی آئی تھی۔ وہ کچن میں کھڑا کافی بنا رہا تھا۔ اس نے پہلے ساس کو جا کر بتایا کہ رامش آ چکا ہے۔ پھر کچن میں گئی۔ البتہ کچن کاؤنٹر پر ایک جگہ رومیسا کے لیے اس کے لائے پھول اور ایک بیکری باکس رکھا ہوا تھا۔

''ارے آپ کب آئے رامش......؟'' رامش نے اس کی آواز پر پلٹ کر دیکھا تو وہ کچن کاؤنٹر کے پاس آ کر کھڑی ہو چکی تھی۔

''بس ابھی کچھ دیر پہلے ہی آیا ہوں...... اسی لیے کافی بنا رہا تھا۔ تم پیئو گی کیا......؟''

رومیسا نے نفی میں سر ہلایا تو اس نے کچن کاؤنٹر پر رکھا فلاورز بنچ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''یہ میں تمہارے لیے لایا تھا، تمہارے فیورٹ ریڈ ٹیولپس۔'' رومیسا نے دہکتے سرخ رنگ کے تازہ ٹیولپس کے بنچ کو ہاتھ میں لے کر اس کی خوشبو اور تازگی کو ناک کے قریب لے جا کر سانسوں میں اتارتے اس کا شکریہ ادا کیا۔

''تھینکس...... یہ واقعی بہت خوب صورت ہیں۔''

''مائی پلیژر...... ویسے یہ براؤنیز تو لو گی ناں...... میں تمہارے لیے ہی لایا ہوں...... سوچا تھا کافی کے ساتھ مل کر انجوائے کریں گے۔''

رامش نے اپنا کافی مگ اور براؤنیز پلیٹ میں نکال کر چھوٹی ٹرے میں رکھ کر سامنے رکھی تھی۔ پھر خود پلٹ کر شوگر اور کافی کے جار واپس کیبنٹ میں رکھنے لگا۔ رومیسا دیکھ رہی تھی کہ کچن میں کہیں بھی پھیلاوا نہیں تھا۔ ہر چیز اپنی جگہ قرینے سے رکھی تھی۔ وہ بڑی نفاست و صفائی سے کام کرنے کا عادی تھا۔ وہ اسے ہی محویت سے دیکھ رہی تھی۔ جب وہ کچن ٹاول سے ہاتھوں کو صاف کر کے اس کی طرف پلٹا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

رامش نے کچن کی ترتیب کو محویت سے دیکھتی رومیسا کو مخاطب کیا تو وہ اس کی نفاست پسندی کی تعریف کرتے ہلکا سا مسکراتے بولی۔

''دیکھ رہی ہوں...... آپ کچن کے کام بڑی نفاست سے کرتے ہیں۔ کوئی پھیلاوا وغیرہ نہیں پھیلاتے، ورنہ معید بھائی تو ایک کپ چائے بھی بنانے کچن میں چلے جائیں ناں تو آدھے سے زیادہ کچن.... بے ترتیب کر کے رکھ دیتے ہیں۔''

جواباً رامش نے ہنستے ہوئے اس کی جانب دیکھتے ہوئے جواباً کہا۔

''یہاں کینیڈا آنے سے پہلے میں بھی بگڑے ہوئے پاکستانی لڑکوں جیسا تھا۔ جو ماں اور بہن کی عنایتوں کے سبب خود سے ایک گلاس پانی بھی اٹھ کر نہیں پیتے ہیں۔ لیکن اپنی اسٹڈیز اور جاب کے دوران میں نے گوروں کے اچھے مینرز اپنا لیے ہیں۔''

رامش کی بات سن کر وہ بھی مسکرائی تھی۔ رامش نے کچن کاؤنٹر سے کافی اور براؤنیز کی ٹرے اٹھائی تھی۔

''چلو...... وہاں بیٹھتے ہیں، یہ ہمارے سپر اسٹور کی اپنی بیکری کی فریش براؤنیز ہیں، تم ٹیسٹ کر کے بتانا کیسی ہیں۔''

جواباً وہ رامش کی ہمراہی میں سٹنگ ایریا میں

چلی آئی تھی۔ پھر وہ دونوں صوفے پر بیٹھتے ہلکی پھلکی بات چیت کرنے لگے۔

"ویسے براؤنیز کے ساتھ کافی پینے کا اپنا ہی مزہ ہوتا ہے۔" رامش نے کافی کا مگ اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جو براؤنی کا ایک پیس اٹھا کر کھانے لگی تھی۔

"کافی میں آپ کے مگ سے شیئر کرلوں گی۔" رومیسا نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"ریئلی......" رامش اسے شرارتی نگاہوں سے مخصوص تاثر کے ساتھ دیکھتے برجستہ بولا۔

رامش نے مگ سے کافی کا ایک سپ لے کر مگ اس کی جانب بڑھایا تو اس کے شوخ لہجے اور شرارتی نگاہوں کے تاثر سے جھینپتی رومیسا نے مگ تھام کر ایک سپ لے کر واپس مگ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کیسی بنی ہے کافی......" وہ برجستہ پوچھ بیٹھا۔

"اچھی ہے۔ مگر میری بنائی ہوئی کافی سے زیادہ اچھی نہیں ہے۔" رومیسا نے بھی جواباً اس کی طرح شرارتی لہجے میں مسکراتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا تو رامش بے ساختہ کچھ یاد آنے پر ہنسنے لگا تھا۔ اسے رومیسا کی اسمارٹنس نے واقعی متاثر کیا تھا اور رومیسا خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھنے لگی۔ وہ ہنستے ہوئے اور زیادہ اچھا لگتا تھا۔

☆☆☆

معید اور مائرہ آؤٹنگ کے لیے نکلے تھے، واپسی میں مائرہ کی طبیعت خراب ہونے پر وہ اسے اسپتال لے گیا تھا۔ چیک اپ کے بعد پتا چلا کہ وہ ایکسپیکٹ کررہی ہے۔ کچھ ضروری ٹیسٹ بھی کیے گئے تھے۔ جن کی رپورٹس بعد میں ملنی تھیں۔ لہٰذا معید نے گھر آتے ہی رومیسا کو کال کرکے یہ خوشخبری سنائی تھی۔ رومیسا نے بہت خوشی کا اظہار کرتے ان دونوں کو مبارک باد دی تھی۔ رامش اور عائشہ آنٹی نے بھی فون پر ان دونوں کو مبارک باد دی۔ مائرہ نے پاکستان فون کرکے ماں، باپ اور بہن سے مبارک بادیں وصول کی تھیں۔ سب نے ان کی خوشی میں اپنی خوشی اور دعاؤں کا اظہار کیا تھا۔ رومیسا اگلے دن رامش اور آنٹی کے ساتھ ان کے اپارٹمنٹ مبارک باد دینے بھی آئی تھی۔ مٹھائی، پھول اور اپنے ہاتھ سے بیک کیا گیا کیک بھی رومیسا اپنے ساتھ لائی تھی۔

عائشہ بیگم نے بھی مائرہ کو سمجھایا کہ اسے کھانے پینے کا خاص خیال رکھنے کے ساتھ کام کاج میں بھی احتیاط سے کام لیتے اپنا خیال رکھنا ہوگا...... جس پر رومیسا نے اسے پُرخلوص آفر دی تھی کہ گھر کے کاموں میں اسے جب بھی اس کی مدد کی ضرورت ہو، وہ فون کر کے اسے بلاسکتی ہے۔ جس پر معید نے اس کو سراہا تھا۔ کیونکہ معید کے آفس جانے کے بعد مائرہ گھر میں اکیلی ہوتی تھی۔ رومیسا نے اپنے خلوص ومحبت سے معید کی یہ ٹینشن دور کردی تھی کہ وہ مائرہ کے پاس آتی جاتی رہے گی۔ مائرہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ اس وقت وہ صرف اپنی خوشی میں مگن تھی۔ گھر واپس آکر رومیسا نے پاکستان فون کرکے تایا، تائی اور سائرہ آپی کو مبارک باد دی تھی۔ سب نے بہت خوشی کا اظہار کیا تھا۔

☆☆☆

رامش کی برتھ ڈے تھی۔ رومیسا نے عائشہ آنٹی کے ساتھ مل کر رامش کے لیے سرپرائز سلیبریشن ارینج کی تھی۔ سیٹنگ روم کو ہلکا پھلکا سا فینسی لائٹنگ اور فلاورز ارینجمنٹ کے ساتھ ڈیکوریٹ کیا تھا۔ رامش کی فیورٹ خوشبو والی کینڈلز بھی رکھی تھیں۔ برتھ ڈے کیک رومیسا نے خود بیک کیا تھا۔ کچھ بیکری آئٹمز بھی گھر پر ہی تیار کیے تھے۔ اور رامش کو سرپرائز دینے کے لیے پاکستان اریشہ کو فون کرکے منع کیا تھا کہ وہ شام سے پہلے رامش کو وش نہ کرے۔ ورنہ ان کا سرپرائز خراب ہوجائے گا۔

شام میں رامش آفس سے گھر میں داخل ہوا تو سٹنگ روم میں اندھیرے کے باوجود قدم رکھتے ہی اس کی فیورٹ خوشبوؤں نے اس کا استقبال کیا تو وہ چونکے بغیر نہیں رہا۔ ایک چابی اس کے پاس ہی ہوتی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا سٹنگ روم کی لائٹس آن ہونے کے ساتھ رومیسا کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...... ہیپی برتھ ڈے ڈیئر رامش۔"

سٹنگ روم میں ڈائننگ ٹیبل پر رکھے اس کے فیورٹ فلاورز، برتھ ڈے کیک اور سب ڈیکوریشن دیکھ کر وہ اپنی جگہ دم بخود کھڑا رہ گیا۔ رامش کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ بہت سادگی میں بھی اس کی خوشی کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔

"سالگرہ مبارک ہو بیٹا...... اللہ تمہاری عمر دراز کرے...... صحت وتندرستی کے ساتھ ڈھیروں خوشیاں اور کامیابیاں عطا فرمائے، آمین۔" عائشہ بیگم نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم کر دعا دی۔ وہ اک طرف کھڑی فریش ڈریسنگ میں رومیسا کے مسکراتے چہرے کو دیکھنے لگا۔

"یہ سرپرائز رومیسا نے تمہارے لیے ارینج کیا ہے، اب جلدی سے فریش ہو کر آ جاؤ...... تا کہ ہم رومیسا کے ہاتھ کا بیک کیا ہوا کیک کھا سکیں......" عائشہ بیگم نے بتایا تو وہ مسکرا کے رومیسا کا شکریہ ادا کرنے لگا۔

"تھینک یو رومی...... مجھے تمہارا سرپرائز بہت اچھا لگا ہے۔"

وہ جب بھی اسے رومی کہتا تھا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ رومی اسے پیار میں صرف معید، خالہ اور ثمرہ ہی پکارتے تھے۔ اب رامش بھی کہنے لگا تھا۔ وہ دل سے مسکرائی تھی۔

"آپ فریش ہو کر آ جائیں...... تب تک میں ٹیبل سیٹ کر لیتی ہوں......" رومیسا نے جواباً کہا تو وہ فریش ہونے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ فریش ہو کر واپس آیا تو عائشہ بیگم اور رومیسا نے اسے پھول اور گفٹس دیے تو وہ ایک بار پھر اُن کی محبتوں کا شکر گزار ہوتے ٹیبل پر رکھے کیک کو کاٹ کر باری، باری کھلاتے ہوئے بولا۔

"آپ لوگوں نے تو واقعی کافی اہتمام کر لیا ہے، رئیلی، آئی ایم امپریسڈ......" امی نے رامش کو کیک کھلایا تو اس نے رومیسا کی بیکنگ کی بھی تعریف کی تو وہ اسے جتانے لگیں۔ رومیسا تو بس جواباً ہلکے سے مسکرائی تھی۔

"یہ سارے بیکری آئٹمز، رومیسا نے اپنے ہاتھ سے بیک کیے ہیں اور یہ ساری ڈیکوریشن بھی اسی نے کی ہے۔ میں تو بس اس کی ہلکی پھلکی مدد ہی کر سکی۔ سب کچھ اسی نے پلان کیا تم لکی ہو...... تمہیں اتنا خیال رکھنے والی بیوی ملی ہے۔ اب تم نے اسے ڈنر پر لے جانا ہے۔"

امی نے ایک بار پھر رومیسا کو سراہا تو وہ محبت بھری نظروں سے اسے دیکھتے سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا جھک کر کورنش بجا لایا تو رومیسا بس جھینپ کر مسکرائی تھی۔

"تھینک یو مائی ڈیئر وائف...... رئیلی آئی ایم سو لکی......" پھر رامش نے ٹیبل پر رکھے اپنے فیورٹ فلاورز کے بنچ کو اٹھا کر اس کی دلفریب مہک کو محسوس کرتے واپس ٹیبل پر رکھ کر اپنا گفٹ باکس کھولا تو اندر بہت اسٹائلش سی رسٹ واچ کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔ یہ بھی اس کا فیورٹ گفٹ تھا۔ اسے ہر سوٹ پر الگ، الگ مختلف ڈیزائنرز رسٹ واچز بے انتہا پسند تھیں۔ اس کے پاس قیمتی گھڑیوں اور کف لنکس کی اچھی خاصی کلیکشن موجود تھی۔ امی نے اسے کف لنکس گفٹ کیے تھے۔ اس نے ایک بار پھر ان دونوں کا شکریہ ادا کیا۔ امی نے رومیسا کو ڈنر کے لیے تیار ہونے بھیج دیا۔ وہ چاہتی تھیں آج کا دن رومیسا اور رامش ایک ساتھ گزاریں اور انجوائے کریں۔ اسی لیے انہوں نے رامش سے کہہ دیا تھا کہ وہ انہیں معید کی طرف ڈراپ کر دے۔ وہ مائرہ کی خیریت بھی پوچھ لیں گی۔ اسے سمجھا بھی دیں گی کہ اس کنڈیشن میں اس نے اپنا کس طرح خیال رکھنا ہے، لہٰذا کچھ دیر بعد وہ رومیسا اور امی کو لے کر معید کے اپارٹمنٹ پہنچا تو معید نے اسے اطمینان دلایا تھا کہ وہ دونوں بے فکر ہو کر ڈنر پر جائیں۔ عائشہ آنٹی کو وہ خود واپس گھر چھوڑ دے گا۔ لہٰذا وہ دونوں ڈنر کے لیے نکل گئے۔ ڈنر کے بعد واپسی میں وہ باہر پارکنگ میں اپنی گاڑی کے پاس کھڑا ڈوران لاک کر رہا تھا۔ رومیسا اس کے ساتھ کھڑی تھی۔ جب پیچھے سے کسی نے رامش کو پکارا تھا۔

"ہیلو رامش...... یہ تم ہی ہو ناں......؟"

ملک بھر میں جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کے

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت ملنے میں اگر دشواری ہے تو مندرجہ ذیل نمبرز پر ہمارے نمائندوں سے رابطہ کیجیے۔

شہر	نمبر	شہر	نمبر	شہر	نمبر
کراچی	03002680248	گجرات	03016215229	سیالکوٹ	0524568440
لاہور	03004009578	وزیرآباد	03456892591	میرپور AK	03460397119
ملتان	03006301461	لالہ موسیٰ	03216203640	اٹک سٹی	057210003
حیدرآباد	03213060477	خان پور	03337472654	دیپالپور	03004854922
سرگودھا	03447475344	کوہاٹ	03325465062	لیہ	03002373988
پشاور	03005930230	ساہیوال	03446804050	قصبہ ڈنگہ	03083360600
کوئٹہ	03337805247	پاک پتن	03006946782	عارف والا	03008758799
فیصل آباد	03006698022	مظفرآباد	03469616224	لورالائی	03023844266
راولپنڈی	03005583938	بورے والہ	03347193958	کوٹلہ ارب علی خان	03016299433
نواب شاہ	03003223414	وہاڑی	03136844650	جلالپور پیروالا	03338303131
صادق آباد	03007452600	تونسہ شریف	03346712400	ہری پور	03321905703
رحیم یار خان	03055872626	ڈیرہ غازی خان	03336481953	چکوال	03348761952
بہاولپور	0622730455	بہاولنگر	03336320766	وہوا	03346383400
گوجرانوالہ	03316667828	بنوں شہر	03329775400	حافظ آباد	0307-6479946
جہلم	03235777931	رائے ونڈ	03004719056	واہ کینٹ	0301-5497007
سیالکوٹ	03008711949	ہڑپہ	03317400678	ایبٹ آباد	0992335847
جھنگ	0477626420	ڈیرہ اسماعیل خان	03349738040	پتوکی	03454678832
بھکر	03337979701	چشتیاں	03348761952	مانسہرہ	0333-5021421
منڈی بہاؤالدین	0331-7619788	منچن آباد	0301-7681279	کوٹ رادھا کشن	03004992290
ڈسکہ	0300-9463975	سمبڑیال	0333-8604306	قصور	0300-6575020
حجرہ شاہ مقیم	03006969881	ٹوبہ ٹیک سنگھ	0315-6565459		

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی فون: 35895313

E-mail: jdpgroup@hotmail.com

جانے پہچانے لب و لہجے میں پکارنے والی کی آواز نے رامش کو اپنی جگہ پر ساکت کر دیا تھا۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے زمین نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا ہو...... اور وہ خود سوچ رہا تھا کہ اگر وہ پیچھے مڑا تو کہیں اس کے بجائے رومیسا کو پتھر کا نہ بن جانا پڑے۔ وہ لڑکی یونی میں رامش کی کلاس فیلو رہی تھی۔ وہ اس کی آواز اتنی جلدی کیسے بھول سکتا تھا۔ رومیسا کا رخ اس لڑکی کی طرف تھا۔ جس کا نام بختاور شاہ تھا۔ وہ اس لڑکی کو دیکھتے رامش کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ جیسے انتظار میں ہو کہ ابھی وہ پلٹ کر اس لڑکی کا تعارف کرائے گا۔ رومیسا کے سوالیہ چہرے پر نظر پڑتے ہی اسے مڑنا پڑا تھا۔ بختاور شاہ ان کے قریب آ چکی تھی۔ اور رامش نے دل میں سوچا تھا کہ کاش بختاور شاہ اسے کبھی نہ ملی ہوتی یا پھر آج رومیسا کی موجودگی میں اس سے سامنا نہ ہوتا۔ مگر ہونی کو، کوئی نہیں ٹال سکتا۔ اس کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ اور وقتِ مقررہ آن پہنچا تھا۔

رومیسا اب رامش کے بالکل ساتھ ہی کھڑی تھی۔ اور اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں کو اپنے چہرے پر جما محسوس کر رہا تھا۔ جسے دیکھ کر بختاور نے بے ساختہ اشارہ کرتے پوچھا۔

''یہ تمہاری وائف ہے؟'' رومیسا کی ڈریسنگ اور ساتھ کھڑے ہونے کے انداز سے ہی بختاور نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا تھا۔ جواباً رامش نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ وہ فوراً آگے بڑھ کر اس ہاتھ ہلانے لگی۔

''ہیلو مسز رامش...... میں بختاور شاہ ہوں...... رامش کی کلاس فیلو اور رامش کے ساتھ میرا بہت اچھا وقت گزرا ہے۔ یہ بہت براڈ مائنڈڈ لڑکا ہے۔ ٹیپیکل پاکستانی مردوں سے بالکل مختلف ہے۔ میں تو اب اسے اپنا دوست مانتی ہوں...... کیونکہ اچھے دوست ہی ہمیشہ ہمارے ساتھ ہوتے ہیں۔''

اس سے پہلے کہ وہ مزید انکشاف کرتی رامش نے جلدی سے ساتھ کھڑی رومیسا کا تعارف کرایا۔

''یہ رومیسا ہے، میری وائف جس کے بارے میں تمہیں بتایا تھا۔ چند ماہ ہوئے ہیں میری شادی کو...... ایکچوئیلی...... اس وقت ہم کافی لیٹ ہو گئے ہیں، میں تم سے بعد میں بات کروں گا...... اس لیے ابھی ہمیں اجازت دو......'' اس سے پہلے کہ وہ ایکسکیوز کر کے ساتھ وہاں سے فوراً نکلنے کی کرتا...... بختاور کی اگلی بات نے رومیسا کی سماعتوں میں بم بلاسٹ کر دیا تھا۔

''او کے...... آئی انڈر اسٹینڈ...... تم فیملی کے ساتھ ہو...... لیکن ہم شاید دوبارہ نہ مل سکیں...... میں پاکستان واپس جا رہی ہوں...... مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی تھیں لیکن شاید میں نے دیر کر دی ہے، کاش...... میں نے تم سے ڈرائیورس لے کر طلال صالح سے شادی کرنے کی غلطی نہ کی ہوتی تو آج پاکستان جا کر ان ہی خاندانی فرسودہ روایات کی بھینٹ نہ چڑھنا پڑتا ہے۔ جن سے میں ہمیشہ خود کو بچانا چاہتی تھی۔'' رومیسا نے اس کی آخری بات سننے اور اس کی گہرائی میں جانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اس نے بس لفظ طلاق کا سن کر رامش کو ملامتی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھری دھندلانے لگی تھیں۔ رامش کا چہرہ آنکھ کی پتلی سے اوجھل ہوا تھا۔ وہ لمحے کی بھی دیر لگائے بغیر تیزی سے وہاں سے پلٹی تھی۔ رامش اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا رہ گیا۔ بختاور شاہ اور بھی نہ جانے کیا، کیا کہہ رہی تھی۔ مگر رامش کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ سوائے ان غمگین آنکھوں کے جو شاید شکوے اور صدمے کے ساتھ اس پر اٹھ کر اس کے دل کے اندر نشتر بن کر اتر گئی تھیں۔

رومیسا اور رامش کی خوشگوار زندگی میں یہ کیسا موڑ آیا کہ پل بھر میں سب کچھ تہس نہس ہوتا نظر آیا...... مگر بات کی تہ تک پہنچے بغیر رومیسا کیسے بدگمان ہو سکتی ہے...... یہ سب جاننے کے لیے پڑھیے...... اس کہانی کا اگلا پڑاؤ...... ماہ مارچ کے شمارے میں......

نام نہاد محبت کا راگ الاپنے والوں کے لیے چشم کشا تحریر

جگنی اور کاجل

سعدیہ رئیس

شام ڈھل چکی تھی۔ سرمئی شام رفتہ، رفتہ گہری ہوتی جا رہی تھی۔ سورج کی اجارہ داری ختم ہو چکی تھی۔ اب سب طرف بجلی کے بلب اور لائٹس روشن تھیں۔ روشنی کا حقیقی سفر تو کب کا ختم ہو چکا تھا، یہ انسان ہی ہے جو اپنی تاریک راہوں اور اندھیروں کو روشن کرنے کے لیے مختلف حربے اور طریقے آزماتا رہتا ہے۔

کسی کو کامیابی ملتی ہے اور کسی کو ناکامی...... کوئی فلاح کے راستے پر چل پڑتا ہے اور کوئی اندھیرے راستوں میں بھٹکتا رہ جاتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنوعی روشنیاں عارضی ہیں...... دھوکا ہیں...... وقت کا فریب ہیں...... مگر پھر بھی ان کے پیچھے بھاگتا ہے۔ رات کو دن کا سماں پیدا کرنے والی یہ مصنوعی روشنیاں سورج کی تب وتاب کے سامنے ہیچ ہیں۔

وقت کے فریب میں الجھ کر انسان اپنی حقیقت

اور اصلیت کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔ تھکے ہوئے مسافر کی طرح در بدر رُلتا پھرتا ہے اور منزل کو ڈھونڈتا رہ جاتا ہے مگر تب دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

جگنی اردگرد کے نیم اندھیرے سے بے خبر اپنے خیالوں میں گم تھی، ہر احساس سے عاری جیسے کہیں دور سوچوں میں کھو سی گئی ہو۔ اسے اچانک ہی اپنے آس پاس چھائے اندھیرے کا احساس ہوا اور وہ کچھ گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے کھڑکی پر پڑے پردے کی درز سے باہر جھانکا۔

باہر شام کی نوخیز دلہن رنگا رنگ روشنیوں کے جلو میں اٹھلاتی، اتراتی، اپنے جوبن کے جلوے لٹاتی، جگمگاتی، کھلکھلاتی سی، پائل چھنکاتی...... چھن، چھن، چھن، سارے ماحول پر چھاتی ہوئی دلفریب روشنیوں کی کشش میں جیسے دیوانی بنی جھوم رہی تھی۔ وہ دلفریب شام مصنوعی روشنیوں کے سنگ محو رقص تھی۔

اس کے دل میں بھی مشعلیں سی جلنے لگیں، تن من میں لگی آگ بھڑکنے لگی، سب طرف دھواں سا پھیل گیا۔ بجھتی مشعلیں آخری ہچکی لے کر ٹمٹماتی، جلتی، بھڑکتی، لہراتی بالآخر دم توڑ گئیں۔ اس نے گھبرا کر پردہ برابر کر دیا۔ بند کمرے میں گھٹن محسوس ہونے لگی۔

زندگی ایک نیا روپ بدلے اس کے سامنے کھڑی تھی اور وہ ساکت کھڑی گھڑیاں گن رہی تھی۔ ایک، دو، تین...... اب وقت بہت کم رہ گیا تھا بلکہ سب ختم ہی ہو گیا تھا۔ وہ تو بس اپنی لگن میں، خوابوں کی جوت جگائے چلتی ہی جا رہی تھی مگر جب منزل کے قریب پہنچی تو زندگی کسی مکار جادوگرنی کا بہروپ بھرے اسے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔ وہ چہرے پر مکروہ مسکراہٹ سجائے اس کے سامنے آئی تھی۔ اس نے پہلی بار اس کا یہ سفاک روپ دیکھا تھا۔

یکا یک باہر شور و غل سا اٹھا۔ ڈھول کی تیز تھاپ کے ساتھ جھانجھر کی تیز چھنک بھی نمایاں ہو رہی تھی۔

اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ جادوگرنی مکاری سے مسکرانے لگی۔ بڑی آسانی سے وہ اس کے بچھائے جال میں پھنس گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں عیاری تھی جیسے کہہ رہی ہو۔ ”ہونہہ، بڑے بڑوں کا پتا پانی ہوتے دیکھا ہے میں نے، تم کیا چیز ہو؟“

اس کی کیفیت کا حظ اٹھاتے ہوئے اس نے مکروہ سا قہقہہ لگایا۔ ان قہقہوں کی گونج سے اس کا دماغ پھٹنے لگا۔

”نہیں ہنسو...... مت ہنسو...... چپ ہو جاؤ۔“

اس نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر سر نیچے جھکا لیا اور پوری قوت سے چلّائی۔

ڈھول کی تھاپ کے ساتھ گونجتے ہوئے شیطانی قہقہے جھانجھر کی آواز کے ساتھ مل کر اس کے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔ وہ نیم جاں سی وہیں ایک طرف لڑھک سی گئی۔ گول مول سی پڑی گہری سانس بھرنے لگی۔

”بارات آگئی...... بارات آگئی۔“ باہر شور بلند ہوا تو وہ کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھی اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ پھر کچھ خیال آیا تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دیکھنے لگی۔ ان پر رچی سرخ مہندی میں سرخ چھالوں کی سی کیفیت تھی۔

ایک سسکی سی اس کے ہونٹوں سے نکلی اور ستارے ٹوٹ، ٹوٹ کر ان دہکتی ہتھیلیوں کے زخموں کا مرہم بنتے رہے۔

ڈھول کی تیز تھاپ کے ساتھ ہی پٹاخے چھوٹنے شروع ہو گئے۔ اسی وقت بتول کچھ خاص رشتے داروں اور گواہان کے ساتھ اندر داخل ہوئی اور جلدی سے تکیے پر رکھا استری شدہ بھاری کامدار دوپٹا اٹھا کر اس کے سر پر پھیلا کر ڈال دیا کہ گھونگٹ سا نکل آیا۔ اس کا سر زرتار آنچل کے بوجھ سے جھکتا چلا گیا۔

”ہاں جی...تو پھر اجازت ہے...... بسم اللہ کریں؟“ اس کی نند نے اجازت طلب کی۔

”سو بسم اللہ جی۔“ بتول کی رندھی ہوئی آواز آئی تو جگنی کا دل بھی رو پڑا۔ ایجاب و قبول کا دشوار گزار مرحلہ اس نے اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹ کر بمشکل پورا کیا۔ مبارک سلامت کے شور میں اس کی سسکیوں اور ہچکیوں پر کسی نے توجہ نہ دی۔ خواب سب عذاب ہوئے اور وہ جاں بلب سی بیٹھی رہ گئی۔ آنکھوں میں امڈتی سمندر کی

بھری چھالیں نہاں خانوں میں چھپے موتیوں کو سمندر کی تہ سے نکال کر اس کی پلکوں پر پروتی جا رہی تھیں۔

بھلے دن تھے کہ جب دور افق پر نکلا چاند، گگن پر چمکتے ستارے اور ان کی خنک چھاؤں میں ہر سو سکون اور شانتی تھی۔ ابا کی محنت کی قلیل سی کمائی اور اماں کی بے لوث خدمت اور ساتھ سے اس چھوٹے سے گھر میں آسودگی ہی آسودگی تھی۔ اس کے ابا محکمۂ ڈاک میں ایک طویل عرصے سے ڈاکیے کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ تنخواہ اتنی زیادہ نہ تھی، گھر کا خرچا پورا کرنے کے لیے بتول ایک طویل عرصے سے اسکول میں کام کرنے والی بوا بنی ہوئی تھی۔ جگنی اور اس کے بھائی عمران اور کامران اور چھوٹی بہن سوہنی اس چھوٹے سے گھروندے کی رونق تھے۔

اس نے ہمیشہ ہی اماں اور ابا کو اولاد کی راحت اور آرام کے لیے سرگرداں دیکھا مگر حالات وہی محدود سے رہے اس کے باوجود اس چھوٹے سے گھر میں خوشی، محبت، لحاظ اور احساس کمال کا تھا۔

بہار رُت ہو یا خزاں کا موسم وہاں ایک سکون، عزت اور رشتوں کی پاسداری و مروت تھے۔ اس نے ابا کے اس کچے پکے گھر میں گرمیوں کی چھاؤں بھی دیکھی تھی اور سردیوں کی دھوپ بھی تاپی تھی۔

مگر اب کچھ دنوں سے بڑی بے کیفی سی تھی۔ اسے یہ سادگی اور سکون کھٹک رہا تھا۔ ہر سو دھول اڑتی نظر آتی، خزاں کے بکھرے پتے زرد رتوں کی تفسیر بن جاتے تو بہار کے پھول خود پر ہنستے نظر آتے۔

در و دیوار میں سمائی مانوس سی سفید پوشی میں جھلکتی مفلسی، غربت اور کم مائیگی کے طعنے دیتی محسوس ہوتی وقت کی روانی کے ساتھ جہاں اس نے بچپن، لڑکپن طے کیا وہیں عہدِ شباب میں پاؤں دھرتے ہی سب کچھ بدل سا گیا...... خیالات بھی، احساسات اور ترجیحات بھی۔

اس کی نظر میں اماں کے اس تنکا، تنکا کر کے جوڑے ہوئے گھر کی کوئی وقعت نہ رہی۔ اسے اب دھوپ اور چھاؤں کے فاصلوں کو ناپنے میں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ وہ ایک انجان راہ گزر پر جا نکلی تھی جہاں دور، دور تک کہیں سایہ نہ تھا۔

☆☆☆

وہ بال بنا کر کمرے سے باہر آئی تو اماں اپنے روزمرہ کے معمول میں مصروف چولہے پر توا رکھے جلدی، جلدی روٹیاں ڈال رہی تھیں۔ چھوٹا سا سیلن زدہ باورچی خانہ جس کی ٹین کی چھت سے دھوپ کی تپش برستی تھی۔ بے کواڑ، دھوئیں سے اٹی کالی دیواریں اور دیوار گیر مچان پر سلیقے سے جمے برتن رکھے تھے۔ اماں کی قمیص پشت پر سے پسینے سے تر تھی۔ بھورے، کالے بے ترتیب بال ماتھے اور کنپٹیوں پر پسینے سے چپک رہے تھے اور وہ اپنی حالت سے بے نیاز روٹیاں ڈالنے میں مگن تھیں۔

''اماں ہٹو، میں روٹی ڈال دیتی ہوں۔'' اس نے پاس جا کر کہا۔

''بس رہنے دو، تمہاری سستی ہی ختم نہیں ہوتی۔ تمہارے ابا کب کے آئے بیٹھے ہیں۔ روز اسکول سے آؤ تو چولہا ٹھنڈا ملتا ہے مجھے، پتا نہیں کیا ہو گیا ہے تمہیں۔'' بتول جو پہلے ہی جل کڑھ کر تھکن سے چور روٹی پکا رہی تھی، اس پر برس ہی پڑی۔

''آ تو رہی تھی اماں، تم کو پتا نہیں کیا جلدی پڑی رہتی ہے۔'' اس نے ڈانٹ کا کچھ خاص اثر نہ لیا۔

''بس رہنے دو اپنے حیلے بہانے، ابھی عمران اور کامران اسکول سے آ جائیں گے، آتے ہی بھوک، بھوک کا شور مچانے لگتے ہیں اور یہ سوہنی کہاں ہے؟ وہ بھی میلے کپڑے پہنے گندی سندی پھر رہی تھی، میں نے آ کر اسے منہ دھو کر کپڑے بدلنے کو کہا ہے۔ تم جس روز گھر پر ہوتی ہو تو اسی کو دیکھ لیا کرو۔'' اماں کا غصہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

''چپ کر جاؤ بھلی مانس، نہ کرو غصہ میری شہزادی پر۔'' اقبال نے برآمدے سے آواز لگا کر منع کیا۔

اسے ایک گونہ ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ ابا۔ اکثر ہی اس کی طرف داری کرتے تھے۔

''ہاں، تم نے ہی سر چڑھا کر اس کا دماغ خراب کر رکھا ہے ورنہ اچھی بھلی میرے ساتھ کاموں میں لگی

رہتی تھی۔ اب شہزادی صاحبہ آدھا کام کرتی ہیں اور آدھا نہیں۔ اسکول سے آؤ تو گھر اوندھا پڑا ملتا ہے۔ میرے پیچھے یہ کرتی کیا رہتی ہے؟" وہ شوہر پر بگڑنے لگیں۔

جگنی بدمزہ سی ہو کر وہاں سے ہٹ گئی۔ اسے اماں روز بروز چڑچڑی اور بدمزاج سی ہوتی دکھائی دے رہی تھیں۔ دوسرے کمرے میں سوہنی نظر آئی جو کپڑے بدلنے کے بعد اب خود ہی اپنے الجھے بالوں میں گھسیٹ، گھسیٹ کر کنگھا کر رہی تھی۔ اسے اپنے بال سلجھانے نہیں آ رہے تھے۔ اس نے اس کے ہاتھ سے کنگھا لیا اور اس کے بال سلجھانے لگی۔

اس کی خشک لٹوں میں گرہیں سی بن گئی تھیں۔ اسے حیرت ہوئی نہ جانے کب سے اس نے بال نہیں سلجھائے تھے۔ اسے تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ وہ کتنے دن بعد اس کے بال بنا رہی تھی۔ ہاں، اس کی الجھی لٹیں سلجھاتے ہوئے اسے یہ خیال ضرور آیا کہ زندگی کی الجھنوں کو بھی اگر نہ سلجھایا جائے تو وہ بھی خشک اور اکڑی ہوئی لٹوں کی طرح ہو جاتی ہے، گرہیں پڑ جاتی ہیں۔ پھر ان الجھنوں کو سلجھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔

برآمدے میں اسے ابا بیٹھے دکھائی دیے۔ گرمی کی وجہ سے انہوں نے قمیص اتار کر کیل پر ٹانگ دی تھی اور خود بنیان پہنے چوکڑی مارے بدرنگ سی دری پر بیٹھے کھانے کا انتظار کر رہے تھے۔

"ارے پرائے گھر چلی جائے گی وہ ایک دن...... نہ کہا کر اسے کچھ۔" ابا اسی کی حمایت کر رہے تھے۔

"اسی لیے کہتی ہوں کہ سیکھ لے کچھ۔ اسے احساس ہی نہیں کہ میں وہاں سارا وقت ایک ٹانگ سے کھڑی رہتی ہوں۔ جھاڑو پوچا الگ اور چائے پانی کرنے کے ساتھ، ساتھ چھوٹے بچوں کے پیمپر لگانے، ہٹانے میں تھک کر چور ہو جاتی ہوں۔ کوئی الٹی کر دے تو وہ میں ہی صاف کروں، چھوٹے بچوں کو نہ اپنے جوتوں کے تسمے باندھنے آتے ہیں نہ پینٹ کا بٹن کھولنا آتا ہے، وہ سب میں ہی کرتی ہوں۔" اس نے شکوہ کرتے ہوئے ایک بدرنگ سا کپڑے کا دستر خوان اقبال کے سامنے بچھا دیا۔

اس کے تھکن زدہ چہرے پر برسوں کی ریاضت اور محنت جھلک رہی تھی۔ پژمردہ چہرے پر کوئی شادابی نہ تھی، آنکھوں میں حلقے اور سنولائی ہوئی گہری رنگت اس کی زندگی بھر کی داستان صاف سنا رہے تھے۔

"اُف!" جگنی نے دکھ سے آنکھیں میچ لیں۔ یہ بوسیدہ منظر اور تھکن زدہ چہرہ اب اسے بہت تکلیف دیتا تھا۔

"یہ بھی کوئی زندگی ہے۔" وہ زیرلب بڑبڑائی۔

"اماں کی ساری عمر اسی خواری میں گزر گئی، دوسروں کی غلامی اور نوکری کر کے اماں کی جان آدھی رہ گئی۔" اس نے کام کرتی ماں کو دیکھتے ہوئے ہمدردی سے سوچا۔ ان کے پاس بیٹھے ابا بھی وقت سے پہلے بوڑھے ہو گئے تھے۔ حالانکہ پچپن سال کی عمر میں انسان اتنا عمر رسیدہ نہیں لگتا مگر ابا کے گھنے بال کھچڑی سے ہو گئے تھے۔ بالوں کی کالی رنگت سرمئی و سفید ہو چکی تھی۔ ان کے بالوں اور چہرے کا میلا لا سا رنگ ان کو کچھ اور بھی بے روپ اور بے کشش بنا رہا تھا۔ جگنی نے ٹھنڈی سانس بھر کر سوہنی کی چوٹی میں بل دے کر ربر بینڈ لگا دیا۔ وہ ان حالات سے بہت نالاں تھی مگر کسی بھی طرح ان کو بدل نہیں سکتی تھی۔

"منع کیا تھا کالج میں نہ ڈالو...... پڑھ لیا اس نے بہت۔" بتول بلند آواز میں بڑبڑائی۔ وہ ماں کے سخت اور بیزار لہجے پر مزید اداس ہو گئی۔

اسے معلوم تھا کہ اماں اس سے بہت پیار کرتی ہیں، بس وقتی غصہ ہوتا ہے ان کا لیکن پھر بھی ان کی باتوں پر دکھی ہو گئی۔ وہ ماں کی دن رات کی محنت سے بخوبی واقف تھی۔ انہوں نے گھر اور بچوں کے لیے اپنی جوانی خاک کر دی تھی اس لیے ان کے غصے پر اس کے دل میں ملال آ جاتا اور سیاہ آنکھوں میں ستارے سے چمکنے لگتے۔

وہ آہستہ روی سے کچن میں آ گئی اور کھانے کی پلیٹیں لا کر دستر خوان پر رکھ دیں۔ اسی اثنا میں دروازے پر دستک ہوئی۔

"عمران اور کامران آ گئے۔ جا بیٹی، دروازہ کھول دے۔" اقبال نے نرمی سے کہا۔ وہ بے پروائی سے دوپٹے کو کاندھے پر لٹکائے دروازے تک گئی اور

بے دھڑک چوپٹ دروازہ کھول دیا۔

سامنے چاچا رفیق کھڑے تھے، سفید قلموں اور سفید بڑھی ہوئی شیو میں تنومند اور اکھڑ سے چاچا رفیق کو دیکھ کر وہ جلدی سے دروازے کی اوٹ میں ہوگئی۔

''اقبال کو بھیجو باہر۔'' چاچا رفیق نے حکمیہ انداز میں کہا۔ ان کی کراری، کڑکتی ہوئی آواز اقبال تک... بہ آسانی پہنچ گئی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، برآمدے میں بیٹھے ابا ہاتھ میں لقمہ پکڑے بیٹھے رہ گئے تھے۔ چاچا رفیق کی آواز سن کر ان کا منہ اتر گیا اور اماں کے چہرے پر بھی پریشانی آگئی۔

''آیا...... آیا بھائی، آیا۔'' اقبال نے وہیں سے اونچی آواز میں جواب دیا، ہاتھ کا لقمہ پلیٹ میں رکھا اور کیل پر لٹکی قمیص اتار کر پہن لی، ایک بازو آستین میں ڈال کر دوسرا بازو ڈالتے، ڈالتے وہ دروازے تک پہنچ گئے۔ اسے معلوم تھا یہ لمبی ملاقات تین چار کپ چائے پی کر ہی ختم ہوگی۔ اسے افسوس ہوا، ابا نے پیٹ بھر کر کھانا تو دور، پہلا لقمہ بھی نہ لیا اور یونہی خالی پیٹ اٹھ کر چلے گئے۔

انسان چاہے خالی پیٹ ہو یا خالی جیب، وہ دوسروں کے سامنے ہمیشہ مجبور رہتا ہے اور ابا بھی مجبور تھے۔ دو برس پہلے ایک ناگہانی حادثے میں جب ابا کی ٹانگ فریکچر ہوئی تو چاچا رفیق بہت کام آئے اور پچاس ہزار کا بل ادا کیا تھا جسے اقبال آہستہ، آہستہ کر کے اتار رہا تھا مگر ابھی صرف پندرہ ہزار ہی اتر پائے تھے۔ گھر کا خرچا بھی کھینچ تان کر ہو رہا تھا۔

اقبال اب چاچا رفیق کے ساتھ چبوترے پر بیٹھ گیا تھا۔ عمران اور کامران اسی وقت اسکول سے آئے تھے۔ اس نے ان دونوں کو اور سونی کو کھانا کھلا دیا، خود بھی تھوڑا بہت زہر مار کر لیا کیونکہ اس کا بھی کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

بتول سر پر دوپٹا لپیٹ کر پلنگ پر ڈھیر ہوگئی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اب اماں کے سر میں درد شروع ہوگیا کیونکہ چاچا رفیق ان کا سب سے بڑا دردِ سر ہوگئے تھے۔

سلور کے گڑھوں والے بدشکل چائے کے برتن میں اس نے اماں کے بنا کہے ہی چائے کا پانی چڑھا دیا۔ اسے معلوم تھا کہ اب اسے دوپہر سے سہ پہر تک تین بار چائے بنانی پڑے گی۔ چاچا رفیق کو مطمئن کرنا اتنا آسان نہ تھا۔ ہر بار ابا اسی طرح منت خوشامد کر کے ان کو جلد قرضہ اتارنے کی یقین دہانی کرا کر ٹالتے تھے۔

شام تک ابا تھکے ہارے گھر میں داخل ہوئے تو ان کے جھکے کندھے دیکھ کر جگنی کا دل بوجھل ہوگیا۔ جب بھی اس کے جوان دل میں مچلتے جذبات شور مچاتے اور بہت سی تشنہ آرزوئیں اس کے من میں.... بے چینی سے کروٹیں بدلتیں تب وہ بڑی بے رحمی سے ان جذبوں اور آرزوؤں کو تھپک کر وہیں گاڑ دیتی لیکن خواہشات کو مارتے، مارتے اب اس کا صبر ختم ہوتا جا رہا تھا اور دعا پر سے بھی اعتماد اٹھتا جا رہا تھا۔

وہ اپنے بچپن سے ہی اماں کو بھیگی آنکھوں سے مصلے پر سربسجود رب سے سرگوشیاں کرتے دیکھتی آرہی تھی مگر حالات جوں کے توں ہی رہے۔

اب اس سے ضبط کرنا مشکل ہوتا جا رہا تھا یا پھر جذبوں کا زور بڑھ گیا تھا کہ وہ ان پر بند نہیں باندھ پا رہی تھی۔ وہ اپنے باغی خیالات کی یلغار سے گھبرا کر چھت پر چلی آئی جہاں اس گھر کی زبوں حالی اور مفلسی کچھ اور بھی برس رہی تھی۔ ٹوٹی دیواریں، اُدھڑا فرش اور ایک طرف پڑا کاٹھ کباڑ خود اپنے منہ سے بول رہا تھا۔

وہ ٹوٹے ہوئے پلنگ کی پٹی پر ٹک گئی۔ اس نے اپنی زندگی میں آج تک کبھی گھر میں مرمت ہوتے نہ دیکھی تھی، جو ٹوٹ رہا ہے سو ٹوٹا ہی رہا، جہاں سے پلستر اکھڑا ہے وہ بھی ویسا ہی پڑا ہے بلکہ کچھ اور بڑھ ہی گیا۔ نیچے ابا چاچا رفیق سے سر پھوڑ کر اب تھکے ہارے سے سر جھکائے بیٹھے تھے اور اماں اپنی محنت سے لگائے پودوں کو پانی دے رہی تھیں۔ ان پودوں اور پھولوں کی خوب صورتی بھی گھر کی بدنمائی کو چھپا نہیں پا رہی تھی۔

سرمئی شام دھیرے، دھیرے پھیلتی جا رہی تھی۔ منڈیر پر ایک چھوٹی سی چڑیا چونچ کھولے شاید پانی کی تلاش میں بیٹھی تھی۔ ایک دم وہ پھر سے اڑ گئی۔ یقیناً وہ پیاسی تھی اور پانی سے سیراب ہونا چاہتی تھی اور اب پانی کی تلاش میں اڑتی پھر رہی تھی۔ اسے بھی سیراب

ہونا تھا..... اسے بھی اڑان بھرنی تھی۔
سوچ کی پرواز اسے اونچے آسمان کی طرف لے جارہی تھی اور وہ اڑتی جارہی تھی یہ سوچے بغیر کہ اس کے پروں میں اتنی طاقت ہے بھی یا نہیں۔

☆☆☆

اس کے لیے وہ ایک نئی دنیا تھی جب اس کا کالج میں آنے کا خواب پورا ہوا۔ جیسے اجلا آسمان، کھلی فضا اور تیز چمکتی روشنی، خود میں سمو لینے والا صاف ستھرا اور پُرکشش ماحول جس میں تقدس بھی تھا اور وسعت بھی۔
اجلے سفید یونیفارمز میں ملبوس آپس میں ہنستی، بولتی، چہکتی اور کھلکھلاتی ہوئی لڑکیاں جیسے ہر فکر، پریشانی سے بے نیاز تھیں۔ اپنے افلاس زدہ گھر سے نکلنے کے بعد اسے یہ بالکل نئی اور انوکھی سی دنیا لگی۔ یہاں وہ کھل کر سانس لے سکتی تھی، یہاں آتے ہی تمام تر یاسیت اور پژمردگی ختم ہو جاتی تھی۔ کمتری اور کم مائیگی کا احساس اسے ان لڑکیوں سے گھلنے ملنے میں مانع آجاتا۔ ابھی تک صرف ایک ہی دوست بنی تھی اس کی اور اس دوستی میں بھی اس کا کمال تھا کہ وہ بولتی بہت تھی۔
پیپل کے درخت تلے اسے کاجل کھڑی نظر آگئی۔ وہ سیدھی اس کے پاس چلی آئی۔
''کہاں غائب تھیں محترمہ دو دن سے؟'' اسے دیکھتے ہی کاجل اس پر چڑھ دوڑی۔
وہ جس قدر پُرجوش اور خوش نظر آرہی تھی جگنی اتنی ہی خاموش اور الجھی ہوئی تھی۔
''کچھ نہیں..... کہیں نہیں..... میں کہاں جاؤں گی بھلا؟'' اس نے پھیکے لہجے میں ادھورا سا جواب دیا۔ اب وہ اسے اپنی محرومیوں کی داستان کیا سناتی۔
دو تین ماہ کی دوستی میں ان دونوں کے درمیان کبھی ذاتی زندگی پر بات نہیں ہوئی تھی، سوائے گھر والوں کی تعداد اور تعارف کے۔
''بس کچھ نہیں..... کہیں نہیں..... یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ اچھا سموسہ کھاؤ گی؟'' جگنی کے جواب کا خاص نوٹس نہ لیتے ہوئے کاجل نے حسبِ عادت کینٹین کے لیے اپنی خدمات پیش کردیں۔ وہ جتنا بولتی تھی، اسی قدر کھاتی بھی تھی اور ساتھ، ساتھ زبردستی جگنی کو بھی کھلاتی تھی۔ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر کاجل اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لے چلی گئی۔
''آج بھی دو پیریڈ گزار کر آئی ہو، میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم نے آج بھی ٹلا مار لیا۔'' کاجل اپنی دُھن میں بولتی بھی جارہی تھی اور جگنی اس کے ساتھ کھنچی چلی جارہی تھی۔
''اُف، ہاتھ تو چھوڑو میرا۔'' جگنی نے جھنجلا کر ہاتھ چھڑایا۔
''ارے واہ، چھوڑنے کے لیے تھوڑی پکڑا ہے ہاتھ۔ ساتھ جئیں گے اور ساتھ ہی مریں گے۔'' کاجل ہنستے ہوئے بولی۔
اور کبھی ہنستے ہوئے کچھ لمحے امر ہو جاتے ہیں اسی طرح زبان سے نکلے کچھ الفاظ بھی ہمیشہ کے لیے لکھ لیے جاتے ہیں۔
''ارے واہ، یہ تو فلمی ڈائیلاگ ہو گیا جو ہیرو، ہیروئن سے بولتا ہے۔'' کاجل خود ہی اپنی بات سے حظ اٹھاتے ہوئے ہنس کر بولی۔
''کتنا بولتی ہو تم۔'' جگنی چڑ کر بولی۔
''کتنا سنتی ہو تم۔'' اس نے اسی کے انداز میں ترنت کہا اور ہنس پڑی۔
کاجل بہت خوش لگ رہی تھی۔ بات، بات پر اس کی ہنسی چھوٹ رہی تھی۔ جگنی کو اس پر رشک آیا۔
''ارے جب بولو گی نہیں تو سننا ہی پڑے گا ناں۔'' کاجل نے لطیف سا طنز بھی کر دیا۔
کاجل کی کسی بات کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا یا پھر وہ جواب دینا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اس نے غور سے کاجل کو دیکھا۔ وہ پہلے سے زیادہ خوش لباس اور خود اعتماد لگ رہی تھی۔ اس نے بالوں کی ہیئر کٹنگ کرائی تھی اور چہرہ تازہ ترین بیوٹی ٹریٹمنٹ سے نکھر رہا تھا۔ جگنی کی دو چھٹیوں پر وہ اتنا کچھ اسے سنا گئی جبکہ اس سے پہلے وہ خود تین دن سے غیر حاضر تھی یعنی پورے پانچ دن بعد وہ لوگ ملی تھیں۔ کاجل نے اس سے تو تابڑ توڑ سوالات کر کے غیر حاضری کی وجہ پوچھ لی مگر وہ

اتنا بولتی تھی کہ جگنی اس سے کچھ پوچھ ہی نہ سکی۔ اصل بات تو یہ تھی کہ وہ پوچھنے کے لیے کچھ چھوڑتی ہی نہ تھی، سب کچھ از خود بتا دیتی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ کچھ نیا لگ رہا ہے ناں میرے اندر؟ ایک چینج نظر آرہا ہے ناں مجھ میں؟ دیکھو، میرا فیگر کتنا زبردست لگ رہا ہے فٹنگ کی شرٹ میں۔'' وہ کسی مغرور مورنی کی طرح ناچ، ناچ کر گول چکر گھوم کر بڑے انداز سے اسے اپنا آپ دکھانے لگی۔

بلاشبہ وہ پہلے سے کہیں زیادہ خوب صورت اور کچھ بڑی لگ رہی تھی، اس کے چہرے پر نئی دنیاؤں کو دریافت کرنے کی انوکھی سی چمک تھی، انداز میں عجب غرور اور ناز سا تھا جیسے اس نے خود کو پالیا ہو۔ اس کی شوخی میں معصومیت نہیں رہی تھی مگر جگنی کھوج نہ پائی کچھ بھی، بس کچھ بدلی، بدلی سی لگی وہ اسے۔ چمکتے چہرے پر خوشی کے بکھرے رنگوں نے اس کے چہرے کی تابانی بڑھادی تھی۔

''میں گڈ لکنگ (good looking) بیوٹی فل ہوں ناں...... ہے ناں جگنی؟'' اس نے ناز بھرے انداز میں پوچھا۔

''کہیں منگنی ونگنی تو نہیں ہوگئی تمہاری؟'' جگنی نے اندازہ لگاتے ہوئے پوچھا۔ اس کی بات پر کاجل کھلکھلا پڑی اور مذاق اڑانے والے انداز میں اسے دیکھا۔

''تم بس یہی سوچ سکتی ہو کیونکہ تم چار دیواری میں قید بند دروازوں میں رہنے والی ایک عام سی لڑکی ہو۔ اپنی محدود سی دنیا میں رہ کر تمہاری سوچ بھی محدود ہوگئی ہے۔'' ایسا کہتے ہوئے اس کے چہرے پر زمانے بھر کی پختگی اور چالاکی سی اُمڈ آئی۔

''کیا مطلب؟'' جگنی نے ناسمجھی سے پوچھا۔ سچ تو یہ تھا کہ کاجل کی باتیں اس کے سر سے گزر گئی تھیں۔

''اِدھر آؤ، میں تمہیں مطلب سمجھاتی ہوں۔'' کاجل اس کا ہاتھ پکڑ کر قدرے سنسان اور خالی گوشے میں چلی آئی۔ وہ خود بھی اپنا راز اسے بتانے کے لیے بے چین ہورہی تھی۔

''پتا ہے مجھے ماڈلنگ کی آفر آئی ہے۔ یہ ساری گرومنگ اسی وجہ سے کرائی ہے میں نے۔ تین دن تک اسی لیے کالج نہیں آئی میں۔'' کاجل نے انتہائی جوش کے ساتھ انکشاف کیا۔

''ہائے، ماڈلنگ...... تم کروگی ماڈلنگ؟'' حیرت کے مارے جگنی کی آنکھیں پھیل گئیں اور منہ کھلا رہ گیا۔

''اوہو، ایسی کیا عجیب بات کردی میں نے؟ یہ ماڈلنگ کرنے والے کسی دوسرے سیارے کی مخلوق نہیں ہوتے، ہم ہی جیسے عام انسان ہوتے ہیں۔'' کاجل نے ناک چڑھا کر نخوت سے کہا۔

''مگر کاجل، تمہارے گھر والے...... مطلب، کیا انہوں نے اجازت دے دی تمہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''گھر والوں کو ابھی کچھ نہیں معلوم، میں تو تین دن سے کالج کے بجائے پہلے آڈیشن اور پھر شوٹ کے لیے جارہی ہوں۔ ابا لوگ کو پتا لگا ناں تو بہت جوتے پڑیں گے مجھے...... مگر ان کو بتائے گا کون۔'' وہ... بے خوفی سے چسکالے کر بولی۔

''ہائے کاجل، اگر انہیں معلوم ہوگیا تو؟'' جگنی اس سے زیادہ فکرمند ہوئی۔

''جب کی جب دیکھی جائے گی، ارے اپنے آج کو تو اپنی مرضی سے جی لینے دو۔ سچ میں گھٹ، گھٹ کر سانس لیتے ہوئے اب میں تھک گئی ہوں، بیزار ہوگئی ہوں پابندیوں سے۔ بھئی ہماری زندگی ہے، ہمارا بھی حق ہے کہ لائف کو انجوائے کریں، اپنی خواہشات کو پورا کریں، اپنے خوابوں کو حقیقت بنائیں۔ بہت پیسہ ہے اس کام میں۔'' کاجل تیزی سے بولتی چلی گئی۔

اس کے چہرے پر جو نئی اور عجیب سی چمک دکھائی دے رہی تھی وہ پیسے کی کھنک سے آرہی تھی۔ جگنی کو کاجل پر رشک آنے لگا۔ اس کی بہادری اور آزادروی سے متاثر ہوگئی تھی وہ۔ اتنی بے خوف اور نڈر تھی وہ کہ اسے کسی کا ڈر نہ رہا تھا، بدنامی کا کوئی خوف بھی نہ تھا اسے۔

کم از کم جگنی خود اتنی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ وہ کاجل سے متاثر ضرور تھی مگر اس کی طرح آگے بڑھنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔ وہ جس ماحول میں رہتی تھی وہاں پر چھوٹی، چھوٹی خواہشات تو دور، ضرورتوں کے لیے بھی

سوچ سمجھ کر رقم خرچ کی جاتی تھی۔ سیر و تفریح، آؤٹنگ اور شاپنگ کا تو تصور ہی نہ تھا اور اگر کبھی ضروری شاپنگ کرلی جاتی تو اسے بھی عیاشی قرار دیا جاتا۔ سادگی اور میانہ روی پر اماں کے طویل لیکچر سننے پڑتے اور اس کے علاوہ خود اپنی ماں اور اپنی نانی اور دادی کی بے مثال قربانیوں کی عظیم داستان بھی سننے کو ملتی تھی جس کا لبِ لباب یہ ہوتا تھا کہ اپنے خوابوں اور خواہشوں کو روند کر بالآخر عورت ہی کو قربانی دینی پڑتی ہے۔

وہ گھر لوٹی تو دل بوجھل سا تھا۔ کاجل کی باتوں نے اسے بے سکون سا کر دیا تھا۔ چھوٹے سے برآمدے نما صحن میں دھوپ بھری ہوئی تھی وہیں ترپال تلے بتول اسکول سے آنے کے بعد پیٹ پوجا کرنے کے بعد اب چارپائی پر ڈھیر ہوئی پڑی تھی۔ گھر کے دروازے پر پڑا میلا سوراخ دار پردہ ٹوٹے دروازے کی جھریوں سے جھانکتی آنکھوں سے ان کی غربت چھپانے میں ناکام ہو رہا تھا۔ دروازے کے بائیں جانب دیوار کے ساتھ بندھی رسی پر بتول کی بدرنگ دھلی ہوئی چادر اور اقبال کا سالوں پرانا بوسیدہ سا دھلا ہوا جوڑا پڑا ہوا تھا۔ اسے وحشت ہونے لگی، جی چاہا کہ ان سب کپڑوں میں آگ لگا دے یا پھر اس بوسیدہ گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے، سب کچھ تباہ کر دے اور اس کی جگہ ایک عالیشان گھر بن جائے جہاں زندگی کی ہر سہولت اور عیش و عشرت موجود ہو۔

وہ اٹھارہ کے سن کو پار کر چکی تھی مگر اسے لگتا تھا کہ اس افلاس زدہ ماحول میں صدیاں گزر گئیں۔ کاجل ہفتے میں ایک یا دو دن ہی کالج آ رہی تھی اور جب بھی آتی اسے خوب عیش کراتی۔ اسے سموسے، برگر اور چاٹ زبردستی اپنے ساتھ کھلاتی۔ اس کے ٹھاٹ باٹ دیکھ کر وہ مزید احساسِ کمتری کا شکار ہو رہی تھی۔ کاجل پر آج کل بہت نکھار آ رہا تھا حالانکہ وہ بہت خوب صورت نہیں تھی مگر من مانی زندگی نے اسے اور تر و تازہ کر دیا تھا۔ اس میں زیادہ کمال اس کی بیوٹی ٹریٹمنٹ کا بھی تھا کہ شادابی اور تازگی سے جلد بہت چمکنے لگی تھی۔ اس کے سامنے جگنی کی سادگی اور قدرتی خوب صورتی بھی ماند پڑ گئی تھی جبکہ وہ قدرت کی فیاضی سے کاجل سے زیادہ خوب صورت تھی۔ سیاہ چمکتی آنکھوں کی وجہ سے ہی اسے ابا نے بے اختیار میری جگنی کہہ کر بانہوں میں لیا تھا۔ تراشیدہ لب، اٹھی ہوئی ناک اور کمان دار ابرو، سب کچھ ہی تھا اس کے پاس لیکن حالات کی چکی میں پس کر اس کا رنگ روپ کمہلا گیا تھا، آنکھوں کی جوت بجھ سی گئی تھی۔

کاجل سے ملنے کے بعد وہ گھر لوٹتی تو سارے گھر پر افلاس کی سیاہی پھری نظر آتی، وہ کچھ اور بھی بیزار ہو جاتی۔

کئی روز سے کاجل اسے کالج سے باہر آؤٹنگ پر چلنے کے لیے راضی کر رہی تھی مگر جگنی منع کر رہی تھی۔ وہ کاجل جیسا جگرا نہیں رکھتی تھی۔

''سوری کاجل...... تم میری مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کرو۔'' اسے خفا دیکھ کر وہ اسے منانے کے جتن کرنے لگی۔

''ہاں، ہاں سب جانتی ہوں میں ان مجبوریوں کو، میں بھی ایسے ہی مجبور ماحول میں رہتی تھی مگر یوں ڈر کر بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ میں کون سا تم کو ماڈلنگ کا کہہ رہی ہوں، صرف دوستوں کے ساتھ انجوائے منٹ کے لیے کہہ رہی ہوں۔ تم پر کوئی زبردستی نہیں لیکن تم میری اچھی دوست ہو، میں چاہتی ہوں تم بھی میری طرح وہ سب کچھ حاصل کرو اور تم کر سکتی ہو میری جان، بس تھوڑی ہمت پکڑو، اس ڈر کو اپنے اندر سے نکال پھینکو۔'' اس کی ترغیب میں بغاوت اور سرکشی کے ساتھ کشش بھی تھی۔ جگنی کا چھوٹا سا دل بے تاب ہو کر پھڑکا۔ وہ بھی جانے کب سے اس بند اور محبوس ماحول سے اکتائی ہوئی تھی۔

اس نے لاکھ منع کیا مگر پھر کاجل کے اصرار اور اس کے دکھائے سنہری سپنوں کے سامنے ہار گئی۔

''ہاں، ایک بار جانے میں کچھ نہیں ہوتا۔ اماں کو معلوم بھی نہیں ہوگا۔'' بالآخر اس نے فیصلہ کر لیا۔

''کبھی کبھی دل کی بھی سننی چاہیے۔ بند ماحول سے نکل کر تازہ ہوا میں سانس لینی چاہیے۔'' کاجل

کے الفاظ اس کے اندر توانائی بھر رہے تھے۔
پہلی بار وہ اماں کے اعتبار کو دھوکا دے کر کاجل کے ساتھ کالج ٹائم میں باہر آئی۔ اس کی آئی بروز کاجل نے کالج میں ہی بہت منع کرنے پر بھی بنادی تھی۔ کپڑے وہ بیگ میں رکھ کر لے آئی تھی جو اس نے کالج میں ہی بدل لیے تھے۔ کالج کے چور راستے کو پھلانگتے ہوئے اس کا دل بری طرح دھڑکا۔
نیٹ آن کر کے کاجل نے کیب بلالی اور اس میں بیٹھ کر جگنی کا ہلکا سا میک اپ بھی کر دیا۔ اس کے اردگرد لپٹی چادر بھی ہٹا کر گولا بنا کر اس کے بیگ میں ٹھونس دی۔
''میرے سب دوست ہوں گے وہاں اور تم یوں جاؤ گی تو بونگی لگو گی سب کو۔'' اس کے منع کرنے پر کاجل نے اسے ڈپٹ دیا۔
''ایک تو مزے کراؤ اور اوپر سے لاٹ صاحب کے نخرے بھی اٹھاؤ۔'' جگنی کو چپ دیکھ کر کاجل نے مذاق کرنا شروع کر دیا۔ اس کی رونی صورت اور اترا ہوا منہ دیکھ کر کاجل ہنسنے لگی۔
''ایسا لگ رہا ہے تم میرے ساتھ نہیں، پہلی بار اپنے کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ ڈیٹ پر جارہی ہو۔'' کاجل اسے چھیڑنے لگی یہاں تک کہ اس کا موڈ بالکل ٹھیک ہو گیا۔
جب وہ دونوں اپنے مطلوبہ کیفے پہنچیں تو ایک لمحے کو جگنی کے قدم رک سے گئے۔ وہ وہاں آ تو گئی تھی مگر اپنے اس اقدام کو ٹھیک بھی نہیں سمجھ رہی تھی۔
''بیوقوف لڑکی، تم چودھویں صدی کی نہیں ہو، آج ٹیکنالوجی کے دور میں سانس لے رہی ہو۔'' اس کی ہچکچاہٹ دیکھ کر کاجل نے اسے ٹوکا۔
''ایسا کچھ بھی نہیں ہے، آ تو گئی تمہارے ساتھ۔'' اس کے طعنے پر جگنی نے فوراً جواب دیا۔ شاید ایسا کہہ کر اس نے خود کو بھی ڈھارس دی تھی۔
وہ کاجل کے ساتھ اس کی دوستوں کی طرف پُراعتماد انداز میں چلنے لگی مگر جب ٹیبل تک پہنچی تو ایک بار پھر ہچکچاہٹ کا شکار ہو گئی۔ اس کے دوستوں میں دو

اگرچہ دسمبر تو گزر گیا مگر ثمینہ کوکب، جہلم کی پسندیدہ نظم (شاعر: امجد اسلام امجد) آپ سب کے لیے حاضر ہے۔

آخری چند دن دسمبر کے
ہر برس ہی گراں گزرتے ہیں
خواہشوں کے نگار خانے میں
کیسے، کیسے گماں گزرتے ہیں
رفتگاں کے بکھرتے سالوں کی
ایک محفل سی دل میں سجتی ہے
فون کی ڈائری کے صفحوں سے
کتنے نمبر پکارتے ہیں مجھے
جن سے مربوط بے نوا گھنٹی
اب فقط پیارے، پیارے ناموں پر
رینگتی بدنما لکیریں ہیں
میری آنکھوں میں پھیل جاتی ہیں
دوریاں دائرے بناتی ہیں
دھیان کی سیڑھیوں سے کیا کیا عکس
مشعلیں درد کی جلاتے ہیں
ایسے کاغذ پہ پھیل جاتے ہیں
حادثے کے مقام پر جیسے
خون کے سوکھے نشانوں پر
چاک کی لائنیں لگاتے ہیں
ہر دسمبر کے آخری دن میں
ہر برس کی طرح اب بھی
ڈائری ایک سوال کرتی ہے
کیا خبر اس برس کے آخر تک
میرے ان بے چراغ صفحوں سے
کتنے ہی نام کٹ گئے ہوں گے
کتنے نمبر بکھر کے رستوں میں
گرد ماضی سے اٹ گئے ہوں گے
خاک کی ڈھیریوں کے دامن میں
کتنے طوفاں سمٹ گئے ہوں گے
ہر دسمبر میں سوچتا ہوں میں
ایک دن اس طرح بھی ہونا ہے
رنگ کی روشنی میں کھونا ہے
اپنے، اپنے گھروں میں رکھی ہوئی
ڈائری دوست دیکھتے ہوں گے
ان کی آنکھوں کے خاکدانوں سے
ایک صحرا سا پھیلتا ہوگا
اور کچھ بے نشاں صفحوں سے
نام میرا بھی کٹ گیا ہوگا

لڑکے بھی تھے، اسد پاشا اور سہیل اور ان کے ساتھ بڑی عمر کی ایک خاتون تھیں۔

''یہ مہوش آپا ہیں، پاشا کی بڑی بہن اور ہم سب کی آپا ہیں۔ یہ پاشا ہے...... اور یہ سہیل ہے، میرا ایڈ پارٹنر اور یہ میری پیاری سی دوست جگنی ہے۔'' اس نے سب کا ایک دوسرے سے تعارف کروایا۔

''ماشاء اللہ، جگنی تو اپنے نام کی طرح چمک رہی ہیں۔'' پاشا نے بے اختیار تعریف کردی۔

اس کی بات پر سب مسکرانے لگے اور مہوش آپا بھی تائید کرنے لگیں۔ وہ تو پہلے ہی بوائے فرینڈز کو دیکھ کر پریشان ہوگئی تھی اب اس تعریف پر گھبرا بھی گئی۔ کاجل نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کے دوست لڑکے ہیں۔

''بہت پیاری ہے جگنی، نام بھی بڑا یونیک سا ہے۔ آؤ ہمارے ساتھ بیٹھو۔'' مہوش آپا نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو اسے ہوش آیا۔

اس نے دیکھا کاجل بھی کرسی پر بیٹھ رہی تھی، وہ بھی جھٹ سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

''خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' اسد پاشا نے وارفتہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نائس ٹو میٹ یو۔'' سہیل نے بھی رسمی جملہ ادا کیا۔

وہ ایک لفظ بھی نہ بول پائی، بس اسے اسد پاشا کی نظروں سے الجھن ہورہی تھی۔

''دیکھا سب کتنے اچھے ہیں اور تم ایویں پریشان ہورہی تھیں۔'' کاجل نے ہنس کر اس سے کہا۔

''میں نے کب کہا کہ میں پریشان ہوں؟'' وہ مزید پریشان ہوکر بولی۔

''صد شکر کہ آپ بولیں تو سہی کچھ۔ آپ کی تو آواز بھی بہت پیاری ہے۔'' پاشا نے پھر اس کی تعریف کی۔

''جی...... شکریہ!'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''سوسوئیٹ...... کاجل، بہت کیوٹ ہے تمہاری دوست۔'' مہوش آپا اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے مسکرا کر کہنے لگیں۔

وہ وقت جیسے تیسے گزر ہی گیا مگر اسے پاشا کی نظروں کا اسیر کر گیا۔

''اب کب ملیں گے ہم؟'' چلتے وقت اس نے دھیرے سے اس سے پوچھا تھا جس کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن سچ تو یہ تھا کہ وہ پورے دھڑلے سے اس کے دل میں براجمان ہوگیا تھا۔ آنکھ بند ہوتے ہی وہ بے دھڑک اس کے پاس چلا آتا۔

تین چار دن بعد کاجل کالج آئی تو اس کے لیے ایک سندیسہ بھی لائی۔

''پاشا تم سے دوستی کرنا چاہتا ہے۔'' اس کی سرگوشی نے اس کے تن من میں پھوار سی کردی۔

''اوہ نہیں۔'' ایسا کہتے ہوئے وہ لفظی طور پر تو انکاری تھی مگر چہرے پر پھیلی خوشی اور چمک کاجل سے چھپا نہ سکی۔

''اور مہوش آپا نے تمہیں ماڈلنگ کی آفر کی ہے۔'' اس نے دوسرا پیغام بھی دیا۔

''ماڈلنگ تو کبھی نہیں، ابا کبھی نہیں مانیں گے بلکہ جان سے ماردیں گے مجھے۔'' اس نے صاف انکار کردیا۔

''تم ابھی تک پرانی صدی میں جی رہی ہو۔ پاگل، اپنی خوب صورتی اور جوانی کو کیش کرو، فائدہ اٹھاؤ اس سے۔ اس کے ذریعے تم کہیں سے کہیں پہنچ جاؤ گی۔ مہوش آپا کی آفر اور پاشا کی دوستی قبول کرلو، وہ مرمٹا ہے تم پر۔ سب کچھ تمہاری مٹھی میں ہوگا، پیسہ بھی، شہرت بھی اور پیار بھی۔'' کاجل نے اسے کچھ ایسا سنہری راستہ دکھایا کہ اس کی چکاچوند سے اس کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ وہ لڑکھڑانے لگی مگر پھر سنبھل گئی۔

''نہیں، نہیں...... یہ سب ٹھیک نہیں۔'' اس نے اس وقت تو کاجل کو صاف منع کردیا مگر بعد میں دنوں تک بے کل، بے کل سی اداس اور پریشان رہی۔ بار، بار اسد پاشا کا خیال ذہن میں آتا اور وہ گھبرا کر جھٹک دیتی مگر دل کا کیا کرتی جس پر وہ ہمہ وقت قابض تھا۔ ادھر کاجل بھی شاید اس سے ناراض ہوگئی تھی۔ کئی دن سے وہ کالج نہیں آئی تھی اور جگنی کو اس کی کچھ خبر نہ تھی کیونکہ اس کے پاس موبائل بھی نہ تھا کہ وہ اس سے رابطہ کرپاتی۔

کئی روز گزرنے کے بعد وہ اچانک چھٹی سے

کچھ دیر پہلے آ گئی۔ اسے یوں ایک دم سامنے پا کر جگنی مارے خوشی کے اس سے لپٹ گئی۔

''ہائے سچ میں اتنا یاد کر رہی تھی تمہیں، کہاں غائب تھیں آخر؟'' اس نے کاجل سے کہا۔

''چل جھوٹی، قسم کھاؤ کہ میں یاد آ رہی تھی یا کوئی اور......ہم...م...'' اس نے آنکھیں گھما کر شوخی سے پوچھا۔

اس کی بات پر جگنی ٹپٹا گئی اس کی شرارتی سی چھیڑ چھاڑ پر اس کے گال تمتما اٹھے اور اسے بے طرح پاشا کی یاد آ گئی۔

''کوئی نہیں جی، فضول میں خواہ مخواہ۔'' جگنی بات کو بنا نہ پائی کہ دل کا حال چہرے سے عیاں تھا۔

''اچھا جی، ہم سے بھی چھپاؤ گی؟ کتنا ہی چھپاؤ مجھے سب پتا ہے۔'' کاجل مزے لینے لگی۔

''اچھا اپنا تو بتاؤ، کدھر تھیں اتنے روز سے۔'' جگنی نے بات کا رخ موڑ دیا۔

اس کی بات پر کاجل ایک دم سنجیدہ ہو گئی، چہرے سے مسکراہٹ بھی غائب ہو گئی۔ شاید وہ اس سے دل کا بوجھ ہلکا کرنے ہی آئی تھی۔

''بس یار، کچھ مسائل ہو گئے۔'' اس نے منہ پر جھولتی لٹوں کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔ ''میں رحیم یار خان کے ایک چھوٹے سے گاؤں کی لڑکی ہوں جگنی، یہاں شہر میں اپنی خالہ کے گھر میں رہتی ہوں۔ خالہ نے ابا سے میری شکایت لگا دی ہے اور انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ میں ماڈلنگ کر رہی ہوں۔'' اس نے تفصیل بتانی شروع کر دی۔

خالہ کی سختی، ابا کی ڈانٹ اور گاؤں واپسی کا مطالبہ ساری داستان اسے سنا دی۔

''اگر خالہ نے زیادہ سختی کی اور ابا باز نہ آئے تو میں نے بھی سوچ لیا ہے کہ گرلز ہاسٹل شفٹ ہو جاؤں گی۔ میں اب اپنی زندگی خود گزار سکتی ہوں، مجھے دوسرے ایڈ کی بھی آفر آ گئی ہے۔ میں کسی کے دباؤ میں نہیں آؤں گی، میرے ابا اور بھائی تو سیدھے سادے ان پڑھ دیہاتی ہیں، انہیں کیا معلوم کہ ماڈلنگ کیا ہوتی ہے۔ خالہ نے شکایت لگا کر بات بگاڑ دی۔ دراصل خالہ میری شہرت اور دولت سے جل رہی ہیں، ان کی اپنی بیٹیاں تو کسی جوگی نہیں، کچھ آتا جاتا نہیں۔ نہ فیشن کا پتا، نہ میک اپ کی تمیز......اونہہ۔'' کاجل دیر تک دل کی بھڑاس نکالتی رہی۔

جگنی کی سماعتیں منتظر ہی رہ گئیں کہ کب وہ اس سے پاشا کا ذکر کرے اور دل کو کچھ قرار آئے مگر ابھی اس کے اپنے ہی بہت مسائل تھے۔

چھٹی میں دونوں ساتھ ہی کالج سے باہر نکلیں۔ لب سڑک کھڑی گاڑی کے پاس پاشا کھڑا تھا۔ اس نے دور ہی سے ہاتھ ہلایا اور وہ بنا کچھ سوچے اس کی جانب کھنچتی چلی گئی۔

''دیکھو کیسا پاگل ہوا ہے تمہارے پیچھے۔ تمہاری خاطر آیا ہے آج میرے ساتھ۔'' کاجل نے ٹہوکا مار کر اسے جتایا۔

''ہیلو گرلز......ہائے جگنی۔'' اس نے بطور خاص اپنی گہری آنکھیں اس پر مرکوز کر کے اسے متوجہ کیا۔

اور پھر وہ جیسے کچھ لمحوں کے لیے غائب سی ہو گئی۔ حواس گم سے ہوئے تھے یا پاشا کی گہری آنکھوں کا جادو تھا، اس کے اوسان بحال ہوئے تو اس نے خود کو پاشا کے سنگ گاڑی میں پایا۔ وہ کب اس میں بیٹھی، کب گاڑی چلنا شروع ہوئی اسے معلوم ہی نہ ہوا۔ کاجل اس کے برابر میں بیٹھی تھی۔

''لگتا ہے جگنی تو یہاں ہے ہی نہیں۔ کچھ نہ بولنے کی قسم کھا لی اس نے۔ اچھا بھئی میں تو چلی، خدا حافظ۔'' اسے کاجل کی آواز آئی تو گھبرا کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ دروازہ بند کر کے مسکرا کر ہاتھ ہلا رہی تھی۔

''ارے...... میں اکیلی......'' اسے یہ سوچ کر ہی گھبراہٹ ہونے لگی۔ اس کے تاثرات پاشا سے چھپے نہ رہے۔

''آرام سے بیٹھو جگنی، میں تمہیں تمہارے گھر ڈراپ کر دوں گا۔ مجھے تم سے صرف اتنا کہنا ہے کہ پہلی بار میں ہی تم مجھے اچھی لگی تھیں اور جب تم نے آپا کو ماڈلنگ سے منع کیا تو اور زیادہ اچھی لگنے لگیں۔ مجھے تم جیسی پارسا لڑکی ہی کی تلاش تھی۔ جب کاجل نے مجھے بتایا کہ تم لڑکے، لڑکی کی دوستی کو اچھا نہیں سمجھتیں تو میں

نے اسی وقت تم سے شادی کا فیصلہ کرلیا۔ ٹرسٹ می جگنی...... آئی لائک یو ویری مچ۔''

گہری خاموشی میں پاشا کی بھاری آواز جگنی کے دل میں اترتی چلی گئی۔ اس کے اس قدر مہذب اور منوانے والے انداز کے بعد اب انکار کی گنجائش نہ رہی تھی۔ پاشا کی باتوں نے اس کا دل جیت لیا۔ وہ تو پہلے ہی اس کی محبت میں گرفتار ہوچکی تھی، اب شادی کرنے کی خواہش کا سن کر وہ اس کے لیے اوتار بن گیا۔ محبتوں کے خمار میں مدہوش سی وہ ایک ان دیکھے پیچیدہ راستے پر چل پڑی۔

اس روز واپسی میں اس کے پاس پاشا کا دیا ہوا موبائل سیٹ بھی تھا۔ بے خودی کا سنہری سا دور شروع ہوگیا جہاں ہر سو صحن دل میں بہاریں رقصاں تھیں۔ تتلیوں کے رنگین پروں سا محبت کا ہلکا پھلکا پیراہن پہنے وہ اڑی، اڑی سی پھرتی۔ پاشا کی خوش کن سرگوشیاں اندھیری راتوں کو مہکائے رکھتیں۔

بتول کو جب معلوم ہوا تو سر پیٹ لیا۔ اس کے مدھ بھرے نینوں کا راز ایک رات موبائل پر باتیں کرتے ہوئے کھل گیا۔

''وہ مجھ سے شادی کرے گا اماں...... میرا ہاتھ مانگنے گا تم سے۔'' بتول کے تھپڑ کھا کر بھی وہ نہ ڈری اور بے خوفی سے دل کی بات کہہ دی۔

''مرن جوگی، کچھ شرم حیا کر...... بے عقلی، اس امیر زادے کو کیا پڑی ہے تجھ کنگلی، غریب لڑکی سے شادی کرنے کی۔ ہم غریبوں کے پاس ایک عزت ہی تو ہوتی ہے اور تو وہ بھی لٹانے کو چلی ہے۔'' بتول نے بہت سمجھایا مگر وہ پاشا کا گانا گاتی رہی۔ بتول نے شوہر کو بتادیا تھا۔

''کرتا ہوں میں اس نانہجار کا علاج۔'' اقبال نے بہت کچھ سوچ کر فیصلہ کرلیا۔

اگلے ہی ہفتے اس کی منگنی گاؤں کے افضل نامی لڑکے سے کردی گئی۔ اس نے بہت احتجاج کیا مگر ابا نے سنی اور نہ اماں نے۔

کوئی بھی تو نہ تھا جو اس کی مدد کرتا یا اماں، ابا کو سمجھاتا۔ کاجل بھی آج کل گاؤں گئی ہوئی تھی۔ پاشا سے ہی اسے معلوم ہوا تھا کہ اس کا ابا بہت بیمار تھا۔ وہ جانا نہیں چاہتی تھی مگر مجبوری میں جانا پڑا۔ خالہ سے لڑکر وہ گرلز ہاسٹل میں رہ رہی تھی۔ ماں باپ سے ناراضی چل رہی تھی لیکن جب ابا بیمار ہوا تو خود ہی اس کی محبت غالب آگئی اور اس سے رابطہ کرکے اسے ملنے کے لیے بلالیا۔ یوں وہ اچانک ہی گاؤں چلی گئی اور ابھی تک اس کا کچھ اتا پتا نہ تھا۔ ادھر اس کے پیچھے جگنی کی آزمائش شروع ہوگئی۔

صرف ایک واحد پاشا تھا جس نے نرمی اور ہمدردی سے اس کا ہاتھ تھام کر اس کا سارا دکھ سنا، اس کی کمر تھپک کر اسے دلاسا دیا اور آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو پوروں پر چن لیا۔

''میں تم سے سچا پیار کرتا ہوں جگنی، تم خود کو اکیلا نہ سمجھو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' اس نے یقین دلایا۔

''اب تو منگنی ہوگئی، اب کیا ہوگا؟'' اس کا دکھ ختم ہی نہیں ہورہا تھا۔

''میں سب ٹھیک کرلوں گا، فکر نہ کرو۔'' اس کے شانوں پر بازو دراز کرکے اس نے لگاوٹ سے تسلی دی۔

مگر جگنی کو ابا کے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔ اماں اور ابا سر جوڑے جانے کیا باتیں کرتے رہتے کہ جگنی کو کھد بد ہونے لگتی۔ اسے شدت سے کاجل یاد آرہی تھی۔ اگر وہ موجود ہوتی تو اس کی مشکل حل کردیتی کیونکہ وہ ڈٹ جانے والی تھی اور چٹکیوں میں مسئلے حل کرلیتی تھی۔

اسے اپنا منگیتر افضل ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ پاشا اور اس کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ پاشا لمبے قد کاٹھ کا ماڈرن مرد جو صرف برانڈڈ سوٹ ہی پہنتا تھا اور افضل متوسط طبقے کا ایک معمولی سا فرد، عام سی شکل صورت کا عام سی ملازمت کرنے والا مرد۔

''خوش رکھے گا افضل تجھے، راج کرے گی تو، اپنا ذاتی گھر ہے اس کا، تنخواہ دار ملازم ہے۔'' اس کے رونے دھونے کا اثر لینے کے بجائے بتول اسے سمجھاتی رہی۔

قسمت ہاتھ سے نکلی جارہی تھی اور وہ اتاؤلی ہوئی جارہی تھی۔

"وہ بہت مالدار ہے اماں، بہت چاہتا ہے مجھے۔" اس نے اماں کی منت کی۔

"چل پرے ہٹ، وہی خناس بھرا ہے تیرے دماغ میں۔ شریفوں کے یہ اطوار نہیں ہوتے، بے دید ہوگئی ہے تو۔" اس کی بات کو ذرا بھی اہمیت نہ دی انہوں نے بلکہ الٹا لتاڑ کر رکھ دیا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں جگنی، بس مہوش آپا کا انتظار ہے۔ وہ جیسے ہی آتی ہیں، میں انہیں رشتہ لے کر بھیج دوں گا۔" پاشا روزا سے تسلیاں دے رہا تھا۔

کاجل بھی ایسی گئی کہ پھر نہ پلٹی، کوئی خیر خبر نہ تھی اس کی۔ شروع میں کچھ روز موبائل پر رابطہ رہا، اب وہ بھی ختم تھا۔ وہ اس کے کسی میسج یا کال کا جواب نہیں دے رہی تھی۔ وہ اپنے گاؤں جا کر اسے بھول گئی تھی۔ جگنی کو یہی گمان ہو رہا تھا۔

اماں کی خفیہ سرگرمیوں کا بھید بھی بالآخر کھل گیا۔ عنقریب وہ اس کی رخصتی کرنے والی تھیں۔ اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اماں سے کچھ کہنا بے سود تھا۔ وہ اس کی بات سمجھ ہی نہیں رہی تھیں۔ اس نے چپکے سے اماں کے موبائل سے افضل کا نمبر نکال لیا اور کال کر کے اسے اس رشتے سے صاف منع کر دیا۔ اسے صاف، صاف بتا دیا کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔ اسے پوری امید تھی کہ اگر افضل [illegible] غیرت مند ہوگا تو خود ہی اس رشتے کو ختم کر دے گا مگر افضل تو الٹا اسے سمجھانا شروع ہو گیا۔ اس نے جگنی کو صاف کہہ دیا کہ اب وہ اس کی عزت بن چکی ہے، اس کے نام سے جڑ چکی ہے اس لیے غلط راستہ چھوڑ کر اسے اپنائے ورنہ وہ اس کے یار کو مار دے گا۔ وہ افضل کی باتوں سے ڈر گئی۔ وہ آسانی سے اسے چھوڑنے پر تیار نہ تھا بلکہ اب بات کچھ اور بھی بگڑ گئی تھی کہ اس کے علم میں اس کی محبت بھی آ گئی تھی۔ جگنی کا دل انجانے خدشوں سے کانپنے لگا۔ پاشا میں اس کی جان تھی، وہ کسی بھی قیمت پر نہیں چاہتی تھی کہ اسے کوئی نقصان پہنچے۔

اگلے ہی روز اقبال نے بہ آواز بلند یہ خوشخبری سنائی کہ لڑکے والے جلد شادی کی تاریخ مانگ رہے ہیں۔ پہلے تو وہ ایک، ایک لمحے کی رپورٹ پاشا کو دے رہی تھی مگر اب معاملہ سنجیدہ تھا۔ افضل کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اس کا پاشا سے ملنا ضروری ہو گیا تھا۔ ایک دوپہر وہ اپنے پلنگ پر تکیے ڈال کر اور ان پر اوپر سے چادر ڈال کر بتول کی آنکھ بچا کر گھر سے نکل گئی تا کہ بتول یہ سمجھتی رہے کہ وہ لیٹی ہوئی ہے۔ وہ سیدھی اسٹوڈیو پہنچی کیونکہ پاشا اس وقت وہیں ہوتا تھا۔ جب وہ اسٹوڈیو میں داخل ہوئی تو چلچلاتی دھوپ میں چلنے کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں اندھیرا سا آ گیا۔ دروازہ کھولنا ہی چاہتی تھی کہ مہوش آپا کی آواز نے اس کے قدم روک دیے۔

"ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں گے۔ اس بھولی بدھو لڑکی کو شادی کا جھانسا دے کر بعد میں ماڈلنگ پر ڈال دینا۔ سونے کی چڑیا ہے وہ تمہارے لیے، خوب بزنس کروائے گی۔ بعد میں جو مرضی کرنا۔" مہوش آپا کی آواز سن کر اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ ان دونوں کی مکروہ ہنسی اسے اس کی اصل اوقات جتلا رہی تھی۔ وہ زندہ کھڑی تھی مگر روحانی موت واقع ہو چکی تھی۔ وہ اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹ کر تیزی سے واپس پلٹی۔ وہ کسی بھی نقصان سے پہلے واپسی کے راستے پر چل پڑی تھی مگر ایک غلطی وہ کر چکی تھی [illegible] اور وہ اس کی زندگی کی بدترین غلطی تھی۔

سورج آگ برسا رہا تھا، اس کے تیور جارحانہ تھے جھلسانے والے، فنا کرنے والے۔ اس کی کرنیں میخوں کی طرح اس کے وجود میں اتر رہی تھیں جیسے اس سے اس بھول کا حساب لینے پر تلی ہوں۔ اس غلطی پر اسے سزا دینے والی ہوں جبکہ وہ تو پاشا کے ہتھے چڑھنے اور برباد ہونے سے بچ گئی تھی مگر ایسا بھی ضرور ہوتا ہے کہ غلطی کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑتا ہے۔ انسان سمجھتا ہے وہ بچ گیا مگر اگلے کسی لمحے پکڑ میں آ جاتا ہے۔

وہ سورج کی تپش سے بے نیاز اپنے ہی دکھ کے شعلوں میں جلتی ہوئی چلی جا رہی تھی کہ یکایک گرم سیال سا اس کے چہرے اور گردن پر پگھلتا اور اترتا چلا گیا۔

"آہ...... آ......" اس کی چیخیں زمین آسمان ہلا گئیں۔

وہ وہیں گر کر درد کی شدت سے لوٹنے، تڑپنے لگی۔

''تجھ جیسی آوارہ لڑکیوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ جا اب اپنے محبوب کے چرنوں میں بیٹھ جا کر۔ دیکھتا ہوں اب کتنا منہ لگاتا ہے وہ تجھے...... تھوکے گا بھی نہیں تجھ پر۔'' افضل کی نفرت بھری آواز اس نے تاریکی میں ڈوبتے ہوئے ذہن کے ساتھ سنی اور بے ہوش ہوگئی۔

افضل نے اسے اپنے ساتھ بے وفائی کی سزا دی تھی۔ اپنی عزت اور غیرت سمجھ کر اس کے چہرے پر تیزاب انڈیل دیا تھا کہ اب وہ اس کے کیا، کسی کے بھی قابل نہیں رہی تھی۔ اس کا مجروح دل تو محبت میں دھوکا کھا کر مر ہی چکا تھا۔

ایک طویل صبر آزما اور تکلیف دہ دور کے بعد وہ کہیں جا کر اس قابل ہوئی کہ اپنے بدنما چہرے کے ساتھ لوگوں کا سامنا کرنے لگی۔ تیزاب نے اس کے سارے حسن کو پگھلا دیا تھا اور نام نہاد محبت پر اسد پاشا نے پہلے ہی تیزاب چھڑک دیا تھا۔

اس ادھیڑ عمری میں بتول نے اس کے علاج معالجے کے لیے جانے کہاں، کہاں سے قرض لیے...... کس، کس سے خیرات مانگی، وہ سب جانتی تھی اور اس غم پر روز آنسو بہاتی۔ اس کے لیے اب اس دنیا میں رکھا ہی کیا تھا۔ محبت میں زخم کھایا اور عزت اس نے اپنے ہاتھوں گنوادی۔ حسن کی دولت بھی اس سے چھن گئی۔ جس راہ کو سرسبز و شاداب سمجھ کر اس پر چل پڑی تھی وہ ایک دلدل تھی جس میں وہ دھنس گئی تھی اور اب اقبال اور بتول کے مشترکہ فیصلے سے اس کا نکاح کیا جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں پر جو سرخ مہندی رچی تھی اس سے لہو رس رہا تھا، نکاح کے سرخ جوڑے میں آگ دہک رہی تھی۔ گھٹے ہوئے جسم کے مالک ساٹھ سالہ کرخت صورت، بدمزاج اور جھکی سے چاچا رفیق کے سنگ آج اس کی رخصتی تھی۔ اس کے علاج معالجے پر انہوں نے نہ صرف پیسہ لگایا تھا بلکہ اقبال کا پرانا قرض بھی معاف کر دیا تھا اور اس کی پلاسٹک سرجری کرانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔

بتول اور اقبال کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی۔

اس کے فرض سے نمٹنا ان کو ناممکن ہی لگ رہا تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اس بدصورتی کے ساتھ اب اسے کوئی بھی بیاہنے نہیں آئے گا۔ غربت سے ان کا دامن پہلے ہی چھلنی، چھلنی تھا۔ ایسے میں چاچا رفیق کی پیشکش انہیں بری نہ لگی۔ عزت بھی رہ گئی اور سر سے بوجھ بھی اتر گیا۔

وہ زرتار آنچل تلے اپنا بدنما چہرہ چھپائے اپنی بدنصیبی کو رو رہی تھی، اپنی حماقت، عجلت اور بیوقوفی سے وہ اس حال کو پہنچی تھی۔ اسی وقت سوہنی بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

''آپو...... آپو...... دیکھو تو کیا ہوگیا...... بہت برا ہوا...... بہت برا ہوا آپو۔'' وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں فوری طور پر کچھ نہ آیا۔

''آپو...... آپ کی دوست کاجل کو اس کے بھائی نے غیرت کے نام پر قتل کر دیا۔'' اس نے ہاتھ میں تھمے موبائل کی روشن اسکرین اس کے سامنے کر دی جس میں کاجل کے ہنستے مسکراتے پوز دکھانے کے ساتھ، ساتھ اس کی میت کو بھی دکھایا جا رہا تھا۔ اینکر پورے جوش و خروش سے تفصیل بتا رہی تھی۔

ایک لمحے کو اس کے اعصاب چیخ سے گئے۔ اسے بہت زور کا چکر آیا۔ ہنستی بولتی کاجل کا سراپا نظروں میں گھومنے کے ساتھ، ساتھ پورا کمرا بھی ساتھ ہی گھوم گیا۔

اسی وقت رخصتی کا شور بلند ہوا۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے بے حس و حرکت ڈمی کی طرح ساٹھ سالہ رفیق کے سنگ رخصت ہوگئی۔

''ساتھ جئیں گے اور ساتھ ہی مریں گے۔'' اس کے دماغ میں کاجل کا ہنستا لہجہ گونج رہا تھا۔ بظاہر تو وہ زندہ تھی مگر ایک زندہ لاش بن کر رہ گئی تھی۔ کاجل کے جنازے کے ساتھ دوسرا جنازہ اس کا بھی اٹھا تھا۔

سب کے لیے کاجل مر گئی تھی اور جگنی زندہ ہو کر بھی بے موت مر گئی تھی۔ اس روز ایک بے گور و کفن لاش سرخ آنچل میں لپٹ کر دل کے مدفن میں کہیں بہت پاتال میں دفن ہوگئی۔

❁❁❁

شمعِ ہدایت

اختر شجاعت

ایمان اور اعمالِ صالحہ...... توفیقِ الٰہی

تمام تر حمد و ثناء اللہ رب العزت کے لیے ہے جو ہمارا مالک، خالق اور رازق ہے۔ اس کی شان اعلیٰ ہے وہ اتنا حسین و جمیل ہے کہ ہمارے فہم و ادراک سے بلند و بالاتر ہے، اللہ وہ ہے جو احد اور واحد ہے۔ اس کی ذات میں دوسرا کوئی شریک نہیں۔ ہر شے کا رب اور ہر شے کا مالک ہے۔ وہ ایسا پیارا رب ہے جو اپنے خاکی بندوں کو اپنے نوری ملائکہ سے بڑھ کر شان عطا فرما دیتا ہے۔ اگر اس کائنات کو بغور دیکھو تو اس کے جلوؤں کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔

اس کا قرب اس کی عطا ہے جسے چاہے اسے اپنی قربت سے نواز دے مگر یہ گوہرِ نایاب اسے ہی ملتا ہے جو اس کی جستجو اور طلب کرے کیونکہ بغیر لگن اور آرزو کے کچھ نہیں ملتا۔

درود و سلام ہو پیارے آقا ﷺ پر جو تمام رسولوں کے سردار ہیں اور اہلِ ایمان کے رہنما و رہبر۔ ان کی تمام آلؓ پر اور ان کے اصحابؓ پاک پر......

آج ہمارا موضوع ''ایمان اور اعمالِ صالحہ'' ہے...... لفظ ایمان امن سے نکلا ہے۔ امن کے حقیقی معنی کسی معاملے پر انسان کے مطمئن اور بے خوف ہو جانے کے ہیں۔ تو ایمان اور عقیدہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی بات کو انسان اپنے قلب میں اس طرح جمع کرے کہ اب کسی دوسری بات کے اندر داخل ہونے کا ڈر باقی نہ رہے۔ مضبوط ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سیرت مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گئی اور اس کے برعکس کمزور ایمان یہ کہ ابھی نفسِ انسانی میں اس بات سے سکون اور اطمینان پیدا نہیں ہوا...... درحقیقت ایمان چند بنیادی عقائد پر یقین کا نام ہے۔ ایمان نام ہے زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کا......

ایمان کی حقیقت تو دل کی تصدیق اور محکم یقین ہی ہے لیکن اس کے اظہار کی ضروری شرط زبان کا اقرار ہے اور جب تک کسی نے زبان سے اقرار نہیں کیا آپ اسے مسلمان نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ باطن کی کیفیت کا گواہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ چنانچہ اقرار باللسان اس اعتبار سے ایمان کی بنیاد قرار پاتا ہے۔

وہ عقائد جو ہمارے تمام اعمال کی اساس قرار پاتے ہیں پانچ ہیں۔

(1) اللہ پر ایمان عقیدۂ توحید (2) فرشتوں پر ایمان (3) رسولوں پر ایمان (4) کتابوں پر ایمان (5) یومِ قیامت اور جزا و سزا پر ایمان......

☆☆☆

اللہ پر ایمان...... (1) ایمان مجمل (2) ایمان مفصل

ایمان مجمل...... اللہ پر ایمان جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور صفتوں کے ساتھ ہے۔ اللہ پر ایمان بہت ضروری ہے کہ وہ اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہی ہمارا رب ہے جو تنہا، واحد اور یکتا ہے۔ وہی حاضر و ناظر ہے۔ اس کی رضامندی اور خوشنودی کا حصول ہمارے ہر عمل کی غرض و غایت ہے۔ خلوت و جلوت میں یہی عقیدہ ہمیں گناہوں اور خطاؤں سے بچاتا ہے۔ ہمیں اس بات پر یقین رہے کہ وہ سمیع و بصیر

ہے۔ ہماری تمام حرکات وسکنات کو دیکھ رہا ہے۔

دوسرا ایمانِ مفصل...... جو کہ اللہ پر ایمان۔ فرشتوں پر۔ کتابوں پر۔ رسولوں پر اور یوم آخرت پر۔

سلسلۂ ایمانیات کی آخری کڑیٔ روزِ جزا پر ایمان لانا ہے اگر اعمال کی جواب دہی کا خوف نہ ہو تو دنیاوی قوانین کے باوجود یہ دنیا ظلم وستم کی آماجگاہ بن جائے گی۔ آخرت میں حساب کتاب کا ڈر ہی انسان کو اس کے فرائض کا احساس دلاتا ہے...... اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اس کے نیک اعمال کا معاوضہ دنیا میں ملے یا نہ ملے لیکن دائمی اور ابدی زندگی میں اس کا صلہ ملنا یقینی ہے۔ چنانچہ دنیاوی خسارے کے باوجود وہ اعمالِ صالحہ اختیار کرتا ہے۔

کیونکہ وہ ایک ایسے اللہ پر ایمان رکھتا ہے جو ذرہ برابر نیکی اور ذرہ برابر بدی کا بدلہ عطا فرمائے گا۔

''سو جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ دیکھ لے گا۔'' (سورۂ زلزال)

☆☆☆

ہمارا ایمان تخم ہے بیج ہے آپ اسے پانی دیں یا نہ دیں اس سے پودا ضرور نکلے گا اور نیک اعمال کا صدور ہوگا۔

ایمان اور اعمال صالح لازم وملزوم ہیں، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ ایمان والوں کے لیے جو ایمان کے ساتھ نیک عمل لائے مغفرت کا وعدہ ہے اور اجرِ عظیم ہے۔

تو درحقیقت ایمان نام ہے عقیدہ کا اور یہ دل میں جگہ پاتا ہے اور عمل صالح...... کا مسکن اعضائے جسمانی ہے...... عمل صالح دین کا جوہر ہے۔ ایمان کا عظیم ترین مظہر اعمال صالحہ ہیں جب ایمان آپ کے دل میں مضبوطی سے جگہ بنالے گا تو آپ کے جسم کے ایک، ایک عضو سے عمل صالحہ کا صدور ہوگا۔

ایمان...... بنیاد ہے اور اعمال صالحہ عمارت۔

ایمان کی کیفیت بدلتی رہتی ہے۔ ایمان مضبوط ہوتا ہے نفلی عبادات کے ذریعے۔

اگر محض زبان سے اللہ رب العزت کی الوہیت کا اقرار و اظہار کافی ہوتا تو ایمان کی یہ شرط کفار کو اتنی گراں نہ گزرتی۔ اصل بات یہ ہے کہ اقرار و اظہار کے ساتھ، ساتھ ایمان باللہ کے کچھ تقاضے بھی ہیں اگر ان تقاضوں کو ٹھیک، ٹھیک پورا کیا جائے تو ایمان کی تکمیل ہو جاتی ہے اور ان کو نظر انداز کر دیا جائے تو ایمان مکمل نہیں ہوسکتا...... ایمان باللہ کے تقاضوں کو ہم بنیادی طور پر تین اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں......

(1) محبت الٰہی (2) اطاعت الٰہی (3) توکل علی اللہ۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ایک مومن کی محبت کا محور و مرکز ہے۔ لہٰذا اللہ کی ذات سے مومن کی محبت جملہ محبتوں سے برتر و اعلیٰ اور شدید وقوی ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

''اور اہل ایمان اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں۔'' (سورۂ بقرہ)

الغرض حقیقی اور سچی محبت (جس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں عشق حقیقی کہتے ہیں) صرف اور صرف ایک ہی ہے دوسری سب محبتیں اس بڑی محبت کی فروعات ہیں چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ......

''جس نے اللہ کے لیے (دوسروں سے) محبت و دشمنی رکھی اور اللہ کے لیے کسی کو دیا یا نہ دیا تو اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا۔''

محبتِ خداوندی درحقیقت وہ مرکز ہے جس کے گرد سب محبتیں دست بستہ کھڑی ہونی چاہیے۔ تبھی ایمان مکمل ہوگا......

حضرت رابعہ بصریؒ عشق و معرفت میں اپنی نظیر نہ رکھتی تھیں۔ آپ کے مجاہدات اور عاشقانہ سجدہ ریزیوں کا کوئی شمار نہیں۔ آپؒ رات دن میں ایک ہزار نوافل پڑھا کرتیں، روزے برابر رکھتیں۔ آپ کی اپنے رب سے محبت اور آپ کی عبادت عاشقانہ و عارفانہ رنگ رکھتی تھی۔

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ آپ کی خدمت میں موجود تھے دیکھا کہ آپ اٹھیں اور محراب میں کھڑے ہو کر صبح تک برابر نماز پڑھتی رہیں،

میں ایک دوسرے گوشے میں مصروفِ نماز رہا...... صبح اٹھ کر فرماتی ہیں کہ اس امر کا کس طرح شکریہ ادا کیا جا سکتا ہے کہ اس نے ہمیں نماز پڑھنے کی توفیق عطا کی ہے، اچھا کل اس کے شکر میں روزہ رکھوں گی...... آپؒ یہ دعا مانگا کرتی تھیں کہ ''یا اللہ! تو نے دنیا میں ہمارا جو حصہ مقرر کیا ہے وہ اپنے دشمنوں کو دے، دے اور آخرت کا حصہ اپنے دوستوں کو بخش دے میرے لیے تو، تو صرف تو کافی ہے......''

ایک دفعہ آپ فرماتی ہیں کہ ''الٰہی! اگر میں تیری عبادت خوفِ دوزخ کی بنا پر کرتی ہوں تو، تو مجھے دوزخ میں ڈال دے اور اگر جنت کی توقع پر ہو تو اسے مجھ پر حرام کر دے...... اور اگر میں صرف تیرے لیے کر رہی ہوں تو، تو مجھے اپنے دیدارِ جمال سے ہرگز محروم نہ رکھ، دنیا میں میری آرزو اور میرا مقصد صرف تیری یاد ہے۔''

حضرت رابعہ بصریؒ نے اپنی پوری زندگی عشقِ الٰہی میں بسر کر دی۔

☆☆☆

ایمان کا دوسرا تقاضا ''اطاعت الٰہی'' ہے اور اطاعت الٰہی یہ ہے کہ بندہ خود کو فرمانِ الٰہی کے مطابق ڈھال لے اور اپنا سر حکمِ خداوندی کے سامنے جھکا دے۔ زندگی کے تمام جملہ امور اللہ کے تابع کر دے اور ہر اعتبار سے اللہ رب العزت کا مطیع و فرمانبردار ہو جائے اگر انسان کی زندگی اس طرح ہر لحاظ سے اللہ کے حکم کے تابع رہے تو اسے ''اطاعت الٰہی'' کہا جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا وہ بڑی مراد پائے گا۔'' (سورۂ احزاب)

''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں تو یہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔'' (سورۂ نور)

''اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (سورۂ آل عمران)

تو اطاعت الٰہی کے معنی اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننا اور اپنی زندگی میں عملاً نافذ کرنا ہے۔ اطاعت تو یہ ہے کہ انسان امر کی اطاعت کرتا رہے لیکن کمالِ اطاعت یہ ہے کہ جس شے سے اللہ رب العزت نے روکا ہے زندگی بھر بھول کر بھی اس کی طرف قدم نہ اٹھائے...... کامل اور سچے مطیع و محب کی یہی پہچان ہے، وہ دنیا کی بڑی سے بڑی چیز کو جو اسے اپنے محبوب کی اطاعت سے باز رکھے حقارت سے ٹھکرا دے اور اپنے محبوب کی رضا جوئی کے لیے ہمہ وقت مستعد رہے...... تو جو اطاعتِ الٰہی کا حق ادا کرتا ہے، پوری کائنات اس کے لیے مسخر ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

مکہ معظمہ میں ایک شخص امیہ بن خلف بڑا سخت کافر تھا۔ بہت کچھ مال و متاع اس کے پاس تھا وہ مکہ کے رئیسوں میں سے تھا۔ دیگر جائداد کے علاوہ اس کے پاس کئی قوی غلام بھی تھے۔ اتنا مال و متاع ہونے کے باوجود راہِ خدا میں کبھی کچھ دینا پسند نہیں کرتا تھا۔ قیامت اور آخرت کا مذاق اڑاتا تھا۔ حضرت بلال حبشیؓ اسی بدبخت کافر کے غلام تھے۔ حضرت بلالؓ خفیہ طور پر مسلمان ہو گئے تھے۔ ایمان ان کے دل میں جوش مار رہا تھا۔ مگر ظالم کی غلامی اور اس کی قید سے مجبور تھے۔ ان کے اسلام لانے کی خبر امیہ کو ہو گئی تو وہ سخت غصے میں آ گیا اور اس نے حضرت بلالؓ کو بلا کر کہا۔ ''اے بلال! میں نے سنا ہے کہ تو درپردہ مسلمان ہو گیا ہے؟ کیا یہ بات ٹھیک ہے؟'' حضرت بلالؓ نے سکوت اختیار کیا اور کوئی جواب نہ دیا بلکہ خاموش کھڑے رہے تو وہ سمجھ گیا کہ یہ مسلمان ہو چکا ہے۔ تب اس نے غصے میں آ کر حضرت بلال سے اپنے بت خانوں کی کنجیاں جو ان کے پاس تھیں چھین لیں اور کہا۔ ''اے بلال! سچ بتا تو کس کی پرستش کرنے لگا ہے اور کس کو پوجتا ہے؟'' حضرت بلالؓ نے جواب دیا کہ ''میں محمد رسول اللہ ﷺ کے خدا کو پوجتا ہوں اور اسی کی پرستش کرتا ہوں وہی خدا وحدہ لاشریک ہے۔'' تو

امیہ بن خلف نے طیش میں آکر کہا کہ ”تو اس دین کو چھوڑ دے نہیں تو میں تجھ پر بہت عذاب کروں گا۔ بلکہ تجھے جان سے مار ڈالوں گا۔“ حضرت بلال ؓ نے جواب دیا کہ ”اے امیہ! میں اس دین سے نہیں پھر سکتا ہوں تیرا جو جی چاہے کر ظاہر ہے کہ میں تیرا زرخرید غلام ہوں۔“ یہ سن کر اس ظالم شخص نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے بدن میں ببول کے کانٹے چبھو دو۔ اور جب دھوپ تیز ہو جائے تو اس کو گرم پتھروں پر لٹاؤ اور سر سے پیر تک اس پر گرم پتھر رکھو۔ اور اس کے گرد آگ بھی روشن کر دو اور اس کو اسلام لانے کا مزہ چکھا دو۔ اور جب شام ہو جائے تو اسے اندھیری کوٹھری میں بند کر دو۔ اور تمام رات اس کے جسم پر کوڑے لگاؤ اور روزانہ ایسا ہی کرتے رہو...... اور یوں حضرت بلال ؓ کو اس قدر تکالیف دی گئیں کہ اللہ اکبر...... لیکن حضرت بلال ؓ کی زبان پر فوارے کی طرح اللہ احد، اللہ احد جاری رہا۔

یہ عذاب ان پر اسی طرح جاری رہا اور حضرت بلال ؓ تڑپتے رہے کہ میں اب سید المرسلین سے نہ مل سکوں گا...... تو وہ اپنے مولا سے فریاد کرنے لگے کہ ”دامنِ رحمت میں مجھے ڈھانک لے۔ مجھ بلال خستہ دل کو چھانک لے، فرقتِ محبوب کی طاقت نہیں اب جدائی کا الم اٹھتا نہیں یا جمال اپنا مجھے مولا دکھا یا نبی پاک سے مجھے ملا۔“ حضرت بلال ؓ کی فریاد اللہ نے سن لی...... کہ اس روز حضرت ابوبکر صدیق ؓ اس کوٹھری کی دیوار کے نیچے سے گزرے تو یکایک آپ کے کانوں نے نہایت درد کے ساتھ یہ آواز سنی...... دریافت کیا کہ یہ کس غمزدہ کی آواز ہے۔ تب لوگوں نے حضرت بلال ؓ کے بارے میں بتایا کہ وہ اللہ واحد کی توحید پر اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آیا ہے...... اور اس کے ایمان کی خبر امیہ کو ہو گئی ہے اب وہ دن رات اس پر عذاب کر رہا ہے۔

حضرت بلال ؓ کی دردناک صداؤں سے ہمسائے بھی بے چین تھے مگر بے بس تھے کہ امیہ ایک امیر کبیر شخص تھا اس کے غلام کو وہ کس طرح چھڑا سکتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے تمام رات روتے ہوئے اسی دیوار کے نیچے گزاری اور صبح ہوئی تو آپ امیہ کے مکان پر جا پہنچے۔

امیہ اور حضرت ابوبکر ؓ کے درمیان کافی بحث چلتی رہی بالآخر اس نے کہا کہ ”اے ابوبکر! تمہیں اگر اس غلام پر اس قدر ترس آتا ہے تو تم بھی مالدار ہو اور اپنی آخرت پر بڑے نازاں ہو یہ ثواب تم ہی کماؤ اور بلال کو مجھ سے خرید لو......“ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی بھی یہی مرضی تھی کہ حضرت بلال ؓ کو خرید کر آزاد کر دیں۔ چنانچہ آپ ؓ نے فرمایا کہ ”اے امیہ! بلال کے معاوضے میں کیا مانگتا ہے۔“ تو اس نے ایک بھاری قیمت بتائی کہ ”ایک مثقال سونا (ایک سو چالیس تولے) اور فسطاس رومی تمہارا نہایت اعلیٰ کارندہ اور کئی ہزار اشرفیاں اس کی ملک ہیں اسے مع ان اشرفیوں کے مجھے دے دو۔“ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فوراً نہایت خوشی سے یہ منظور کر لیا۔

اگرچہ فسطاس رومی بہت اچھا کارندہ تھا مگر کافر تھا ایمان قبول نہ کرتا تھا۔ حضرت ابوبکر ؓ نے امیہ کے حوالے مطلوبہ مال کیا اور اس طرح حضرت بلال ؓ کو خرید کر آزاد کر دیا اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت بلال ؓ کو لے کر نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور پھر جو کچھ حضرت بلال ؓ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت مبارک میں آکر پایا سو پایا...... یہ تھا ان کا کامل ایمان اپنے اللہ پر اور اس کے رسول پر...... جس نے انہیں برداشت، صبر اور ہمت بخشی...... اور یہ نیکی حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے حصے میں آئی۔

☆☆☆

ایمان باللہ کا تیسرا تقاضا ”توکل علی اللہ“ یعنی ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا کرنا اور اعتماد کرنا ہے...... قرآن مجید میں ایک مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ اور موسیٰ علیہ السلام! نے کہا۔ ”اے اہلِ قوم اگر تم خدا پر ایمان لائے ہو اور فرمانبردار

ہوتو اسی پر بھروسا رکھو۔'' (سورۂ یونس)

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس ذات سے کامل محبت ہو اور اس کی کامل اطاعت کا جذبہ بھی دل میں موجزن ہو تو انسان اس محبوب کی ذات پر انحصار و بھروسا بھی کرنے لگتا ہے...... اسلام کی تعلیم توکل کے سلسلے میں یہ ہے کہ توکل اسباب اختیار کرنے کے باوجود ان پر اعتماد نہ کرنے اور فقط اللہ کی ذات پر بھروسا کرنے کا نام ہے...... اسلام ہمیں یہ تلقین کرتا ہے کہ ہم اسباب اور وسائل سے ضرور استفادہ کریں مگر آخری بھروسا ربِ کائنات کی ذات پر ہو۔

ارشادِ خداوندی ہے کہ ''وہی مشرق اور مغرب کا رب ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔'' (سورۂ مزمل)

☆☆☆

ایک سائل ہر روز حضرت عمر فاروقؓ کے دروازے پر دستک دیتا اور اپنی ضروریات کا سوال کرتا...... ایک روز حضرت عمر فاروقؓ نے اس سائل سے فرمایا...... اے شخص! عمر کا دروازہ اچھا ہے یا خداوندِ قدوس کا؟ اس نے عرض کیا کہ دروازہ تو رب تعالیٰ کا ہی اچھا ہے مگر کیا کروں؟ آپؓ نے فرمایا...... جا، جاکر قرآن پڑھ کہ ہدایت کی کوئی کرن تجھے نصیب ہوجائے۔ وہ شخص چلا گیا۔ کافی عرصہ گزر گیا، اس کے بعد حضرت عمرؓ کے دروازے پر آکر دستک نہ دی۔

ایک روز حضرت عمرؓ نے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا تو پتا چلا کہ وہ شخص گوشہ نشین ہے اور کسی سے ملتا جلتا نہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ چلو چل کر اس کا حال دریافت کرتے ہیں، جب اس کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ شخص بیٹھا تلاوتِ قرآن پاک کررہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ اے شخص کیا وجہ ہے کہ تمہیں ہمارے پاس آئے ہوئے عرصہ گزر گیا؟ وہ کہنے لگا یا امیر المومنین! جب سے قرآن پڑھا ہے اس وقت سے کسی مخلوق کے دروازے پر جانے کی حاجت باقی نہیں رہی۔ آپؓ نے پوچھا کہ تم نے قرآن

بچوں کی نفسیات

اکثر مائیں بچوں کو آزادانہ اس لیے نہیں کھیلنے دیتیں کہ وہ اپنے کپڑے گندے کرلیں گے۔ اگر آپ کے دل میں کوئی ایسا خیال ہے تو بچے کو عام طور پر سادہ، سستا اور ڈھیلا ڈھالا لباس پہنائیں لیکن اس کے کھیل اور آزادی میں خلل نہ ڈالیے۔ اگر آپ اس معاملے میں فراخ دلی سے کام لیں گی تو جب کبھی آپ شادی بیاہ یا کسی تقریب پر بچے کو قیمتی لباس پہنائیں گی بھی تو بچہ اس کی حفاظت کا خود ہی خیال کرے گا اور اسے احساس ہوگا کہ اس نے اپنے عمدہ اور خاص لباس کو خراب نہیں کرنا۔ لیکن یاد رہے کہ یہ پابندی بھی بچہ طویل عرصے کے لیے برداشت نہیں کرے گا۔

والدین، بچوں کی ہر خواہش کے آگے ہتھیار بھی ڈال دیتے ہیں۔ جس سے بچے کی ضد بڑھنے لگتی ہے جو بچے کے لیے مناسب نہیں۔ والدین کو جب غلطی کا احساس ہوتا ہے تو بچے کو چھڑی سے سُدھارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حد سے زیادہ لاڈ پیار بچے کے لیے نقصان کا باعث بنتا ہے۔ بچوں کی ہر بات ماننے کی صورت میں ضد جنم لیتی ہے۔ لاڈ، پیار اپنی جگہ لیکن غلطی اور غلط بات کی صورت میں بچے کو ضرور سمجھایا جائے۔

بچے کے مزاج میں ناہمواری دور کرنے کے لیے تشدد کا راستہ تباہ کُن ثابت ہوسکتا ہے۔ اس کی جگہ اگر غلطی کا احساس دلانا مقصود ہو تو کچھ مختلف انداز سے سمجھانا چاہیے۔ [illegible] کا بچے گہرا اثر لیتے ہیں اور والدین کی ناراضی کے خوف سے غلطی سے اجتناب کرتے ہیں۔ چنانچہ بچوں کی معصوم شرارتوں اور وقتی کوتاہیوں کو نظر انداز کریں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ضد، ہٹ دھرمی، جھوٹ کی حوصلہ شکنی نہ کی جائے۔ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ گھر کے باہر کے لوگوں میں یعنی غیر لوگوں کے سامنے بچے کو برا بھلا نہ کہیں بلکہ تنہائی میں سمجھائیں۔ سب کے سامنے بے عزتی اور غصہ آہستہ، آہستہ بچے میں منفی تبدیلی لاتا ہے۔

از: بنین عباس، کراچی

میں کیا پڑھا؟ تب اس نے یہ آیت پڑھی...... ترجمہ: ''اور تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے۔'' (سورۂ ذاریات)

اس شخص نے کہا مجھے اس آیت سے معلوم ہوا کہ میرا رزق تو آسمان پر ہے میں خواہ مخواہ اسے زمین پر تلاش کرتا پھر رہا ہوں جب سے مجھ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی ہے میں نے آسمان والے سے اپنا تعلق قائم کر لیا ہے اس وقت سے مجھے ہر چیز میسر آرہی ہے...... حضرت عمرؓ یہ سن کر رو دیے اور پھر اکثر اس سے ملنے کے لیے تشریف لے جاتے۔

☆☆☆

حضرت حبیب عجمیؒ کا حجرہ بصرہ کے بازار میں چوراہے پر تھا اور آپؒ کے پاس ایک پوستین تھی جسے سردی گرمی میں برابر استعمال کرتے تھے۔ ایک دن وضو کرنے گئے اور پوستین وہیں چھوڑ گئے۔ اتنے میں حضرت حسن بصریؒ اِدھر آنکلے دیکھا کہ پوستین پڑی ہے پہچان لی اور فرمایا۔ حبیب اپنی پوستین یہیں چھوڑ گیا ہے اسے خیال نہیں آیا کہ کوئی اٹھا کر بھی لے جا سکتا ہے...... پھر آپؒ وہیں ٹھہر گئے...... حتیٰ کہ حبیبؒ واپس آگئے۔ آپؒ کو سلام کیا اور کہا...... اے امام! آپ یہاں کیسے کھڑے ہیں؟ حضرت امام حسن بصریؒ نے جواب دیا کہ تمہاری پوستین کی حفاظت کر رہا ہوں تم اسے کس کے بھروسے پر چھوڑ گئے تھے...... حضرت حبیب عجمیؒ نے [illegible] فرمایا...... اس ذات کے بھروسے پر جس نے آپؒ کو میری پوستین کی حفاظت کے لیے یہاں بھیج دیا۔

جیسے جیسے آپ کا ایمان مضبوط ہوتا جائے گا، آپ سے نیکیوں کا صدور ہوتا چلا جائے گا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کمی کا شکوہ تو کرتے ہیں مگر اپنا محاسبہ نہیں کرتے، یہ نہیں سوچتے کہ ہم کس حد تک اپنے خالق کا حق ادا کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، اس کی عطائے بے پناہ، اس کے الطاف و عنایات، اس کا جود و سخا اور اس کی نوازشات اور مہربانیوں میں کچھ کمی نہیں...... کمی خود ہمارے اپنے اندر ہے...... خود بندگی کا سلیقہ نہیں آتا...... اگر ہم اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں، ہر مشکل اور نازک گھڑی میں اس کی ذات پر بھروسا کریں اور ساری تگ و دو کا سلسلہ اس کی رضا کی خاطر جاری رکھیں تو ہماری موجودہ زندگیوں میں انقلاب آسکتا ہے...... جیسا کہ کریم آقا ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرام کا ایمان جس قدر مضبوط تھا اس وقت مسلمانوں کو وہ عروج حاصل تھا کہ قابلِ رشک تھا مگر آج ہم اپنے ایمان کے جتنے کمزور درجے پر کھڑے ہیں اسی وجہ سے آج ہم اتنی ذلت و پستی کا شکار ہیں...... اللہ کریم ہمیں ہدایت عطا فرمائے کہ ہم اپنے ایمان کی حفاظت کر سکیں اس طرح کہ جس طرح اس کا حق ہے...... آمین۔

حرفِ آخر:

اللہ کریم کی عظیم بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اس مضمون میں کوئی غلطی دانستہ یا نادانستہ ہوگئی ہو یا کریم آقا ﷺ کے فرمودات میں کوئی کوتاہی ہو گئی ہو...... تو اے میرے مہربان رب میری اس غلطی کوتاہی کو معاف فرما دے کہ میں ایک انتہائی کمزور ہستی ہوں...... مالک مجھے معاف فرما دے...... آمین، اور اس مضمون میں، میں [illegible] جن [illegible] قابلِ احترام ہستیوں کی کتب سے مضامین منتخب کیے اللہ کریم ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

کتاب مصنف

۱۔ بستان اولیاء، حافظ محمد اسحاق دہلویؒ
۲۔ منازل ولایت، حضرت عالم فقری
۳۔ دین کامل، نزہت رئیس
۴۔ ارکان ایمان، ڈاکٹر محمد طاہر القادری
۵۔ اسلامی تربیتی نصاب، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

صنف نازک کے عزم اور حوصلے کی اعلیٰ مثال

بااخلاق، منکسر المزاج، حساس، باشعور

اور پروفیشنل بائیکر

مرینہ سید

میرے عزم سفر تو نے تسخیر کردیں
زمانے کی گردش مخالف ہوائیں
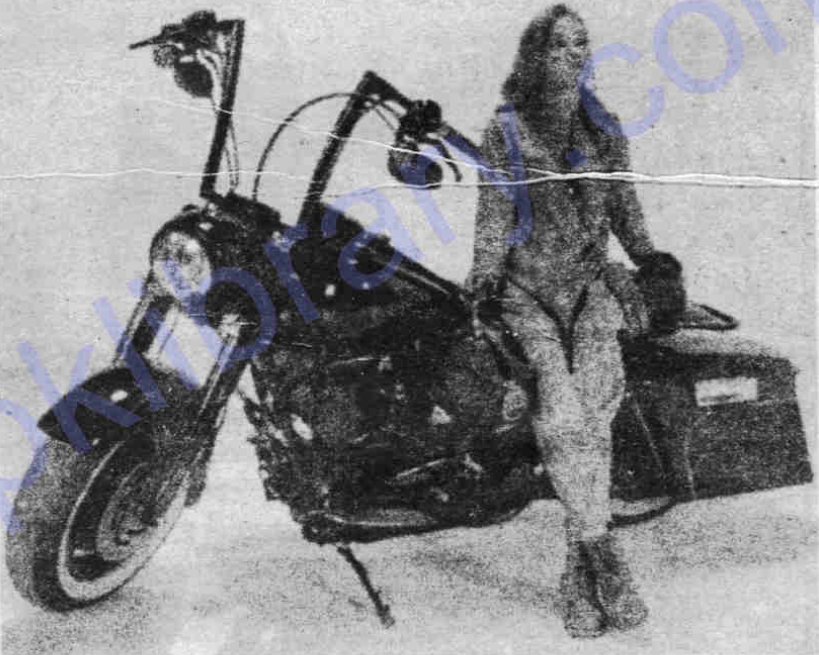
یوں تو ہماری پاکیزہ کی مہمان کے تعارف کے لیے ڈاکٹر فاطمہ حسن کا یہ شعر ہی کافی ہے، بلاشبہ مرینہ سید اس شعر کی متحرک تصویر ہیں۔ نازک اندام مرینہ جب بھاری بھر کم موٹر سائیکل چلاتی ہیں تو اس ناتواں لڑکی کی شخصیت کافی توانا بن جاتی ہے۔ مرینہ کے گھر والوں نے تو کیا خود اس نے بھی کبھی نہیں سوچا ہوگا کہ بچپن

میں چیلنجز سے گھبرانے والی ایک ڈرپوک لڑکی اپنے بائیک چلانے کے شوق کو عملی شکل دینے کے لیے جانے کتنی کٹھنائیوں سے گزرتے ہوئے ہمتِ نسواں مددِ خدا کے بل بوتے پر بڑے، بڑے چیلنجز کا مقابلہ کر کے نہ صرف خود ایک کامیاب Professional biker بنے گی بلکہ جو سہولت آغازِ سفر میں مرینہ کو میسر نہ تھی وہ کاوشِ پیہم، لگن اور عزمِ راسخ سے Rowdy Riders قائم کر کے خواتین کو فراہم کرے گی اور دیے سے دیا جلاتے ہوئے بائیک چلانے کی خواہشمند خواتین کو بائیک چلانے کی تربیت دے گی۔ مرینہ سید نے خواتین کو موٹر سائیکل کی ڈرائیونگ اور بااختیار بنانے کی آگہی دینے کے لیے کراچی میں موٹر سائیکل ریلی کا اہتمام بھی کیا۔ مرینہ سید نے موٹروے کے سانحے پر بننے والی فلم شنوگئی میں بحیثیت بائیکر اہم کردار ادا کیا۔ آج کل یہ بہادر خاتون کینیڈا میں مقیم ہیں وہاں بھی آپ بائیک سیکھنے کی خواہشمند خواتین کو تربیت دے رہی ہیں۔ ان کے سفرِ شوق کی داستان نذرِ قارئین ہے۔
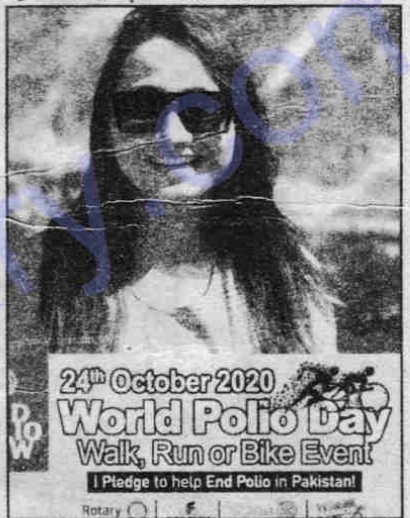
پاکیزہ ✧...... بچپن ہی سے موٹر بائیک چلانے کی خواہش تھی یا کوئی ایسا واقعہ جس کے سبب بائیک چلانے کی تحریک ملی؟

مرینہ سید ✧...... بائیک کا اتنا آئیڈیا نہیں تھا کیونکہ میرے خاندان میں ایسا نہیں تھا کہ میں بائیک پہ بیٹھوں اور چلاؤں لیکن جب میں چھوٹی تھی تو سائیکل کی بڑی شوقین تھی۔ پھر سائیکل ہی پر ہر جگہ جاتی بھی تھی۔ پھر ایسا ہوا کہ جب میں بڑی ہوئی تو مجھے بس میں جانا پسند نہیں تھا، اور بائیک کے علاوہ کوئی سواری پسند نہیں تھی۔ پھر میں آہستہ، آہستہ بائیک کی طرف آنے لگی۔

پاکیزہ ✧...... شروع میں بائیک چلانی کس سے سیکھی؟

مرینہ سید ✧...... گھر میں چلاتی تھی، خود سے ہی سیکھی۔ کیونکہ جب مجھے بائیک سیکھنی تھی کراچی میں لڑکیوں کے لیے تو کیا لڑکوں کے لیے بھی ایسا کوئی ادارہ نہیں تھا جو بائیک چلانے کی تربیت دیتا۔ سب سے کہتی رہتی کہ مجھے بائیک چلانا سکھاؤ مگر سب منع کر دیتے۔ میں نے اپنے کلاس فیلوز سے کہا وہ ڈرتے تھے بس یہی کہتے کہ تجھے کچھ ہو نہ جائے۔ کیونکہ کسی کو سکھانے کا طریقہ نہیں پتا تھا بس یہ پتا تھا کہ بائیک چلانا ہے۔ کلک لگاؤ، ریس لگاؤ، کلک لگاؤ اور اس کے بیچ کو زور سے دباؤ اور بائیک چلاؤ۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ بائیک چلانا سیکھنی ہے اور اس کے لیے مجھے اپنی ہی بائیک لینی ہوگی کسی اور کی بائیک پر نہیں سیکھ سکتے اگر کوئی نقصان ہو گیا تو......

میں یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹ تھی ساتھ، ساتھ میں پارٹ ٹائم جاب بھی کرتی رہی لیکن اس سے اتنا نہیں ہوتا تھا کہ ایک بائیک خریدلوں۔ آہستہ، آہستہ پیسے جمع کرتی رہی۔ سات آٹھ مہینے کی جدوجہد کے بعد پیسے پورے ہو گئے تو میں نے خود جا کے بائیک خرید لی۔ گوگل اور یوٹیوب سے سیکھا کہ بائیک کے چھوٹے، چھوٹے پرزوں میں کیا ہے، اسے کیسے استعمال کرتے ہیں۔ نوٹ بک میں نوٹ کرتی تھی اور رات گیارہ بجے چلاتی تھی۔

پاکیزہ ✧...... ابتدا میں خود سے سیکھنے کے دوران کوئی حادثہ پیش آیا؟

مرینہ سید ✧...... جی بہت بار گری۔ پہلی مرتبہ بائیک چلائی تو سامنے رکشا آ گیا مجھے بریک لگانا نہیں آیا۔ میں نے دونوں پیر نیچے رکھ دیے تو رکشے سے لگ کر

بائیک میرے اوپر ہی گر گئی اور سائلنسر سے میرا پیر جل گیا۔ میں نے ہفتہ بھر تک گھر والوں سے چھپائے رکھا۔ میرے دل میں ڈر بیٹھ گیا تھا کہ دوبارہ بائیک چلا بھی سکوں گی کہ نہیں! یہ میری بہت بڑی جدوجہد تھی جب میں نے خود کو سمجھایا کہ یہ زندگی کا ایک حصہ ہے۔ ایک نئے عزم کے ساتھ اسی جلے ہوئے پیر کے ساتھ دوبارہ سیکھنا شروع کیا۔

پاکیزہ ✧......گھر سے بائیک چلانے کی اجازت بہ آسانی مل گئی تھی؟

مرینہ سید ❖......شروع، شروع میں گھر سے بالکل بھی اجازت نہیں مل رہی تھی۔ امی سے کہتی کہ مجھے بائیک چلانی ہے تو وہ کہتیں ٹانگیں توڑ دوں گی۔ گھر والوں سے اجازت نہ ملنے پر میں نے چھپ کر پانچ چھ مہینے تک بائیک چلانی سیکھی جب تک خود کو ثابت نہیں کیا کہ میں بائیک چلا سکتی ہوں۔ کسی کو نہیں بتایا۔ آہستہ، آہستہ گھر والوں کو پتا چل گیا تو بہت ڈانٹ پڑی کہ بیٹی ہے، نازک ہے اس کے ساتھ حادثہ نہ ہو جائے۔ مما پاپا کو یہ یقین دلانے میں چار پانچ ماہ لگ گئے جو آپ کا بیٹا کر سکتا ہے، وہ میں بھی کر سکتی ہوں۔ مجھ پر بھروسا کریں۔ جب میں نے خود کی کلاسز شروع کیں لڑکیوں کو سکھانے لگی تب مجھے اپنی فیملی اور خاندان والوں کی طرف سے سپورٹ ملی کہ جب تم کر سکتی ہو تو باقی لڑکیاں بھی کر سکتی ہیں۔

پاکیزہ ✧......کیسی بائیکر بننا چاہتی تھیں؟

مرینہ سید ❖......میرا شوق تھا پاکستان کی سب سے بڑی stunt biker بننے کا۔ اس کے لیے میں نے بڑی جدوجہد کی۔ گھر والے سپورٹ نہیں کر رہے تھے۔ میں ہمیشہ دیکھتی تھی کہ لڑکوں کا ایک گروپ ہوتا ہے میں نے سوچا کہ جب ایک عام سی لڑکی ہو کر میں بائیک چلانا سیکھ سکتی ہوں تو بہت ساری لڑکیوں کا بھی شوق ہو سکتا ہے۔ میرا شوق اگر stunt ہے تو ضروری نہیں کہ میں یہی کروں میں ایک سوشل گرل ہوں بہت سے لوگ مجھے دیکھتے ہیں، بائیک کے سلسلے میں ہمارے یہاں سڑکیں ٹوٹی پھوٹی ہیں، گڑھے ہیں جگہ، جگہ۔ میں نے وہ شوق بالکل ختم کر دیا کہ میں کروں گی تو باقی لڑکیاں بھی کرنے لگیں گی یہ درست نہیں ہے۔ میری وجہ سے کسی کو زندگی ملتی ہے تو زبردست لیکن میری وجہ سے کسی کے ساتھ حادثہ ہو سکتا ہے تو یہ میں برداشت نہیں کر سکتی، اپنے ساتھ کر سکتی ہوں لیکن اپنی اسٹوڈنٹس اور چاہنے والوں کے ساتھ نہیں جو مجھے دیکھ کر میری وڈیو دیکھ کر بائیک سیکھتے ہیں۔ میں نے ادارہ کھول کر لڑکیوں کو نارمل بائیک سکھائی تاکہ وہ خود مختار بنیں کسی پر انحصار نہ کریں۔ الحمدللہ میں اپنے مقصد میں کامیاب رہی۔

پاکیزہ ✧......کبھی سوچا لوگ کیا کہیں گے؟ پتھر

ریڈیو پاکستان میں ایک پروگرام کے دوران لی گئی تصویر جس میں کنٹرولر پروگرام شگفتہ آفتاب اور سیمارضا بھی نمایاں ہیں

اپنی ہی صنف کی جانب سے زیادہ برسے یا صنفِ مخالف کی طرف سے؟

مرینہ سید ❖...... بحیثیت لڑکی بہت ڈر لگتا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے؟ کیا سوچیں گے؟ جب میں نے بائیک چلانا شروع کی تھی تو نقاب کرتی تھی بڑے گلاسز پہنتی تھی، پینٹ شرٹ پہنتی تھی، مجھے ایسا لگتا تھا کہ لوگ مجھے پکڑ کر ماریں گے، مجھے ڈی گریڈ کریں گے۔ رفتہ رفتہ میں نے خود کو سمجھایا اور مضبوط کیا کہ لوگ کون ہیں؟ آپ ہیں، میں ہوں۔ تو میں خود سے خوفزدہ کیوں ہوں؟ خواتین سے زیادہ مردوں نے سپورٹ کیا جب میں سڑک پر نکلی تو وہ خوشی سے thumbs up کرتے۔ معاشرہ عورت سے چلتا ہے عورت بدلتی ہے تو معاشرہ بدلتا ہے۔ مرد وہی سوچتا ہے جو عورت سوچتی ہے بس اسے اپنی بات سمجھانی اور منوانی آنی چاہیے۔ مرد اسے سپورٹ کرتا ہے۔ عورت کو ذہنی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ میں نے فری سروسز اور فری کلاسز دیں۔ یونیورسٹی میں جا کر عورت کا مائنڈ پالش کیا۔ الحمدللہ عورت کا شعور بدل گیا۔ مجھ سے لفٹ نہ لینے والی لڑکیاں اب خود مجھ سے بائیک سیکھنے کو کہتی ہیں۔

پاکیزہ ✧...... بائیک چلانے پر لوگوں کی تحقیر اور تذلیل بھری نظروں اور باتوں کا ردِعمل پہلے کیا ہوتا تھا اور اب کیا ہوتا ہے؟

مرینہ سید ❖...... شروع میں انداز بالکل مختلف تھا۔ کچھ لوگوں کی باتوں سے مجھے لگتا کہ اللہ معاف کرے میں کوئی ایسا غلط کام کر رہی ہوں کہ مجھے جینے کا بھی حق نہیں ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ کیوں میں خود کو ثابت کر رہی ہوں مجھے جس عمل میں خوشی مل رہی ہے میں وہی کروں گی۔ لوگوں کی غلط باتوں پر دھیان دینا میں نے بند کر دیا۔ اب میں بہت خوش ہوں۔ خواتین کو تربیت دے رہی ہوں اور لوگ بھی خوش ہیں۔

پاکیزہ ✧...... آپ نے بائیک چلانے کی باقاعدہ تربیت کہاں سے حاصل کی؟

مرینہ سید ❖...... ایک جگہ سے نہیں کئی جگہوں سے سیکھا۔ یوٹیوب، گوگل سے ریسرچ کی، کبھی کبھار بائیک چلاتے بھی دیکھی ان کو کیچ کرتی تھی کہ کیسے چلا رہے ہیں۔ بائیک پنکچر ہو گئی تو کیا، کیا جائے گا۔ مشاہدہ کرتی جیسے کلچ ٹوٹ گیا تو کیسے اپنا کلچ خود بنا کے بائیک والے کے پاس جانا ہے، بہت ساری چیزیں لوگوں کو دیکھ کر اڈاپٹ کیں۔

پاکیزہ ✧...... بائیک پر آپ کا پہلا طویل سفر کیسا تھا؟

مرینہ سید ❖...... میرا پہلا پاکستان ٹور کراچی سے کشمیر تک کا تھا جو میری سب سے بڑی کامیابی تھی۔ پہلا تجربہ تھا میرا کہ میں گھر سے باہر نکلی تھی اس وقت میں سولہ یا سترہ سال کی تھی۔ بائیک کا تجربہ بھی میرا اتنا نہیں تھا۔ مشکل سے ملی لیکن فیملی کی اجازت ہی سے گئی۔ ایک برانڈ نے مجھے ہائر کیا تھا۔ ہم اسلام آباد سے منال ٹاور جا رہے تھے۔ میری بائیک 250cc تھی میرا قد پانچ فٹ تین انچ ہے بائیک مجھ سے بڑی تھی۔ ہلکی، ہلکی بارش ہو رہی تھی اور میں اونچائی کی طرف جا رہی تھی۔ میرے پیچھے ایک اور لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اچانک کلچ دبا دیا جو غلط تھا' مجھے نہیں دبانا چاہیے تھا (آہستہ آہستہ گر گرا کے میں بہت ساری چیزیں سیکھ چکی ہوں) کلچ دباتے ہی میری بائیک سلپ ہو گئی۔ پیچھے

ہماری پوری ٹیم تھی انہوں نے میری بائیک رکوا مجھے کسی طرح رکوایا شکر ہے کہ میں آگے تھی۔ سب سے آگے ہماری ٹیم کی گاڑی تھی اس کے بعد میں تھی اس کے پیچھے باقی ٹیم تھی اگر میں سب سے پیچھے ہوتی تو میرا بچنا ناممکن تھا۔ ایک اور لڑکی میری ذمے داری تھی۔ جہاں میں slip ہوئی وہاں نیچے پوری کھائی تھی۔

پاکیزہ ✧......فوری تاثر کیا تھا؟ اس حادثے نے ارادوں کو کمزور تو نہیں کر دیا؟

مرینہ سید ❖......میرے منہ سے بے ساختہ نکلا اوہ مائی گاڈ۔ میرے دل میں ڈر بیٹھ گیا تھا فیملی سے لڑکر آئی تھی کہ مجھے ٹور کرنا ہے میرے پیر پر چوٹ لگی تھی اس وقت میرا ڈر اتنا زیادہ تھا کہ میں نے سوچ لیا تھا کہ آج کے بعد بائیک کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی۔ تین دن تک میں نے بائیک کو ہاتھ نہیں لگایا۔ ہم لوگ ایوبیہ گئے میں نے کہا no more bike۔ پھر اس کے بعد جب واپس اسلام آباد گئے تو میں نے کہا کیوں نہیں یہ تو زندگی کا حصہ ہے۔ میں نے کہا چلو مرینہ اٹھو، چلاؤ۔ کل کچھ اور ہو سکتا ہے تو کیا میں زندگی سے ہار مان جاؤ گی؟ آج میں لڑکی ہوں کل عورت بنوں گی زندگی میں مشکلات آئیں گی اگر میں چھوٹی، چھوٹی مشکلات کو دیکھوں گی تو ایسے زندگی چلے گی نہیں۔ اس وقت اپنے ڈر کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے بسم اللہ پڑھ کر بائیک چلائی اور دوبارہ کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ سوچا رکنا نہیں ہے چلنا ہے۔ سو آج تک اس پر عمل کر رہی ہوں۔ ایک بات اور حادثے سے پہلے اماں کا فون آیا کہ مجھے کچھ برا لگ رہا تھا میں نے تمہارا صدقہ نکال دیا۔ ماں کے صدقے، محبت اور دعا کی طاقت نے مجھے بچالیا۔

پاکیزہ ✧......کبھی سوچا تھا کہ پروفیشنل بائیکر بنیں گی؟

مرینہ سید ❖......کبھی نہیں سوچا تھا کہ پروفیشنل بائیکر بنوں گی۔ بس ایک خواب پورا کرتی گئی اور لوگوں کے خواب پورے کرنے آگئی۔ اللہ نے بہت عزت دی اللہ کی بہت شکر گزار ہوں۔

پاکیزہ ✧......اکیڈمی کھولنے کا عزم کیا تو کامیابی کی توقع تھی؟

مرینہ سید ❖......ابتدا میں تو ڈر لگتا تھا کہ کیسے سکھاؤں گی لڑکیوں کو۔ میں خود چھوٹی تھی لڑکیوں کے حساب سے۔ ان کا ویٹ مختلف ہوتا ہے ان کی maintain key مختلف ہوتی ہے۔ بہت زیادہ ڈر بھی لگتا تھا۔ میں اکیلی بھی تھی پھر آہستہ، آہستہ مجھے سپورٹ کرنے کے لیے میرا بھائی میرے ساتھ

آیا۔ میری فیملی نے ساتھ دیا تو میرا حوصلہ بڑھا اور میں آگے بڑھتی چلی گئی۔ جب تک اپنوں سے حوصلہ نہیں ملا تھا میں بہت ناامید ہو جاتی تھی مجھے لگتا تھا میں نہیں کر سکتی تھک جاتی تھی۔ فیملی سے سپورٹ ملتا ہے تو پھر آپ اٹھتے ہیں یوں فیملی کا دیا حوصلہ اور دعائیں میری طاقت بن گئیں۔ دوستوں نے بھی سپورٹ کیا تو میں بس آگے چلتی چلی گئی۔

پاکیزہ ✧...... اپنی اکیڈمی کا نام آپ نے Rowdy Riders کیوں رکھا؟

مرینہ سید ✤...... اپنی اکیڈمی کا نام Rowdy Riders' اس لیے رکھا کہ Rowdy کا مطلب ہے بہادر Riders کا مطلب سب کو معلوم ہے مجھے ہمیشہ یہ لگتا تھا میں ایک معصوم سی لڑکی تھی اعتماد مجھ میں بالکل نہیں تھا تو جب خود بائیک پہ آئی تو میں نے محسوس کیا کہ اب میں انڈی پینڈنٹ ہوں۔ میں کوئی یونیک نہیں ہوں ہر لڑکی، ہر عورت کی طرح ہوں۔ بس ان کو ایک کک دینے کی ضرورت ہے تو میں نے اپنے نام پر نہیں رکھنا نام کا اثر بہت پڑتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ ہر خاتون کے اندر ایک Rowdy ہے بس اس کو جگانا ہے اور ان کے اندر کے Rowdy کو باہر لانا ہے اور وہ آیا بھی ہے باہر۔ Rowdy Riders میں ہم ٹیم کی طرح رہیں گے۔ دنیا کو دکھائیں گے کہ خواتین بھی ایک ہو کر رہ سکتی ہیں۔ لڑکیوں کا بھی گروپ بن سکتا ہے۔ ایک ہو کر کامیابی حاصل کر سکتی ہیں۔ پاکستان کی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکتی ہیں۔ انہیں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔

پاکیزہ ✧...... اب تک کتنی لڑکیاں آپ کے ادارے سے بائیک چلانا سیکھ چکی ہیں؟ اور کتنی اس وقت سیکھ رہی ہیں؟

مرینہ سید ✤...... تقریباً 2000 لڑکیاں تربیت حاصل کر چکی ہیں اور 23 لڑکیوں کا اندراج کیا جا چکا ہے۔

پاکیزہ ✧...... آپ بائیک کی کون، کون سی اقسام سکھانے کے لیے منتخب کرتی ہیں؟

مرینہ سید ✤...... Scooty - Bike نارمل 70...... ہم لوگ مہیا کرتے ہیں تربیت کے لیے۔ اس کے علاوہ وہ جو بائیک لے آئیں ہم سکھا دیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... کھلی جگہ کا انتخاب کرتی ہیں یا مین روڈ پر سکھاتی ہیں؟

مرینہ سید ✤...... شروع میں سڑک پر بالکل نہیں سکھاتی۔ کھلی جگہ بڑے میدان میں سکھاتی ہوں تاکہ زمین بھی ایسی جو مٹی، ٹی ہو سیفٹی زیادہ ہو وہاں پر جب برابر کلاسز کر لیتی ہیں سیکھ جاتی ہیں تو اس کے بعد ہم پھر انہیں سڑک پر لے آتے ہیں۔ کھلی جگہ بہترین ہے۔

پاکیزہ ✧...... لڑکیاں بہ آسانی سیکھ لیتی ہیں یا آپ کو بہت زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے؟

مرینہ سید ✤...... اکثر لڑکیاں بہ آسانی سیکھ لیتی ہیں اور کچھ کو تھوڑا وقت لگتا ہے۔ تاخیر سے وہی سیکھتی ہیں جو ڈرتی ہیں۔ میں ان کو وقت دیتی ہوں جلد بازی میں نہیں سکھاتی۔ میرے پاس ساٹھ سال کی عمر تک کی خواتین آتی ہیں جو شوگر اور بلڈ پریشر میں مبتلا ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ ایسی خواتین بھی آئیں جن کا آپریشن ہونے والا تھا۔ ان کو سیکھنے میں چھ ماہ لگ گئے میں نے ان سے کہا آپ آرام، آرام سے سیکھیے۔ بائیک کو جلد بازی میں نہیں سیکھنا ہوتا پہلے بائیک سے دوستی کرنی ہوتی ہے۔ جو جیسا ہے اس کے حساب سے سکھاتی ہوں۔

پاکیزہ ✧...... 'Rowdy Riders' کو آپ اپنے صبر و استقامت کا صلہ سمجھتی ہیں یا محض محنت کا؟

مرینہ سید ✤...... 'Rowdy Riders' ایک فیملی ہے۔ الحمد للہ جو بھی جوائن کرتا ہے ہم ان کو اور وہ ہم کو محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کافی صبر و استقامت کی ضرورت درپیش ہوئی اور رہے گی ہمیشہ۔

پاکیزہ ✧...... اب ہیوی بائیک چلانا آپ کے بائیں ہاتھ کا کمال بن گیا۔ کتنے عرصے میں آپ یہ کمال دکھانے کے قابل ہوئیں؟

مرینہ سید ✤...... تقریباً ایک سال لگتا ہے بائیک پر مہارت حاصل کرنے میں۔

پاکیزہ ✧...... کیا بائیک واقعی خطرناک سواری ہے؟

مرینہ سید ❖......بائیک واقعی بہت خطرناک سواری ہے۔ بائیک کو دیکھ کر اس کو وقت دینا ہے تو یہ اچھی سواری بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ سے کتنے ہی نوجوان بچوں کا حادثہ بھی ہوا ہے کراچی میں۔ میں کہتی ہوں کراچی میں بائیکو کلاسز بھی ہونا چاہئیں تا کہ سیکھنے والوں کو بائیک کے مثبت اور منفی پہلوؤں سے آگاہ کیا جا سکے۔ کیونکہ جب بچہ سیکھتا ہے تو اس کو لگتا ہے بہت آسان ہے کہ ہمارا جسم آئرن مین کی طرح ہے ہمیں کچھ نہیں ہو سکتا اس سوچ سے جان بھی چلی جاتی ہے۔

پاکیزہ ❖......کیا بائیک چلانے والوں کو دیگر سواریوں کے مقابلے میں خاص احتیاط کرنی پڑتی ہے؟ سب؟

مرینہ سید ❖......بالکل نارمل ہوتی ہے کوئی خاص احتیاط نہیں کرنی پڑتی اہمیت وہی ہے جو دوسری سواریوں کی ہوتی ہے۔ پاکستان میں تو گاڑیوں میں بیٹھ کر بھی سیٹ بیلٹ نہیں باندھی جاتی ہے۔ تو میں prefer کرتی ہوں کہ بائیک پر ہیلمٹ پہن کر ضرور بیٹھیں۔

پاکیزہ ❖......آپ کو کب اور کیسے احساس ہوا کہ آپ کو بائیک چلانے میں مہارت آچکی ہے؟

مرینہ سید ❖...... 2017ء میں جب میں نے پاکستان ٹور کیا اس میں تقریباً 7000 کلومیٹر... بائیک چلائی ایک مہینے تک اور میں بہت بار گری، اس وقت بھی میں اتنی پرفیکٹ نہیں تھی پھر جب میں نے اپنی کلاسز شروع کیں۔ لڑکیوں کو بائیک سکھائی اور ایک چیز کو بار، بار بتائی گئی اور بہت کچھ میں نے اپنی اسٹوڈنٹس سے بھی سیکھا۔ جب ایک بندہ کام کر رہا ہوتا ہے تو وہ صرف اپنی غلطیاں دیکھتا ہے جب وہ پھر بتانے میں آتا ہے تو پھر وہ بہت سارے لوگوں کی غلطیاں دیکھتا ہے، مشورے دیتا ہے۔ اصل میں جب میں نے خود تربیت دینا شروع کی تب مجھے پتا چلا کہ ہاں مجھے اب بائیک میں سب کچھ پتا چلا ہے۔ اگر سچ کہوں تو ابھی بہت کچھ ہے جو ہمیں دیکھنا ہے، سمجھنا ہے ہم لوگ ہمیشہ پرفیکٹ نہیں ہو سکتے ہم ہر عمر میں سیکھنے کی اسٹیج میں ہوتے ہیں۔ اور اب بھی میں سیکھ رہی ہوں، اتنی پرفیکٹ نہیں ہوئی ہوں۔ یہ ایسی چیز ہے اگر چھوڑ دیں تو ختم ہو جاتی ہے یہ ٹیکنالوجی مشین ہے مشین کو چھوڑنا نہیں ہے۔ اس مشین کا ساتھ دینا ہے، اس کو سمجھنا ہے اس مشین کے بارے میں جتنا سمجھو جتنا سیکھو اتنا کم ہے۔ کبھی یہ نہ سمجھو کہ ہم سب سیکھ چکے ہیں۔

پاکیزہ ❖......آن لائن کلاسز کے ذریعے بائیک چلانے کی تربیت مشکل ہے یا آسان؟

مرینہ سید ❖......کوئی مشکل نہیں۔ آن لائن ہم سمجھا سکتے ہیں، سکھا سکتے ہیں۔ میں نے ابھی تک آن لائن کلاسز نہیں دیں لیکن جتنی بھی میں نے اپنی وڈیوز بنائی ہیں اسے دیکھ کر بہت سی لڑکیوں نے بائیک چلانی سیکھی۔ اگر ہم آن لائن کلاسز شروع کرتے ہیں تو مجھے سو فیصد آئیڈیا ہے کہ لڑکیاں آن لائن بائیک چلانا سیکھ سکتی ہیں۔ کوئی مشکل نہیں بہت آسان ہے۔

پاکیزہ ❖......کیا آپ سمجھتی ہیں کہ بائیک چلانا لڑکیوں کے لیے معزز اور سودمند ذریعۂ روزگار ہے؟

مرینہ سید ❖......جی بالکل ہے۔آپ اس کام کی عزت کریں خود بخود معزز ہو جائے گا۔اگر گاڑی افورڈ نہیں کر سکتیں اور پٹرول کے دام بھی آئے دن آسمان کو چھونے لگتے ہیں۔بائیک میں گاڑی کے مقابلے میں پٹرول کم جاتا ہے۔بائیک پر لڑکیاں اپنے کام خود کر سکتی ہیں۔کوئی بھی کام کرنے کے لیے سب سے پہلا خیال یہی آتا ہے جاؤں گی کیسے؟میں کروں گی کیسے؟ان سب کا ایک ہی جواب ہے کہ اگر دوسری سواریوں میں مشکل ہو تو اپنی بائیک پر سفر کر کے وقت اور پیسے کی بچت بھی کر سکتی ہیں۔

پاکیزہ ❖......فیچر فلم کی پیشکش پر فوری حامی بھر لی تھی یا کشمکش میں مبتلا ہو گئی تھیں؟

مرینہ سید ❖......میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ فلم میں کام کروں گی۔میں خود انٹرویو دینے گئی تھی۔اداکاری سے میرا کبھی تعلق نہیں رہا لیکن بائیک کے شوق نے مجھے فلم دلائی۔

پاکیزہ ❖......فلم میں کام کرنے کا تجربہ کیسا رہا؟ گھر والوں اور عوام نے کتنا سراہا؟

مرینہ سید ❖...... میرا تجربہ بہت زبردست رہا۔ بہت مزہ آیا، میرے ساتھ، ساتھ میرے اسٹوڈنٹس کو بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔الحمد للہ گھر والوں کو بھی اچھا لگا۔میرا کام بہت پسند آیا۔عوام نے بھی بہت تعریف کی۔

پاکیزہ ❖......ٹک ٹاک سے کس حد تک دلچسپی ہے؟

مرینہ سید ❖......ٹک ٹاک سے میری دلچسپی اتنی ہے کہ مجھے موسیقی بہت پسند ہے لپ سنگنگ بہت پسند ہے۔تو بس ٹک ٹاک مجھے تب سے اچھا لگا جب میں نے بائیک چلانے کا اپنا سلسلہ شروع کیا تھا تو ٹک ٹاک میرا پہلا پلیٹ فارم تھا جہاں سے میں نے اپنی بائیک کی مارکیٹنگ کی تھی۔

پاکیزہ ❖......سوشل میڈیا پر کیے جانے والے مقبول شخصیات کی نجی زندگی پر تبصرے ان کی حقیقی زندگی پر کیسے اثر انداز ہوتے ہیں؟اس ضمن میں کبھی آپ کو مسئلہ ہوا؟

مرینہ سید ❖......جب کوئی ترقی کرتا ہے تو بہت سارے لوگ حسد کا شکار ہو جاتے ہیں۔اکثر سوشل میڈیا پر آپ کے خلاف جھوٹی بات پھیلانے والے وہی ہوتے ہیں جن پر آپ بہت بھروسا کرتے ہیں۔تب آپ ہرٹ ہوتے ہیں۔حقیقی زندگی میں بس اتنا سا فرق پڑتا ہے جیسے ہوا چلنے لگے تو بال اڑنے لگتے ہیں تو بس کچھ چیزیں اڑتی جاتی ہیں۔

پاکیزہ ❖......کیا بچپن میں چیلنجز کا سامنا کرنے سے گھبراتی تھیں؟

مرینہ سید ❖......جی بہت زیادہ ڈرتی تھی۔

پاکیزہ ❖......پاکستان میں کسی ایسے تربیتی ادارے کی کمی محسوس ہوتی ہے جہاں لڑکیوں کو پروفیشنل بائیکنگ کی بین الاقوامی معیار کی تربیت دی جائے؟

مرینہ سید ❖...... جی بالکل ہوتی ہے۔دعا یہی ہے کہ ایسے کسی ادارے کا قیام عمل میں آئے۔اور ان شاءاللہ ... وہ دن ضرور آئے گا جب یہ خوشی ہم کو ملے گی۔

پاکیزہ ❖......آج کل کینیڈا میں مقیم ہیں کیا وہاں بھی بائیک کی تربیت کا سلسلہ جاری ہے؟

مرینہ سید ❖......جی بالکل الحمد للہ یہاں بھی شروع کر دیا ہے۔

پاکیزہ ❖......کینیڈا اور پاکستان میں بائیک سکھانے کے لیے طریقہ کار میں بنیادی فرق کیا ہے؟ لڑکیوں کو بائیک چلانے کی آزادی کہاں زیادہ حاصل ہے؟

مرینہ سید ❖...... میرا مشاہدہ یہی ہے کہ خواہ پاکستان ہو، ایران ہو، افغانستان ہو، انڈیا ہو کہیں پر بھی ہو لڑکیاں کیا لڑکوں کے حساب سے بھی بائیک محفوظ نہیں ہے۔کیونکہ دو پہیے ہوں اور سڑک پر آپ کو سیفٹی تو لازمی لینی ہے۔پاکستان میں لوگ helmet، safety leg اور elbow نہیں پہنتے یہاں پہنتے ہیں یہاں پر روڈ خالی بھی ہے۔ہر جگہ ہائی وے کی جو سڑک ہوتی ہے وہاں 110,90 کی رفتار ہوتی ہے تو ڈر لڑکیوں کے ساتھ زیادہ لگتا ہے لوگوں کو کہ لڑکیوں کے اگر لگ جائے تو

وہ ختم ہی ہو جائیں گی ویسے کسی کو بھی لگ جائے تو ختم ہی ہوتا ہے تو یہاں پر بھی پیرنٹس اگر اپنی بچیوں کو بائیک گفٹ دیتے ہیں ان کی خواہش پر تو ایک دو بار کے علاوہ انہیں چلانے نہیں دیتے اور یہاں پر سردی بھی زیادہ ہوتی ہے، ابھی یہاں پر بھی آگہی اتنی نہیں ہے۔ یہاں بھی 7 scooty کا تو نہیں لیکن وہ بھی اگر ہو تو صرف گاڑی ہے گاڑی چلاؤ بائیک نہیں کیونکہ ڈر ہے کہ سڑکوں پر ٹریفک بہت تیز ہے۔ ہائی وے پر بہت تیزی سے چلاتے ہیں تو حادثہ نہ ہو۔ میری بچی کو کچھ ہو نہ جائے۔ لڑکی بائیک لیتی بھی ہے تو گروپ کے ساتھ جاتی ہے تو وہ بھی بہت کم لڑکیاں otherwise چار پانچ سال پہلے بائیک لی ہے تو پانچ سال میں صرف دو یا تین ہزار کلو میٹر چلائی ہو گی وہ بھی گروپس میں اکیلے نہیں۔ مجھے یہاں پر یہ ڈر ختم کرنا ہے۔ باقی فرق اتنا نہیں ہے۔ سکھانے میں اتنا مشکل نہیں ہے یہاں لڑکیوں کو سائیکلنگ آتی ہے۔ بس ان کا ڈر ختم کرنا ہے کہ چلاؤ حفاظت کے ساتھ۔

پاکیزہ ✧...... آپ کا پسندیدہ رشتہ، شخصیت، خوشبو، پھول، وقت، موسم، کھیل، پسندیدہ ڈش۔

مرینہ سید ❖...... فیملی، ماں، گلاب کی خوشبو، گلاب کا پھول اگر باغیچے میں ہو تب، روز میری اور ایلو ویرا ان کی میری زندگی میں خاص اہمیت ہے خاص طور پر خرید کر لاتی ہوں، دوستوں کے ساتھ جو وقت گزرے وہ بہت عزیز ہے، کھیل زندگی کا پسند ہے، سردی کا موسم، دیسی کھانے۔

پاکیزہ ✧...... مداحوں کا کون سا رویہ خوشی دیتا ہے اور کون سا بیزار کر دیتا ہے؟

مرینہ سید ❖...... عزت اور تمیز سے پیش آئیں تو خوشی ہوتی ہے، گالم گلوچ، بد تمیزی، بھرم بازی کا رویہ بیزار کر دیتا ہے۔

پاکیزہ ✧...... مستقبل میں پروفیشنل بائیکر بننے کی خواہشمند لڑکیوں کی رہنمائی کے لیے آپ کیا کہیں گی؟

مرینہ سید ❖...... بائیک ضرور چلائیں لیکن تھوڑی سی احتیاط اور حفاظت کے ساتھ۔ اپنے میں غرور نہیں لے کر آئیں۔ اپنے لہجے میں، اپنی بائیک میں، اپنی ہر چیز میں ٹھہراؤ لے کر آئیں۔ جس دن غرور آ گیا اپنی بائیک کو لے کر اپنے نام سے متعلق وہ چیز ختم ہو جاتی ہے۔ جتنا بھی پروفیشنل بنو، جتنا آگے بڑھو، جتنا نام کماؤ اتنا ہی اپنے لہجے میں ٹھہراؤ اور جھکاؤ لے کر آؤ بائیکر کی حیثیت سے اور اٹھو گی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دوسری لڑکیاں چاہے وہ اسکوٹی چلا رہی ہوں چاہے وہ پروفیشنل بائیکر نہ ہوں کہیں پر بھی دیکھو تو ایک دوسرے کو سلام کریں، محبت بھری نظروں سے دیکھیں حسد نہ لے کر آئیں۔ یہ میری دلی خواہش ہے اور یہی میرا پیغام بھی ہے۔ (ماشاء اللہ، بہت اچھا پیغام)

معزز قارئین!

آپ کو مرینہ سید سے ملاقات کیسی لگی؟ سچ تو یہ ہے کہ مرینہ سے انٹرویو کے دوران اس شعر کے حصار میں رہی

ارادے جن کے پختہ ہوں، نظر جن کی خدا پر ہو
تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

اللہ کریم مرینہ سید اور ان جیسی باعزم خواتین کے حوصلوں کو ہمیشہ بلند رکھے، آمین۔

☆☆☆

بقیہ: بیادِ معراج رسول

معراج صاحب اتفاق، معجزے اور محبت پر پختہ یقین رکھتے تھے۔ میں نے انہیں یہ کہتے سنا ہے۔ ”درحقیقت، محبت ایک معجزہ نما حسین اتفاق ہے جو صرف خوش بخت افراد ہی کے حصے میں آتا ہے۔“ وہ ہشت پہلو شخصیت کے مالک تھے مگر ان کی ذات کا روحانی گوشہ کبھی منظرِ عام پر نہیں آسکا۔ وہ تصوف پر تصرفانہ نگاہ رکھتے اور ان کا وجدان بھی کمال کا تھا۔ ان کا عقیدہ اس فلسفے کا ست تھا کہ انسان کو اپنے خالق کے ساتھ کبھی دھوکا نہیں کرنا چاہیے بہت اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ ہونے کے باوجود بھی وہ گفتار کے غازی اور مجاہد تھے۔ طبعاً ایک کم سخن انسان تھے لیکن ہم خیال اور قابل اعتنا افراد کی مجلس میں وہ میرِ محفل بن کر ابھرتے تھے۔ زندگی کے جس رخ سے کبھی ان کا علاقہ نہیں رہا، اس کی بابت بھی وہ بڑی زرخیز معلومات رکھتے تھے۔ بات چیت کے دوران ... برمحل الفاظ اور برجستہ فقروں کے چناؤ میں انہیں کسی دقت یا دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ بس، وہ ایسے ہی منفرد اور عبقری انسان تھے۔ بڑے، بڑوں کی سمجھ میں نہ آنے والے اور عقل مندوں کے ہوش اڑا دینے والے۔ پھر ایک روز وہ خود بھی اُڑ گئے...... فضائے بسیط میں کہیں گم ہو گئے، کبھی واپس نہ آنے کے لیے...... اپنی یاد دلانے اور اپنوں وغیروں کی آنکھ کا آنسو بن جانے کے لیے......

سنتے، پڑھتے اور دیکھتے، دیکھتے یہ تلخ حقیقت سمجھ میں آہی جاتی ہے کہ اس دنیا میں آنے والے ہر شخص کو لوٹ کر بھی جانا ہے۔ اکثر انسان زندہ ہوتے ہوئے بھی دوسروں کے ذہن میں جگہ نہیں بنا پاتے اور بعض انسان اس دنیا سے چلے جانے کے باوجود بھی لوگوں کے دل کا نقش، ان کی یاد کا حصہ بن جاتے ہیں۔ سیانے کہہ گئے ہیں کہ زندگی میں انسان کو اور مرنے کے بعد اس کے کام کو یاد رکھا جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگ بڑے خاص ہوتے ہیں، ہر پل دل کے آس پاس ہوتے ہیں اور ان کے جانے سے بہت کچھ چلا جاتا ہے۔

معراج صاحب بھی ایک ایسے ہی یادگار اور انمول انسان تھے۔ اس دورِ خرابہ میں ان کا سا کہاں سے لائیں؟ ان کی یاد میں بس یہی کہا جاسکتا ہے...... وہ ایک شخص جو پورے چمن کو ویران کر گیا۔

یہ اجنبی سی منزلیں اور رفتگاں کی یاد
تنہائیوں کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستو......

معراج رسول ہر ایک کا دوست

معراج صاحب کے دیرینہ دوست انور صلاح الدین

معراج کی شخصیت ہمہ گیر تھی۔ وہ ادبی محفلوں میں بہت مقبول تھے۔ اُن کے حلقۂ احباب میں محض ادیب ہی نہیں بلکہ ادب کا عمدہ ذوق رکھنے والے اور عام افراد بھی شامل تھے۔ نو آموز ادیب اور خاص طور پر یونیورسٹی کے طالب علم اُن کے پاس رہنمائی حاصل کرنے اور تصحیح کروانے آتے تھے۔ معراج اپنی ذات میں انجمن ہی نہیں ادارہ بھی تھے۔ نہایت صاف گو انسان تھے۔ انسانیت کا یہ عالم تھا کہ اپنا درد بھول کر دوسروں کی مدد کے لیے تیار رہتے تھے۔ بذلہ سنج بھی تھے، اُن کے چٹکلوں سے محفل میں جان پڑ جاتی تھی بعد میں بھی اُن کے چٹکلے یاد کر کے لوگ لطف اندوز ہوتے تھے۔ جس نے بھی ایک مرتبہ معراج رسول سے بات کر لی وہ اُن کا ہمیشہ کے لیے ہو جاتا تھا۔

تعزیتی پیغام...... ثمینہ کوکب، جہلم

معراج رسول ایک عہد ساز شخصیت سب کو غمزدہ و رنجیدہ چھوڑ کر اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔ اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات عطا ہوں اور متعلقین کے لیے صبر و رضا عطا ہو، آمین۔ پاکیزہ کا معیار جو اتنا اعلیٰ ہے ان کی دن رات کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اللہ پاک معراج بھائی کی قبر روشن فرمائے، اعلیٰ

درجات کے ساتھ۔ عذرا آپی کو مزید ہمت اور آسانیاں عطا ہوں رب کریم کی طرف سے اور عذرا آپی کو صحت وسلامتی والی زندگی عطا ہو آمین یارب العالمین معراج بھائی صاحب کے لیے۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

رُودادِ وفا......ڈاکٹر ممتاز عمر، کراچی

معراج رسول صاحب کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔ ان کی یہ نسبت اس حوالے سے منفرد و ممتاز ہے کہ اس مردم خیز زمین نے خواجہ حیدر علی آتش، شیخ امام بخش ناسخ، مولانا عبدالحلیم شرر، رجب علی بیگ سرور جیسے یکتائے روزگار اہل علم ودانش کو جنم دیا۔ اگر لکھنؤ کی نسبت سے شخصیات کا تذکرہ شروع ہوا تو موضوع طویل ہوتا جائے گا۔ میں تو محض وہاں کی علمی و ادبی حیثیت کا تذکرہ کررہا ہوں جس کے ایک چشم و چراغ معراج رسول بھی ہیں جو ہجرت کے بعد پاکستان تشریف لائے اور یہاں قلم و قرطاس کے شعبے سے وابستہ رہے۔ ان کا قلب حزیں اصلاح معاشرہ، ہمدردی اور خدمت انسانی سے لبریز تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ایسے مؤقر جریدے کی ضرورت ہے جس میں تاریخی، معاشرتی اور سماجی موضوعات پیش کیے جاسکیں۔ یہ وہ دور تھا جب الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کا وجود تک نہ تھا۔ لوگوں کی تفریح طبع کی خاطر جہاں ناولز، افسانوں اور شاعری کا شغف پایا جاتا تھا وہیں اس بات کی ضرورت بھی تھی کہ دلچسپ پیرائے میں ایسے موضوعات سامنے لائے جائیں جو حیرت واستعجاب کے ساتھ دلچسپی کی ان بلندیوں کو چھوتے ہوں جہاں تک انسانی عقل ودانش کی پہنچ نہ ہو۔ یہی نہیں کچھ ایسے تجربات ومشاہدات بھی پیش کیے جائیں جو عام زندگی کا حصہ ہیں۔ جاسوسی ڈائجسٹ کے اجرا سے معراج رسول کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ ان کے لیے آگے بڑھنے میں معاون و مددگار رہی۔ عوام الناس کے ذوق وشوق کو دیکھتے ہوئے بہت جلد سسپنس ڈائجسٹ منظرِ عام پر آیا۔ اس موقع پر خواتین کی دلچسپی کے پیش نظر پاکیزہ ڈائجسٹ بھی منصۂ شہود پر آیا تو معراج رسول اور ان کے ادارے کو بقائے دوام کی سند حاصل ہوئی۔ معراج رسول صاحب نے کوشش کی، ان کے رسائل میں زبان وبیان نہایت سادہ اور آسان ہو، مشکل گوئی سے وہ بہت دور رہنا چاہتے تھے، البتہ موضوعات ایسے منتخب کرتے تھے جن میں اثر آفرینی، دلکشی بدرجہ اتم موجود ہوتی تھی۔ معراج رسول ایثار و ہمدردی کا پیکر تھے۔ ان کے ساتھ کام کرنے والے ایک خاندان کی طرح تھے۔ جب بھی کوئی کسی مشکل یا آزمائش سے دوچار ہوتا، معراج صاحب بڑھ کر اسے سہارا دیتے۔ کئی لکھنے والوں کی رہائش کے حصول میں اس طرح مدد کی کہ ان کے اپنے بھی اتنے بے لوث انداز میں شاید ہی تعاون کرپاتے۔

آج معراج رسول صاحب ہمارے درمیان موجود نہیں مگر ان کی اہلیہ عذرا رسول جس طرح ان رسائل کو جاری رکھے ہوئے ہیں وہ ان ہی کی تربیت کا نتیجہ کہا جاسکتا ہے۔ اس روایت کو برقرار رکھتے ہوئے محترمہ نے جدت اور ضرورت کو مدنظر رکھا ہے۔ سوشل میڈیا کی آمد نے پڑھنے پڑھانے کے رواج کو بالائے طاق رکھ دیا ہے مگر ان سخت حالات میں بھی ان رسائل کا اجرا معراج رسول صاحب کے لیے صدقۂ جاریہ کہا جاسکتا ہے۔

بیادِ معراج رسول......افتخار شوق، میاں چنوں

”کچھ لوگ کتنے زندہ اور جاوداں ہوتے ہیں جو دلوں میں رہتے ہیں لفظوں میں زندہ رہتے ہیں۔“ یہ فقرہ معراج رسول پر صادق آتا ہے۔ انہوں نے ایسے ادبی کیمپس کی بنیاد رکھی اور ایسے الاؤ روشن کیے جس سے لوگوں میں ذوقِ مطالعہ پیدا ہوا اور افسانہ نویسی کو باقاعدہ فن کا درجہ ملا۔ اردو ادب کے اہل قلم اور شعرا کا فنی مقام متعین کیا۔ اردو افسانہ نگاروں نے تخلیقات کے ذریعے ان کے وسیع دامن میں پناہ لی۔ اردو ادب میں معراج رسول کا نام ہی ان کے مقام و مرتبہ کا تعین کرنے کے لیے کافی ہے۔

میری تو آخر تک یہی خواہش کسک بنی رہے گی کہ کاش میں ایک دفعہ ان سے ملی ہوتی اور میڈم عذرا رسول صاحبہ اور معراج رسول کو اکٹھے بیٹھ کر سنتی۔

کچھ تم بھی کہو کچھ ہم بھی سنیں

نزہت اصغر

کوئی انسان کتنا ہی تنہائی پسند ہو، خاموش طبیعت ہو یا آدم بیزار ہو، کسی ایک وقت وہ ضرور چاہے گا کہ کوئی غمگسار، کوئی چارہ ساز، کوئی ایسا سامع ضرور ہو جو اس کی ذہنی و قلبی کیفیات کی داستان سننے کا حوصلہ رکھتا ہو۔

کچھ لوگ محفل پسند ہوتے ہیں...... دوستوں کے مجمعے میں رشتے داروں کے جھرمٹ میں رہنا چاہتے اور کچھ اس کے برعکس بھی...... مگر یہ تو سبھی مانیں گے کہ انسان ہی انسان کی دوا ہے۔ جلد یا بدیر کبھی نہ کبھی ہم نشینوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ بس اسی نظریے کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم بھی اپنے قارئین کرام سے ان کا احوال دل بذریعہ قلم سننا چاہتے ہیں۔ جاننا چاہتے ہیں۔ اسی لیے مختلف سلسلے ترتیب دیتے رہتے ہیں تو عزیزو! اپنی دلی کیفیات، ذہنی رجحانات سے ضرور آگاہ کریں وہ بھی...... ان سوالوں کے جواب کے ذریعے......

۱۔ شعوری منازل طے کرنے کے بعد کب احساس ہوا کہ کوئی ہم راز، ہم دم، غم گسار ہونا چاہیے۔ کس لمحے، کس موقع پر کسی کا کوئی جملہ کہ جس نے یہ احساس جگایا ہو۔

۲۔ حال دل کہنے کے لیے، سنانے کے لیے، بتانے کے لیے کورے کاغذ یا ڈائری کا سہارا لیا یا پھر کسی انسانی وجود کا......

۳۔ انسان خود اپنا راز دار کیسے ہوتا ہے؟

عزیز قارئین

اس سلسلے میں ہر عمر، ہر طبقے ہر فکر کی بہنیں حصہ لے سکتی ہیں۔ اس طرح آپ کے لکھنے کی صلاحیت بھی دو چند ہو گی اور کچھ دل بھی ہلکا ہو جائے گا۔

جاتے سال میں کیا کچھ گزرا آنے والے پل کے لیے کیا کچھ سوچا ہے۔ سب کچھ لکھ ڈالیے......

☆ زیب وسیم...... کراچی

(1) شعوری منازل طے کرنے کے بعد میرے کاندھے پر سر رکھ کر میری والدہ اپنا دل ہلکا کرتی تھیں مگر مجھے خود کوئی ایسا نہیں ملا اب تک اور نہ ہی احساس کرنے والا ہی ملا۔

(2) حالِ دل کہنے کے لیے کاغذ اور قلم سے اپنا تعلق بنایا اور اس خوف سے کاغذوں کو ضائع بھی کر دیا کہ گھر والے خصوصاً میرے شوہر نہ پڑھ لیں۔ بہت بے رحم انسان

ہیں، ہر بات کو منفی انداز میں لینے کی عادت ہے۔ یہ سلسلہ دل سے اچھا لگا اس لیے قلم اٹھالیا اور اپنا حالِ دل عیاں بھی کر دیا۔

(3) میں 30 سال سے بہت سارے راز دل میں رکھے ہوئے ہوں۔ کوشش کرتی ہوں میکے، سسرال میں...... بے وقعت نہ ہو جاؤں۔ زیادہ تر چپ رہتی ہوں، مرحومہ والدہ کی دعائیں اور نصیحت کے ساتھ۔

☆نرگس نسیم، صابہ موھڑہ

نزہت صاحبہ، میں مجموعی طور پر حالِ دل لکھ رہی ہوں، اب اس میں آپ کے سوالوں کے جوابات بھی ہیں۔ (امید ہے پسند آئیں گے)۔

پاکیزہ تو باقاعدگی سے پڑھ رہی ہوں، کبھی کبھار پرانے رسالوں پر نظر پڑے تو بہت کچھ یاد آ جاتا ہے...... بھولی بھٹکی ہوئی یادیں چھم سے آن وارد ہوتی ہیں۔ رفعت سراج کے لمبے بالوں کا قصہ ہو یا شادی کا احوال، ہر، ہر بات یاد ہے...... کاش پھر سے وہی محفلیں لوٹ آئیں، صائمہ اکرم کے مزاحیہ تبصرے...... ملتان کا سوہن حلوا اور تبصرہ نگاران و مصنفات کے لیے ایوارڈ کی تقریبات۔

پیاری قارئین بہنوں میرے ہاتھوں میں ابھی 1989ء کا رسالہ ہے۔ بہتے پانی پہ مکاں کے ہم نے اکثر اشتہار ہی دیکھے تھے اب تھوڑا پڑھ بھی لیا۔ عارفہ صدیقی کی جوانی کی تصویریں و ملاقات۔ گلریزے...... خبر ہے کہ روحی بانو نے عالمی چیمپئن محمد علی سے مصافحہ کیا۔ اس دور میں یہ کتنی عجیب بات سمجھی جاتی تھی۔ مرد و عورت کا مصافحہ کرنا جو کہ شریعت میں بھی جائز نہیں، اسی لیے یہ بات شہ سرخی بنی۔ کل اور آج کا ذرا موازنہ نہ کریں؟ پاکستان ٹیلی ویژن کے فنکاروں کو ماتھے پر بندیا لگانے کی ممانعت اور آج دیکھ لیں اسی لیے تو اس وقت فیملی کے ساتھ بھی دیکھ سکتے تھے سب کچھ۔ تانک جھانک مشہور لوگوں کی خبروں پر مشتمل ایک دلچسپ سلسلہ، پاکیزہ بہنیں ٹی وی پروگراموں پر تبصرے کرتیں، کاش یہ سلسلہ پھر سے شروع ہو جائے...... پیامِ شوق اس میں بھی پاکیزہ بہنیں اپنے پسندیدہ گلوکاروں پر اظہار رائے کرتیں...... بزمِ پاکیزہ، رضیہ بٹ کا سلسلے وار ناول دل اور پتھر پڑھا، آپی کتنے پیارے ناول سب لکھتے تھے۔ واقعی دلوں کو چھو لینے والی تحریریں۔

آپی کمال ہے اتنا پیارا پاکیزہ ابتدا سے ہی اتنا دلکش تھا کیا کمال کی تحریریں تھیں۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کا مکمل انٹرویو مع تصاویر۔ ماشاء اللہ آپی ذکیہ کتنی پیاری ہیں...... یادِ ماضی عذاب ہے یارب۔ عہدِ رفتہ کو آواز دے...... آپی بہت کچھ یاد آ گیا جب ہم رسالوں کو اسکول کورس کی کتابوں کے اندر رکھ کر پڑھا کرتے تھے اور ہماری بھولی بھالی مائیں ہماری بلائیں لیتیں۔ خشک میووں کا حلوا، دودھ بادام کا گلاس پاس رکھتیں کہ میری بچی کتنی پڑھاکو ہے، پڑھ لکھ کر وڈی افسر بنے گی کہ جب دیکھو پڑھتی رہتی ہے۔ اس وقت شوق تھا پڑھنے کا کورس کے علاوہ بھی دوسری کتابیں پڑھنے کا اور آج کل یہ رجحان میڈیا کی بنا پر کم ہوتا جا رہا ہے جو کہ خوش آئند نہیں جبکہ مطالعے سے انسان کی ذہنی نشوونما بھی ہوتی ہے...... بس بات ہے صرف سمجھنے کی۔

یہ تھی ہماری داستان جو ہم نے کچھ تم بھی کہو اور کچھ ہم بھی سنیں کے نام کر دی۔ حالِ دل سب پاکیزہ سے ہی کہا سنا۔

ثوبیہ ظہور ...... ضلع اٹک

(1) جی کیا سوال پوچھ ڈالا۔ بچوں کی کہانیاں پڑھتے، پڑھتے ہمارا بھی دل چاہا کہ کسی کو اپنا ہم راز بنائیں کہ جو شہزادے کو ہمارے دل کا حال سنا ڈالے...... پھر اپنے آپ سے ہی باتیں کیں جس کے کوئی، کوئی جملے کبھی امی جان کے کانوں میں بھی پڑے پھر انہوں نے سمجھایا کہ شہزادے تو کہانیوں میں آتے ہیں۔ بس دل چاہا ہم بھی رسالے میں گھس کر کہانی والی شہزادی ہی بن جائیں۔ بس اپنی کلاس فیلو کو اپنا ہم راز بنالیا جو ابھی تک راز دار ہی بنی ہوئی ہے۔

(2) ہاں ناں، اپنی پیاری سہیلی دُرِ شہوار کو ہم راز بنایا۔ بس باتیں، باتیں اور باتیں کہ گھر والے کہتے تھے تم دونوں کی زبان نہیں تھکتی۔ اس لیے کہ وہ پڑوس میں رہتی تھی تو بس ہر وقت کی باتیں اور کیا۔ کاغذ سے دوستی کافی بعد میں ہوئی۔ ڈر لگتا تھا کوئی ہماری باتیں پڑھ نہ لے۔

(3) ہمارا تو ہم راز ہمارا آئینہ ہے اور ہمارا دل ہے۔ بس اس کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے نقش و نگار بھی سنوارتے ہیں اور دل کی باتیں بھی کر لیتے ہیں۔ اب سہیلی سے بھی تو کچھ باتیں چھپانی ہوتی ہیں ناں، سمجھا کریں۔

☆☆☆

بہنوں کی محفل

مدیرہ

خط کتابت کے لیے پی او باکس 662 جی پی او کراچی 74200 ای میل: jdpgroup@hotmail.com

03316266612,021.35386783.021.35802552.Ext:110

پیاری اور عزیز ترین بہنو...... السلام علیکم!

تمام تر حمد و ثنا اس خالق و مالک کے لیے ہے جو وحدہ لاشریک ہے۔ وہ رب العزت جس نے اپنی حکمتِ کاملہ سے ہر صنعت کو محکم و خوب ترین بنایا۔ وہ سمیع و بصیر قادر مطلق ہے۔ کائنات کی ہر شے ثنائے پروردگار میں محو ہے اور اللہ کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کے تحفے نچھاور کرتی ہے۔ خدایا رحمت نازل فرما اپنی محبوب ہستی پر کہ جو شافع روزِ محشر ہیں اور تمام مخلوقات عالم کے لیے وسیلۂ نجات ہیں۔

تمام دوست دارانِ ادب کے لیے پُرخلوص دعائیں ہیں۔

☆☆☆

کچھ باتیں اپنی بہنوں سے

پیاری بہنو...... پُرخلوص سلام اور دعائیں لیے آپ کی محفل میں حاضر ہوں۔

آپ سب کے کیا حال ہیں۔ کچھ خاندانی مصروفیات کی وجہ سے باقاعدگی سے آپ بہنوں سے رابطہ نہیں ہو پایا۔

جیسے کہ ساری بہنیں جانتی ہیں کہ فروری معراج صاحب کی برسی کا مہینہ ہے...... بے شک انہیں یاد کرنے کے لیے صرف ایک یہی ماہ نہیں...... ان کی یاد تو ہر لمحہ رہتی ہے اور ان کے شروع کیے ہوئے ویلفیئر کے کام الحمدللہ اسی طرح جاری ہیں۔ لوگ ان کو ہر وقت دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ زندگی میں ایسے کام ضرور کر جائیں کہ لوگ آپ کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ معراج صاحب کے درجات بلند فرمائے اور اللہ میری مدد فرمائے کہ ان کے شروع کیے ہوئے صدقۂ جاریہ کے کاموں کو رُکنے نہ دوں۔ آمین

پچھلے دنوں ہماری پیاری دوست غزالہ رشید جو کہ پاکیزہ کے اولین دنوں سے ساتھ ہیں نے میری بھتیجی کی شادی کے ذکر کو جو میں نے پاکیزہ میں کیا تھا بہت ہی خوب صورت انداز میں سراہا کہ واقعی بہن بھائیوں سے اتنا اچھا تعلق بنا ہوا ہو تو زندگی میں کتنا لطف آتا ہے۔ واقعی غزالہ تم نے سچ کہا، زندگی کا مزہ ہی سب سے مل کر رہنے میں ہے۔

دسمبر کے شمارے میں عالیہ حرا نے بہت لاجواب تحریر دی جسے تمام قارئین نے بہت پسند کیا۔ شاباش عالیہ حرا۔ ایسی ہی لاجواب تحریریں دیتی رہو۔

جنوری کے شمارے میں شیریں حیدر نے بہت عمدہ تحریر سے پاکیزہ کو رونق دی۔ شیریں تمہارے لیے بہت دعائیں ہیں۔ اللہ پاک تمہیں مکمل صحت یابی عطا کرے اور تمہاری ہمت کو سلام کہ اتنا بیمار رہنے کے باوجود تم میں اتنی ہمت و حوصلہ

ہے کہ مستقل لکھنے کا عزم کیے ہوئے ہو۔ اللہ تمہیں اس میں کامیاب کرے۔ آمین!

قسط وار ناول لکھنے والی ہماری دونوں رائٹرز رفعت سراج اور بشریٰ مسرور اپنی ہر قسط کو پہلے سے بڑھ کر دلچسپ لکھ رہی ہیں اور قارئین کی بھرپور توجہ حاصل کیے ہوئے ہیں۔

شمیم فضل خالق نے بھی ہمیشہ کی طرح بہت عمدہ تحریر دی جو موضوع کے اعتبار سے کافی منفرد رہی۔

منی ناول کی خالق غزالہ عزیز بھی بہت محنت سے اچھی تحریر دے رہی ہیں۔

باقی لکھاری بہنیں بھی نہایت محنت اور لگن سے لکھ رہی ہیں مگر سب کا ایک دفعہ ہی میں ذکر کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

اچھا بہنو! صفحات کی گنجائش کے پیشِ نظر اجازت چاہتی ہوں۔ ان شاء اللہ اگلے ماہ بشرطِ صحت و زندگی پھر ملاقات ہوگی۔ اپنا اور اپنے پیاروں کا خیال رکھیں۔

اللہ نگہبان، دعا گو عذرا رسول

☆☆☆

پیاری بہنو...... حسبِ روایت نت نئی خبروں اور سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے قبل ایک بار خلوص دل سے درودِ ابراہیمیؑ اور اس کے بعد تین بار آیتِ کریمہ ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ، ساتھ تمام اہلِ وطن کو بھی یاد رکھیں۔

☆☆☆

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ حاصل پور سے تعلق رکھنے والی پاکیزہ کی قاری مراسلہ نگار و تبصرہ نگار عالمہ حدیث اختر اپنے خانوادے کے ساتھ عمرے کی سعادت حاصل کرنے روانہ ہوئیں۔ (بہت مبارک ہو)

☆ پاکیزہ کی معاون مدیرہ آمنہ حماد الحمدللہ عمرے کی سعادت حاصل کرنے جا رہی ہیں۔ اللہ پاک ان کی عبادتیں قبول فرمائے۔ (بہت مبارک باد)

☆ فریدہ افتخار، اسلام آباد کے داماد اور نواسے عمرے کی سعادت حاصل کر کے لوٹے ہیں۔ (بہت مبارک ہو)

☆ مصنفہ رفعت شبانہ، کراچی کے خوب صورت اور متاثر کن افسانوں کا مجموعہ شہرِ عنکبوت آس پبلی کیشن کے بینر تلے شائع ہوا ہے۔ 416 دیدہ زیب اوراق پر مبنی اس مجموعے کی قیمت 1800 روپے ہے۔ کتاب کا حسین سرورق آرٹسٹ حفصہ الماس کے فن کا مظہر ہے۔ مصنفہ نے اپنی یہ شاندار کاوش اپنے والدین کے نام کی ہے۔ کتاب حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں۔ 03212043587 آفس نمبر 53۔ رومی سینٹر، تیسری منزل، اردو بازار، کراچی۔

☆ نائب صدر ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن سرگودھا، لیگل ایڈوائزر اپوا، شاعرہ، مصنفہ و کالم نگار سعدیہ ہما شیخ کی آل پاکستان رائٹرز ایسوسی ایشن کے خواتین ونگ کے ساتھ گورنر پنجاب بلیغ الرحمٰن کے ساتھ گورنر ہاؤس میں ملاقات ہوئی جس میں خواتین کے سماجی و قانونی مسائل اور ان کے حل کے لیے بھی بات چیت ہوئی۔

دعائے صحت

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری بہن، مراسلہ نگار و شاعرہ فریدہ افتخار، اسلام آباد کے گھٹنے کا آپریشن بفضلِ تعالیٰ کامیاب ہوگیا ہے۔ اللہ پاک ان سمیت تمام مریضوں کو شفائے کاملہ عطا فرمائے، آمین۔

☆ پاکیزہ کی پیاری دوست اور اصلاحی مضامین لکھنے والی ہر دلعزیز شخصیت اختر شجاعت کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

☆ مصنفہ، شاعرہ اور نہایت خوش مزاج شخصیت و بہترین دوست شگفتہ شفیق ایک انجری کے باعث کچھ عرصہ لندن میں اسپتال میں ایڈمٹ رہیں۔ جہاں ان کی ڈاکٹر بیٹی کنزل نے خدمت کے فرائض انجام دیے۔ اب الحمدللہ وہ بہتر ہیں۔

☆ناہید فاطمہ حسنین، اپنے ٹخنے کی ہڈی کے فریکچر کے باعث ابھی بسترِ علالت پر ہیں۔ اللہ پاک انہیں مکمل صحت یابی عطا کرے، آمین۔

☆مستقل قاری ناہید نعیم کی مکمل صحت یابی کے لیے ضرور دعا کریں۔

☆پاکیزہ سے دیرینہ تعلق اور انسیت رکھنے والی ہستی زینیا حسن، کراچی کے لیے خصوصی دعائیں ہیں۔ اللہ پاک انہیں اور ان کی آل اولاد کو کامیابیاں عطا کرے اور صحت یابی والی عمر طویل عطا ہو، آمین۔

☆پاکیزہ کی مستقل قاری، سنبل ملک اعوان کی جملہ پریشانیوں کے دور ہونے کی بہنیں ضرور دعا کریں۔

☆بیگم یٹسین، لیہ شہر کے پیارے بیٹے سرمد کو دعاؤں میں یاد رکھیں، اللہ پاک اسے زندگی دے پہلے بھی ان کے دو بیٹے اللہ کے پاس واپس چلے گئے (اللہ کی رضا میں راضی رہنا ہوتا ہے۔)

☆پاکیزہ بہنیں ناظمہ شاہین اعوان، واہ کینٹ کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

انتقالِ پُرملال

☆اس ماہ بانی ادارہ جناب معراج رسول صاحب کی پانچویں برسی ہے، ان کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆☆☆

بہنوں اب آیئے...... اپنے خطوط کی طرف......

سلمٰی غزل، کراچی سے۔"اس مرتبہ رسالہ جلدی سے ملا اور پڑھ بھی لیا۔ اختر شجاعت کا سفر کا موضوع اچھا تھا۔ سفر وسیلہ ظفر اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ مسافر کی دعا جلدی قبول ہوتی ہے پھر انہوں نے بزرگانِ دین، نبیوں اور ولیوں کے حوالے سے اس میں چار چاند لگا دیے۔ بشریٰ ظفر کا راہ دل بہت خوب رہا ایک خوشگوار گھرانے کا نقشہ خوب کھینچا ہے۔ لغزش کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ وردہ بخاری نے بہت خوب صورت لکھا ہے۔ شمیم فضل خالق کا شام سویرا بھی بہتر تھا لیکن اس سے یہ ضرور ثابت ہوا کہ دل پری پر نہ سہی تو گدھی پر بھی آسکتا ہے۔ محبت کے دم سے میں رفعت شبانہ نے بہت اچھا پیغام دیا ہے کہ محبت فاتح عالم... خولہ سعید جاوید کا پپی نیو ائیر بہت زبردست لگا۔ ہلکا پھلکا اور مزیدار، ناہید خان کا چھوٹے والا دریا کو کوزے میں بند کردینے کے مترادف لاجواب تحریر زارا ابجرائے مختصر اور با مقصد لکھ کر کمال کیا ہے۔ فصیل محبت بھی قرۃ العین کا جذبات سے بھرپور اور فرد کی فطرت کا آئینہ دار۔ غلط فہمی اچھے بھلے گھر کو آگ لگا دیتی ہے۔ ایسی ساسیں نایاب ہیں۔ شیریں حیدر کافی عرصے بعد آئیں بہت طویل افسانہ لے کر موضوع اچھا تھا لیکن جب انہوں نے خوشبو کی عمر 54 سال بتائی تو میں حیران ہوگئی۔ 60 سال کی عمر میں جب میں ریٹائرڈ ہوئی تو کوئی سننے کو تیار نہیں تھا۔ کافی جوان لگتی تھی پھر 54 سال کی عمر...... کم از کم عمر 65 سال تو بتاتیں اس میں مصنفہ نے ان کو نانی، دادی کے عہدے پر فائز کردیا۔ کہانی بہت عمدہ تھی مگر خوشبو کی عمر مجھے ہضم نہیں ہوئی۔ (عمر کا کیا کرنا ہے آپ کو بس کہانی تو انجوائے کی ناں) بہرحال بحیثیت مجموعی اچھا لگا دیر آید درست آید...... پکوان کے علاوہ میں روحانی مشورے بھی بڑے شوق سے پڑھتی ہوں اور رہنمائی بھی حاصل کرتی ہوں۔" (اچھی بات ہے، تبصرے کا شکریہ)

ناہید نعیم، ملتان سے۔"اس دفعہ جنوری کا پاکیزہ 10 تاریخ کو ملا۔ میں نے بھی ختم کرنے میں چار دن لیے...... مجھے کچھ کہنا ہے سے لے کر پورا رسالہ پڑھ ڈالا کسی بھی چیز کی کوئی کمی نہیں لگی۔ شیریں حیدر کی کہانی بارہ مہینے بارہ کہانیاں حد درجے اچھی لگی۔ خوشبو کا کردار کچھ مجھ سے ملتا جلتا تھا۔ جب میں حویلیاں کینٹ میں رہتی تھی تو میری تمام ہمسائیاں ملنسار اور خوش اخلاق تھیں۔ اگر ہم بہنوں میں کوئی بیمار ہوجاتی تو سب ایک دوسرے کو پوچھنے آتیں۔ (اچھی بات ہے) راہ دل بشریٰ ظفر کی کہانی ایک ماں اور بیٹے کے گرد گھومتی اچھی لگی۔ گمان کے بعد یقین کا سفر غزالہ کی دوسری قسط اچھی لگی۔ محبت کے دم سے رفعت شبانہ کی تندوں کو سبق سکھاتی تحریر تھی۔ زارا ابجرا کی آغاز سفر نہ صرف اچھی بلکہ بہت اچھی تحریر تھی۔ نگہت سیما ایک جانا پہچانا نام ہے۔ تمہارے کھوج میں پہلی قسط دلچسپ تھی۔ شمع ہدایت میں سفر مشاہدات الٰہی، اختر شجاعت نے ہمیشہ کی طرح اچھی سی تحریر پڑھنے کو دی۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے۔ اس بار پاکیزہ میں شعر بہت زبردست تھے اور سب کہانیاں

نئے سال میں بہت اچھی آئیں۔ سب لکھاریوں کو مبارک باد......" (تبصرے کا شکریہ...... ہماری نئی اور پرانی سب رائٹرز ایک سے ایک کہانی دے رہی ہیں۔)

✍ فہمیدہ جاوید، ملتان سے۔ "جنوری کا سرورق اچھا تھا مگر پھیکے، پھیکے رنگ تھے۔ سلسلے تمام ہی اچھے رہے۔ نئے سلسلے میں میرے جوابات شامل کیے دیکھ کر خوشی ہوئی ہاں منفرد سی تصویر جو پاکیزہ کے سنگ تھی یہ حدیث اختر بہن کو دیکھ کر آئیڈیا آیا تھا۔ ارے واہ اس بار سالِ نو کا پاکیزہ بہت خاص تھا کہ نگہت کا ناول، تمہارے کھوج میں بھی تھا جو میری پسندیدہ ترین لکھاری میں شمار ہوتی ہیں۔ امید ہے ناول آگے جا کر مزید دلچسپ ہو جائے گا کہ آغاز اچھا ہے۔ پاکیزہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ نگہت سیما کا پہلا طویل سلسلے وار ناول پاکیزہ میں ہی لگا تھا۔ (جی بالکل) 1994 کے سلسلے" مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا" میں نگہت نے اتنی دلچسپ یادیں پیش کی تھیں جو اتنے سالوں بعد بھی میرے ذہن پر نقش ہیں اور میں اس وقت نویں میں تھی۔ شائستہ کا اس بار سروے تو بہت ہی پسند آیا۔ بہت ہی دلکش سا موضوع تھا۔ سردی کے موسم میں لذیز کھانوں کا لطف دوبالا ہو گیا۔ شیریں کا نیا سلسلہ بہت اچھا شروع کیا گیا ہے منفرد سا اور یہ پہلی کہانی کافی دلچسپ اور اصلاحی تھی جو خواتین کے لیے مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔ خوشبو بیگم فرشتہ صفت خاتون تھیں اور مثالی جس نے اپنی اولاد کی اتنی اچھی تربیت کی اور اتنی مثبت سوچ کی مالک اور مخلوقِ خدا سے محبت کرنے والی بہت اچھی تحریر تھی۔ ہاں شیریں تو ویسے بھی ہمیشہ سے ہی اچھا لکھتی ہیں امرت مجھے ابھی تک یاد ہے۔ بشریٰ کی قسط وار کہانی تو بہت ہی دلچسپ ہو گئی۔ مرحا اور عارف کی راہ میں حائل ہیں مشکلات اور ہاجرہ کی شادی کا تو انتظار ہے اب کروا ہی دیں۔ بشریٰ نے بہت ہی دلچسپ انداز میں گھریلو کہانی لکھی ہے وہیں آسیہ بھی حد کرتی ہے جو طلاق یافتہ شوہر کے نکاح میں جانے کی خواہش مند ہے لگتا ہے کہیں یہ ہاجرہ پر بھی تعویذ نہ کروا دے سکون برباد کرنے کے لیے۔ رفعت کی کہانی بھی آگے بڑھ رہی ہے۔ فری کو نکاح کے سوٹ کے لیے پانچ لاکھ ملے ہیں کیا بات ہے۔ واصف لگتا ہے دل، دل میں فری کو پسند کرتا ہے۔ غزالہ کا منی ناول بھی کسی سے کم نہیں۔ مائدہ کی ماں نے ہی ہو سکتا ہے رومی اور رامش کی شادی کے بعد ان کی زندگی برباد کرنے کے لیے کوئی کارستانی کی ہو۔ رومی کے بھائی کا کردار واقعی بہت اچھا ہے جو مثال بھی ہے ورنہ اگر بھائی بھی بھابی کی طرح ہوتا تو کہانی روایتی ہو جاتی مگر غزالہ نے انفرادیت دی اچھا کیا۔ شمیم فضل خالق کو دیکھ کر خوشی ہوئی، افسانوں میں تمام ہی اچھے تھے مگر بشریٰ ظفر، خولہ سعید جاوید، ناہید خان، وردہ بخاری اور رفعت شبانہ کے زیادہ پسند آئے اور زارا منجر اکا افسانہ مختصر ترین مگر سبق آموز تھا۔ سالگرہ نمبر پاکیزہ کا کچھ منفرد ہو، (جی ان شاءاللہ ضرور) تم کسی بڑی رائٹر سے بھی ملاقات کراؤ اپنے سلسلے میں۔" (شکریہ تبصرے اور بہترین تجاویز دینے کا)

✍ انجم مشیر، کراچی سے۔ "تقریباً ایک سال بعد حاضر ہو رہی ہوں اتنی مصروفیت تو تب نہیں تھی کہ جب ایک سرکاری ادارے میں جاب کر رہے تھے ساتھ لکھنے پڑھنے کا عمل جاری، بہرحال چلتے ہیں آگے ماہِ نومبر میں ہماری کہانی یہ زندگی کے میلے، شائع ہوئی۔ دسمبر میں کچھ اپنوں نے پسندیدگی کی سند دی۔ بہت شکریہ آپ سب کا کہ اس قابل جانا۔ (اچھی تحریر تو دلوں کو چھوتی ہے، قدر دانوں کو معلوم ہوتا ہے) رفعت سراج کا ناول پلکوں سے اٹھاؤں اس کو دلچسپ تو ہے مگر بہت سست رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے۔ بڑی بہو اور زمانہ شناس مزیدار رہا۔ اختر شجاعت کا مضمون مہمان نوازی دل کو چھو گیا۔ اللہ ان کے قلم میں روانی دے۔ افتخار شوق احوالِ عمرہ دل کو بہت کچھ یاد آیا کہ عمرہ اور حج کی اس ناچیز نے بھی سعادت حاصل کی ہے۔ اللہ سب ہی کو وہ در اور وہ گھر دکھائے، آمین۔" (جی بالکل ایسی سعادت سب کو نصیب ہو، آمین۔ مختصر سے تبصرے کا شکریہ)

✍ افتخار شوق، میاں چنوں سے۔ "میڈم عذرا رسول صاحبہ اور آپ کی مصروفیت خصوصاً شادی والی مصروفیت تو کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ مگر آفرین کہ رسالہ تو مجھے وقت سے بھی پہلے مل گیا۔ یعنی سب سے بڑھ کر ترجیح پاکیزہ کو دی گئی۔ (جی بالکل ایسا ہی ہونا چاہیے ناں) اس سال کوئی ہم سے پوچھے کہ پچھلا برس کیسے گزرا کیا کچھ کیا؟ تو جواب حاضر ہے کہ ہم نے وہ کام کیے جو ساری زندگی نہ کر سکے پوری فیملی بہنوں، بھانجوں، بھتیجوں کو لے کر عمرہ کیا۔ بھانجوں، بھتیجوں کے لیے اپنے ہاتھ سے سوئیٹر بنائے۔ سلائی، کڑھائی کی (ماشاءاللہ...... اللہ مزید قوت عطا کرے، آمین) اپنے بہن بھائیوں، رشتے داروں اور دوست احباب کے خوشی اور غم میں برابر شریک رہے۔ اور جی بھر کر تفریحی دورے کیے۔ مشاعرے اٹینڈ کیے۔ کتاب میلا میں

گئے اور کتب خریدیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا اور مثبت سرگرمیوں میں زندگی کا اصل راز دیکھا۔ اس سال کے آغاز اور اختتام پر میرے افسانے پاکیزہ میں شائع ہوئے۔ پلکوں سے اٹھاؤں اس کو...... رفعت سراج دھیرے، دھیرے پرتیں کھول رہی ہیں۔ واصف کے لیے فرحی کیا کم تھی جو عالی شان کی مما بھی اب شامل ہو گئیں۔ وردہ بخاری کا لغزش عورت، نامحرم مرد اور شیطان کی ازلی مثلث کاش سب لوگ اس پیغام کی معنویت کو سمجھیں جس میں معاشرے کی اصلاح کا درس چھپا ہے۔ دل اِک پیار کی بستی، قانتہ رابعہ نے ساس، بہو کے ازلی رشتے کی نفرت اور محبت کے جذبات کو اجاگر کیا ہے۔ شام سویرا، شمیم فضل خالق نے اتنی بے جوڑ محبت اور اتنا اندھا جذباتی پن دکھایا ہے۔ ذہنی اور فکری تفاوت کا موازنہ کیا ہے۔ ہیپی نیو ائیر، خولہ سعید جاوید نے نہایت ذمے داری سے مرد، عورت کے تعلق کو مشرقی لبادے میں بیان کیا ہے۔ عام انسانی زندگی کے کرداروں کو نفسیاتی تجربے کے ساتھ عمدگی سے بیان کیا ہے۔ محبت کے دم سے، رفعت شبانہ نے اتنی پیاری معاشرتی اور اصلاحی تحریر لکھی ہے اگر ہر ماں ایسا سوچے اور بہوؤں کے اوپر سایہ کرے اور خوبیاں ڈھونڈے تو کوئی وجہ نہیں کہ گھریلو فتنے اور فساد جنم لے سکیں۔ جھولے والا، ناہید خان نے معاشرتی بے حسی کو اجاگر کیا ہے۔ اکثر لوگوں نے یہی مزاج بنا لیا ہے کہ مانگنے والوں کو حقیر سمجھنا اور گمان کرنا کہ ان کی عادت ہے، ہم اپنا فعل دیکھیں کہ ہمیں حاجت روائی کا حکم ہے۔ حوصلہ شرط وفا ٹھہرا، بشریٰ مسرور اگر آپ نے سارے کرداروں کو اسی طرح رُلا، رُلا کر مارنا ہے تو پلیز ہمارے حال پر رحم کریں ہر دفعہ شادی رہ جاتی ہے۔ کم از کم کوئی تاریخ بتا دیں تاکہ ہماری تیاری ہو سکے شادی میں شمولیت کی۔ آسیہ بی نے اب بدرالدین سے کیا تعلق رکھنا ہے، جو فضول میسج اور شاعری ارسال کر کے اس کو منتشر کر رہی ہے کسی نوعمر لڑکی کی طرح...... (ہاہاہا) فصیل محبت...... قرۃالعین سکندر نے حیدر کی بروقت آنکھیں کھول دیں اور زیادہ آزمائش میں نہیں ڈالا۔ شگفتہ اور لطیف پیرائے میں کیفیات، جذبات اور احساسات کو پیش کیا ہے۔ شیریں حیدر، محبت کی خوشبو لیے حاضر ہیں، مایہ ناز مصنفہ نے اتنی تاخیر کا ازالہ کر دیا ہے۔ زندگی کے تضادات اونچ، نیچ اور صداقتوں کو فطری اور حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ شمع ہدایت اور دیگر سلسلے حسب معمول رہے۔ سروے خوب تھا۔ نگر، نگر کے کھانے سب چکھ لیے۔ شائستہ زریں، بہت خوب...... آپ کا بہت شکریہ کہ میرے افسانے کو اتنا عرصہ سنبھال کر رکھا اور شائع کیا۔ قارئین بہنوں کا شکریہ جنہوں نے میرے افسانے کو سراہا اور حوصلہ افزائی کی۔ (ارے پیاری، سنبھالنے کا ہنر ہم جانتے ہیں، محبتیں ہوں یا تحریریں) پیاری نزہت، سعدیہ ہما شیخ کا انٹرویو بہترین شخصیت اور سوچ کا عکاس تھا۔ ہماری دوست نرگس ناہید بھی لاہور ہائی کورٹ کی وکیل ہیں دبنگ خاتون ہیں امید ہے کہ سعدیہ ہما شیخ اپنی اس ہم منصب بہن کو یقیناً جانتی ہوں گی۔ (جی بالکل) دسمبر خوب صورت تھا بلکہ محبت نامہ تھا۔ امید ہے آپ اسی طرح محبتوں کی سفیر بنیں اور اپنے ادبی مقام کو بامِ عروج پر پہنچائیں گی۔ بہت دعائیں۔ میڈم عذرا رسول کو دست بستہ سلام...... تمام اراکین پاکیزہ کو سلام۔'' (بہت شکریہ بالآخر آپ نے بھی وقت نکال ہی لیا سب کی طرف سے جوابِ سلام اور دعائیں۔)

✿ تسنیم کوثر، کراچی سے۔ ''اس بار ہمارا دل پسند پاکیزہ 31 تاریخ کو مل گیا۔ ماشاءاللہ اب تو ہر افسانہ، ہر ناول ہی نہیں تمام تر سلسلے شاندار سے شاندار ہوتے جا رہے ہیں، کیا بات ہے بھئی ذرا نظر اتار دیجیے گا اور دلی خوشی تو اتنی ہوئی جب ہم نے اپنے سوال کو انعامی دیکھا تو بس پیاری بہن ہم نے دعاؤں کے ٹوکرے آپ کے نام کر دیے ہیں۔ بہت خوش رہیے۔ شکریہ جزاک اللہ...... (بھئی کچھ زیادہ ہی تعریف کر دی تم لوگوں کی محبت ہے) شیریں حیدر کو محفل میں دیکھ کر دل خوش ہو گیا اللہ زندگی اور صحت دے۔ (آمین) محبت کی خوشبو کا جواب نہیں بے حد اچھی اور بے مثال کہانی ہے۔ دل میں جگہ بنا دی اور رفعت سراج بھی پلکوں سے اٹھاؤں اس کو بہت مدھم اور پیار سے لے کر چل رہی ہیں۔ اس کے علاوہ غزالہ عزیز کا دلکش ناول گمان کے بعد یقین کا سفر بہت عمدہ لگ رہا ہے تو بشریٰ مسرور بھی حوصلہ شرط وفا ٹھہرا کو نمبر ون بنا رہی ہیں اور تمہارے کھوج میں نگہت سیما کے خوب صورت ناول کا جواب نہیں، اچھا لگ رہا ہے یہ ناول، پیاری نزہت آپ تو اتنا عمدہ سلیقے سے لے کر پاکیزہ کو چل رہی ہیں کہ نقص یا برائی نکالنے کا کوئی موقع ہی نہیں دیتی ہیں ماشاءاللہ...... (ارے یہ تم لوگوں کی دعائیں ہیں) افسانوں میں دل اِک پیار کی بستی کو قانتہ رابعہ نے جم کر لکھا ہے۔ بھئی یہ گھر، گھر کی کہانی ہے کہیں ساس چھاؤں تو کہیں بہو کا مزاج

تلخ...... اور جناب وردہ بخاری کی لغزش سے تو دل کانپ گیا۔ بالکل ٹھیک ٹاپک پر انہوں نے لکھا ہے۔ اب تو کوئی بھی اعتبار کے قابل نہیں ہے۔ شمیم فضل خالق کے شام سویرا نے تو خوب مزہ دیا۔ ہائے بیچارہ تیمور علی موصوف نے دیر کر دی۔ شمیم آپ بہت اچھا لکھتی ہیں جب بھی لکھتی ہیں چھا جاتی ہیں...... اسی طرح محبت کے دم سے رفعت شبانہ کی کہانی بھی اچھی لگی تو ہیپی نیو ائیر خولہ سعید جاوید نے عمدہ لکھا۔ ایک بات بتاؤں پیاری بہن نزہت کہ سب سے اچھا سلسلہ بہنوں کی محفل جو پاکیزہ کے دل کی دھڑکن ہے جان ہے اور سچی میں اس میں بہت دل خوش ہوتا ہے۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ اللہ حافظ......'' (آپ کی محبت ہے اور سب قارئین کا تعاون جزاک اللہ)

٭ زینیا حسن، کراچی سے۔ ''خوب صورت ٹائٹل اور سالِ نو کی مبارک باد کے ساتھ جنوری 2024ء کا شمارہ بہترین مستقل سلسلوں اور ہلکی پھلکی، عمدہ و دلچسپ تحریروں کے ساتھ پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ نزہت، اداریہ تو آپ ہر ماہ ہی بے حد خوب صورت لکھتی ہیں۔ (بہت نوازش) آمنہ حماد، پاکیزہ ڈائری بہت محنت اور بہترین انتخاب کے ساتھ مرتب کرتی ہیں۔ جنوری میں میری شاعری شائع کرنے کا بہت شکریہ...... بہنوں کی محفل میں تمام بہنوں کا احوال پتا چلتا ہے جو پاکیزہ کی بدولت ایک خاندان کی طرح ہیں۔ (جی بالکل) جو بیمار ہیں اللہ انہیں شفائے کاملہ عطا فرمائے۔ جو رضائے الٰہی سے انتقال کر گئے اللہ رب العزت ان کے درجات بلند کرے اور لواحقین کو صبر دے۔ یہی زندگی ہے، جو چلے گئے ان کے لیے ایصال ثواب اور صدقۂ جاریہ کا اہتمام کریں۔ جو موجود ہیں ان کی قدر کریں، ان کو خوش رکھیں، ان کے ساتھ خوش رہیں، ان کی صحت و سلامتی کی دعائیں مانگیں اور باقاعدگی سے صدقات و خیرات دیں۔ خود ہم نے سدا اس جہانِ فانی میں نہیں رہنا تو آخرت کا سامان کریں۔ (بہت اچھی بات کی ہے) راستے سے کیلے کا چھلکا یا پتھر اٹھا دینا بھی نیکی ہے جو کسی کے لیے تکلیف کا باعث بن سکتا ہے۔ سوشل ورک کے ساتھ مساجد اور تنظیموں کے لیے عطیات کے علاوہ میں نے 2019ء سے ذاتی طور پر شجر کاری کی مہم جاری رکھی ہوئی ہے۔ کراچی میں نیم کے درخت لگوا رہی ہوں کہ کراچی کو نیم کی چھاؤں کی بہت ضرورت ہے۔ گھر کے باہر بھی نیم کا سایہ دار درخت ہے۔ ساتھ ٹھنڈے پانی کا کولر رکھا ہے۔ یہ چھوٹی، چھوٹی نیکیاں بڑے اجر کا موجب بنتی ہیں۔ (ماشاء اللہ، اللہ پاک توفیقاتِ خیر میں اضافہ فرمائے، آمین) اللہ قبول فرمائے۔ بہنوں کی محفل میں سب کے دلچسپ خطوط پڑھے۔ نازنین آفریدی پشاور، فہمیدہ جاوید، ملتان، فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی کا بے حد شکریہ جنہیں میرا افسانہ خلیفن میا پسند آیا اور رائے دی۔ سلمیٰ غزل، کراچی کی مثبت رائے پڑھ کر خوشی ہوئی کہ وہ خود مصنفہ ہیں اور بڑا کھرا تبصرہ کرتی ہیں۔ شائستہ زریں کا منفرد موضوع اور شرکا کے مزیدار چٹپٹے جوابات ریسیپی کے ساتھ پڑھ کر سروے کا مزہ آ گیا۔ اختر شجاعت نے سفر کے موضوع پر خوب صورتی سے لکھا۔ میں خود سال میں ایک یا دو دفعہ سفر ضرور کرتی ہوں...... ہر دفعہ، ہر جگہ کچھ نہ کچھ ایسا دیکھنے کو ملتا ہے جس پر اللہ کی قدرت پر یقین مزید پختہ ہو جاتا ہے۔ سفر وسیلۂ ظفر، سچ بات ہے، ذہن بھی تازہ ہو جاتا ہے۔ دین میں نامحرم اور غیر مردوں سے نرمی اور مسکرا کر بات کرنے کی بھی ممانعت ہے۔ وردہ بخاری نے اس بات کو پردے کی اہمیت کو، حلقۂ احباب مختصر رکھنے اور شوہر کی جائز بات پر نافرمانی نہ کرنے کی ہدایت کو بہت خوب صورتی سے تحریر کیا۔ ویلڈن وردہ بخاری...... باقی تمام تحریریں، نئے سلسلے اچھے لگے۔ رفعت سراج تو کمال لکھ رہی ہیں۔ بشریٰ مسرور بس ذرا کہانی کی کچھ رفتار تیز کر دیں، اچھا لکھ رہی ہیں۔ (تبصرے کا شکریہ...... جی آپ کی کہانی لوہے کی سلاخیں تو پہلے شائع ہو چکی ہے دوسری کہانی کے بارے میں بھی جلد آگاہ کر دیں گے) دسمبر کے شمارے میں میرا افسانہ اور تبصرہ شائع کرنے کا بے حد شکریہ۔ ایک سرپرائز اور خوشی آپ نے افسانہ شائع کر کے دی دوسرا سرپرائز اور خوشی جب ڈاکیا اعزازیہ لے کر آیا جو میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں۔ پاکیزہ کی طرف سے بھیجا گیا اعزازیہ میرے لیے انمول ہے۔ (یہ تو بس مختصر نذرانہ رائٹر کا حق ہوتا ہے) اگست کے شمارے میں آپ نے اتنی محبت اور خلوص سے لکھا تھا کہ آپ تو کسی بھی وقت ملنے آ سکتی ہیں۔ مجھے بہت خوشی ہوئی تھی۔'' (جی ضرور آئیں جی اور مطلوبہ رسالوں کے لیے میں ریکارڈ سے پتا کروں گی اور بتا دوں گی کسی وقت فون کر لیجیے گا)

٭ ملاحت، کراچی سے۔ ''میں تو پاکیزہ رسالے کی دیرینہ قاری ہوں...... رسالہ باقاعدگی سے پڑھتی ہوں مگر خط وغیرہ نہیں لکھ پاتی ویسے بھی، کبھی تبصرہ کر دینا چاہیے کہ رائٹرز کو بھی اپنی تحریروں کے متعلق رائے کا انتظار رہتا ہوگا (بالکل ٹھیک

کہا) رفعت سراج جو ایک بہت اچھی منجھی ہوئی لکھنے والی ہیں ان کے تمام ناول میں نے پڑھے ہیں۔ ناول پلکوں سے اٹھاؤں اس کو بہترین جا رہا ہے۔ ہر ہر جملہ اور بچویشن پرفیکٹ ہے۔ نئی آنے والیاں بھی سب بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ اب ہر ایک کا الگ، الگ نام نہیں لوں گی۔ میں تو پورا رسالہ دل لگا کر پڑھتی ہوں، آخری صفحات پر چھوٹی چیزیں بہت فائدہ مند ہوتی ہیں۔ ٹوٹکے، ترکیبیں اور ہومیو پیتھک کے نسخے اور جناب روحانی مشورے تو بہت سودمند ہوتے ہیں۔ چھوٹی، چھوٹی دعائیں پڑھ کر اپنے کاموں میں آسانی لا سکتے ہیں۔ مختلف شخصیات کے انٹرویوز نہایت دلچسپ ہوتے ہیں۔ رسالے میں معلومات بھی ہوتی ہیں، غرضیکہ ہر شعبے کے متعلق اس میں کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔“ (واہ ملاحت آپ نے کوزے میں دریا بند کیا ہے بس ایسے ہی تبصرے کرتی رہا کریں)

✉ مسرت عزت، شبقدر سے۔ ”پلکوں سے اٹھاؤں اس کو...... بہت ہی دلچسپ انداز میں جاری ہے بور نہیں کر رہا واصف اور سالار صاحب کی آپس میں گفتگو بہت ہی دلچسپ ہوتی ہے اور زین کا کردار بے حد زبردست ہے۔ اپنی جاں نذر کروں، عالیہ حرا کی تحریر نے رُلا دیا۔ بہت ہی خوب صورت تحریر تھی۔ غزالہ عزیز کا ناول، گمان کے بعد یقین کا سفر شروع ہی سے بہت دلچسپ ہے۔ دسترس میں ستارے، بھی اچھی تحریر تھی یعنی عورت کو جاب ضرور کرنی چاہیے بشرطیکہ وہ گھر اور بچوں کو احسن طریقے سے سنبھال سکے۔ (جی بالکل) دوسروں کی زندگیوں میں آسانیاں پیدا کرنے والوں کی اپنی زندگی میں کتنی آسانی رہتی ہے۔ یقین کا معجزہ پڑھ کر واقعی اس حقیقت کا احساس ہوا نہایت ہی سبق آموز اور بہترین تحریر تھی۔ سگے رشتوں سے محبت کا سبق سکھاتی ہوئی نہایت ہی خوب صورت اور اثر انگیز تحریر سود وزیاں پڑھ کر بہت لطف آیا۔ حوصلہ شرط وفا ٹھہرا بہت ہی اچھے انداز میں جاری ہے۔ اب بدرالدین اور حاجرہ کی شادی کرا ہی دیں کہ کہانی کا لطف دوبالا ہو جائے۔ مکافاتِ عمل میں بہت اچھا سبق تھا۔ واہ کتنے خوب صورت انداز میں سمجھایا ہے مصنفہ نے۔ خیر کے متعلق تحریر بھی ایک کارِ خیر ہی ہے اللہ ہمیں عمل کرنے کی توفیق دے آمین، خلیفن ہما، بھی بہت اچھی تحریر تھی۔ روشن صبح، میں اعلیٰ ظرفی کا بہت ہی اچھا پیغام تھا۔ لفافہ باجی، ایک نہایت ہی اہم موضوع پر لکھی گئی ایک فکر انگیز تحریر تھی واقعی اگر ہم خوشی کے موقع پر ایک دوسرے کو لفافے دیتے ہیں تو پریشانی اور غم کے موقع پر کیوں نہیں، ایک نئی سوچ دیتی ہوئی زبردست تحریر تھی۔ مسکان نور نے بہت اچھا لکھا۔ آپس میں محبت اور اتفاق سے رہنے کا بہت خوب صورت پیغام ہے ان کی تحریر یہی تو زندگی ہے۔ واقعی یہی زندگی ہوتی ہے خوشیوں سے بھرپور جو اپنوں کے سنگ گزاری جائے۔ کسی یاد کی دہلیز پر، فرح بھٹو کے ناول کا اختتام بہت خوب صورت انداز میں ہوا سب کے کردار اپنی جگہ پر دلچسپی لیے ہوئے تھے۔ حالات و واقعات بہت تیزی سے بدلے اور اختتام بھی زبردست ہوا۔ سروے میں ہمیشہ کی طرح دلچسپ اور بہت ہی دلکش موضوع پڑھنے کو ملا۔ نائلہ ناصر کی باتیں دل کو لگیں۔ اس مرتبہ تو بزم میں سعدیہ ہما شیخ صاحبہ کی آمد نے رنگ بکھیر دیے خواتین کے بارے میں ان کے بہت خوب صورت خیالات پڑھ کر بہت اچھا لگا اور آخر میں تو ہماری پیاری سی نزہت آپی بھی بہت ہی خوب صورت گفتگو کر جاتی ہیں۔ (یہ سب آپ لوگوں کی دعاؤں کی دی ہوئی ... ہمت اور طاقت ہے۔ شمع ہدایت میں درود و سلام کے متعلق موضوع تھا معلومات میں بہت ہی اضافہ ہوا بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا ہمیں علم ہوتا ہے مگر بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو ہم پہلی بار پڑھتے ہیں اور مستفید ہوتے ہیں۔“ (جی بالکل اسی لیے تو کچھ چیزوں کی دُہرائی ضرور ہوتی ہے۔ بہت پیارے تفصیلی تبصرے کا شکریہ۔ جزاک اللہ)

✉ روحی صبا، کراچی سے۔ ”نئے سال کا پہلا شمارہ میرے سامنے ہے اگرچہ پورا نہیں پڑھا لیکن خط لیٹ ہو جانے کے ڈر سے لکھ رہی ہوں آپ کی بات بالکل درست ہے کہ میرا خط آخری تاریخوں میں آپ کو ملتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں لانڈھی میں رسالہ دیر سے آتا ہے۔ (کوشش کریں گے آپ کو جلد از جلد مل جائے) جنوری کے شمارے میں تمام تحریریں زبردست ہیں۔ سلمیٰ غزل کے خط کے جواب میں ذہن میں کافی باتوں کے باوجود نو کمنٹس (اچھی بات ہے) زینیا حسن اور فہمیدہ کا بہت شکریہ کہ میرا تبصرہ پسند کیا۔ کہانیوں میں سب سے پہلے اپنا پسندیدہ ناول حوصلہ شرط وفا ٹھہرا پڑھا، واہ مزہ

آ گیا۔ زبردست قسط تھی مگر بدر الدین بیچارے کی شادی پھر بھی نہیں ہوئی اس میں عرشان کی باتیں بہت سمجھداری والی تھیں۔ خولہ سعید جاوید کی کہانی بھی بہت پسند آئی اپنے اردگرد کئی کردار اس میں نظر آئے چلیں نیو ائیر منانا فائدہ مند ثابت ہوا۔ چھوٹے والا بھی ناہید خان کی فکر انگیز تحریر تھی یقین کریں پیشہ ور گداگروں نے انسان کا اعتبار ہی اٹھا دیا ہے کہ کسی مستحق کی مدد کرے ہمارے علاقے میں ایک اپاہج عورت بیٹھی ہوتی ہے راستے میں جس کا پورا خاندان بھیک مانگتا ہے اور ان کے پوش علاقوں میں بنگلے ہیں اور قیمتی پلاٹس کے مالک ہیں، میں کہتی ہوں خدارا ان پیشہ ور بھکاریوں کو ایک روپیہ نہ دیں کسی مستحق کو دیں۔ (یہی تو رونا ہے، حقداروں کا حق مارا جاتا ہے) شیریں حیدر کی اگلی تحریر پڑھنے کے لیے بے تاب ہوں، پاکیزہ ڈائری زبردست تھی حمد باری تعالیٰ سے لے کر ہری مرچیں تک اور چونکہ مابدولت وہاں بھی موجود تھے لہٰذا خوب رونق تھی۔ کچھ ہم بھی کہیں میں بہنوں کی باتیں، بہت اچھی تھیں میرے پاس تو باتیں نہیں داستانیں ہیں مگر لکھے کون...... دل چاہتا ہے کہ ذہن سے خود ہی کاغذ پر منتقل ہو کر آپ تک پہنچ جائے۔ شائستہ زریں نے تو اس بار کمال کر دیا۔ موسم سرما کے کھانوں کے نام پڑھ کر ہی منہ میں پانی آ گیا۔ گلشاد نذیر اور نور جہاں شریف کے بنائے کھانے، کھانے کو دل چاہا اور نزہت جبیں ضیا کی یہ بات بہت پسند آئی کہ میری عادت ہے کہ جو چیز جب تک دسترس میں نہ ہو اس وقت تک زندگی سے نکال رکھو واقعی نزہت یہی عادت میری ہے اور شاہانہ جاوید آپ نے مجھے کہاں دیکھ لیا۔ نزہت اپنے آپ سے اپنی بیٹی کی جاب کی بات کی تھی الحمدللہ سے ایک اچھی ملازمت مل گئی ہے گو کہ تنخواہ زیادہ نہیں مگر اس پر بھی اللہ کا شکر ہے تو میری بہنیں اور بیٹیاں کبھی اپنے رب سے مایوس نہ ہوں بس اس کو پکارتے رہیں وہ سنتا ضرور ہے بس کبھی جلدی کبھی ذرا دیر سے۔ (اچھی بات ہے) ہم سب کسی نہ کسی مسئلے یا مشکل سے دوچار ہوتے ہیں اکثر کیونکہ دنیا میں رہتے ہیں تو یہ سب لازمی ہیں تو اپنی عالمہ بھابی کا بتایا ایک وظیفہ بتا رہی ہوں جو مجرب ہے اور جس کی برکت سے اللہ کریم نے دیارِ غیر میں لوگوں کے دس سال کی مشکلات ختم کی ہیں اور میں نے اور بھابی نے جس کو جس کام کے لیے بتایا ہے اللہ کے کرم سے وہ کام ہو گیا۔ یہ تو بتانے کی ضرورت ہی نہیں کہ کام جائز ہونا لازم ہے۔ (جی بالکل) وظیفہ یہ ہے کہ رات کو تہجد کے لیے اٹھیں۔ دو رکعت نفل پڑھیں پھر 100 بار قرآن پاک کی آیت ان اللّٰہ قوی عزیز پڑھیں اول آخر تین، تین بار درود شریف یہ عمل 11 راتیں کرنا ہے اور شرط یہ ہے کہ مسلسل کرنا ہے۔ ناغہ نہیں کرنا۔ بس اپنے مقصد کی دعا مانگیں اور دیکھیں رب کی کرامات ان شاء اللہ...... بے شمار گھروں میں والدین کی ناقدری دیکھتی ہوں دل خون کے آنسو روتا ہے ایک تحریر لکھ رہی ہوں پلیز لگا دیں شاید کوئی عمل کرے اور کوئی ماں، باپ کی دل آزاری سے بچ جائے تو میں اور آپ کامیاب......" (اللہ سب کو ہدایت دے، جزاک اللہ...... اتنی محبت اور محنت سے خط لکھتی رہیں)

☆ شہلا نواز، لاہور سے۔ "ہم چلے آئے آپ کی محفل میں۔ سوفٹ پنک میک اپ میں ٹائٹل کی حسینہ دلکش لگی۔ البتہ انگلیوں کے اسٹارٹ میں انگوٹھیاں دیکھ کر ہنسی آئی مگر خوب صورت لگ رہی تھیں۔ راہ دل بشریٰ ظفر کی مزاحیہ تحریر اچھی لگی۔ خاصے کی چیز فاطمہ رابعہ کی تحریر دل اِک پیار کی بستی تھی۔ فاطمہ کی تحاریر کی خوب صورتی یہ ہے کہ ہمیشہ ان سے کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ جزاک اللہ...... اللہ کرے یونہی آپ کا قلمی جہاد جاری رہے۔ (پیارے سے تبصرے کا شکریہ) ثوبیہ راجپوت کی حمد باری تعالیٰ بہت پسند آئی۔ محبت کے دم سے پہلی نیو ائیر اور چھوٹے والا اچھی تحریر تھیں۔ موسم سرما کے نگر، نگر کے ذائقے میں سارے کھانے بہت اچھے لگے۔ خود ہمارے گھر میں سردی کے موسم میں امی جان تل والے لڈو، گجک، السی کی پنیاں اور پنجیری بناتی ہیں اور ہم مٹر والے چاول، گجریلہ، ویسے گیس نے بہت تنگ کیا ہے۔ (ہاں سب کو ہی) سلنڈر پہ سب کچھ بنتا ہے۔ حمیرا انجم کی نظم اچھی لگی۔ آسیہ جی نئے افسانے کے ساتھ حاضری دیں۔ بہنوں ہمارے سر کے بال بہت گر رہے ہیں کیا کروں ٹنڈ کروالوں، مشورہ دو۔" (تمہاری مرضی ہے بھئی ویسے آج کل ایکس ٹینشنز کا زمانہ ہے)

☆ روبینہ قریشی، راولپنڈی سے۔ "جنوری 2024 کا خوب صورت سرورق کے ساتھ ماہنامہ پاکیزہ میرے ہاتھ میں ہے۔ مجھے کچھ کہنا ہے میں مدیرہ محترمہ نزہت اصغر صاحبہ کہتی ہیں "انسان دنیا میں تنہا ہی آتا ہے اور تنہا ہی جاتا ہے مگر زندگی کا دورانیہ، اسے سب کے ساتھ گزارنا ہوتا ہے جو کہ اٹل حقیقت ہے۔ پس ایک دوسرے کا ساتھ دیجیے کسی کو گرانے میں نہیں بلکہ انسانیت کی بقا اور آدمیت کا احترام سکھانے میں" کیا خوب کہا۔ سورہ نحل کی آیت نمبر 33 تا آیت نمبر 47 کا ترجمہ دیا گیا ہے۔

میں یہاں 40 کا ترجمہ" ہمارا قول اس کے سوا نہیں کہ جب ہم کسی شے کا ارادہ کرتے ہیں اور اسے کہیں کہ ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے،، کے حوالے سے بات کر رہی ہوں۔ ویسے تو پورا قرآن ہی رشد و ہدایت، شفا اور رہنمائی سے معمور ہے لیکن کچھ آیات ایسی ہیں جو کسی مقصد کے حصول کے لیے بہت مجرب مانی جاتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں ان ہی میں سے یہ آیت بھی ہے جسے ہم کن فیکون والی آیت کہتے ہیں۔ سورۂ یاسین کے آخر میں بھی یہی آیت ہے جس کا ورد اکثر لوگ کسی مقصد کے حصول کے لیے بتاتے ہیں۔ اگلے صفحے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لیے مختلف لوگوں کے الفاظ کے ساتھ، ساتھ ایک برطانوی مصنف جے ڈبلیو گراف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور ہمارے مذہب کے بارے میں جن الفاظ سے اپنے خیالات کا اظہار کیا وہ... کچھ یوں ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ واحد رسول ہیں جن کی زندگی کا کوئی حصہ ہم سے مخفی نہیں۔ اسلام ایک ایسا فطری اور سادہ مذہب ہے جو اوہام و خرافات سے پاک ہے۔ قرآن نے مذہب کی تفصیل پیش کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ قول و عمل کا یہ حسین امتزاج کہیں اور نظر نہیں آتا۔ دل اک پیار کی بستی،، قانتہ رابعہ کا خوب صورت افسانہ جس میں ساس کی سختیوں کے بعد بہو کے منفی رویوں کو بیان کیا گیا ہے لیکن آخر کار جب بہو کی اپنی والدہ آگ لگنے سے حادثاتی طور پر چارپائی پر آجاتی ہے تب اسے اپنی ساس کا احساس ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے رویے کو بہتر کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اچھا افسانہ۔ وردہ بخاری کا افسانہ لغزش ایک مکمل افسانہ رہا۔ کسی لغزش کے بغیر ایک لڑکی کے راہِ راست پر آنے اور پردے کی اہمیت سمجھ آنے کی کہانی۔ شام سویرا شمیم فضل خالق کی خوب صورت تخلیق۔ افسانے کے ہیرو تیمور علی خان کے نامراد رہنے کا دکھ تو ہوا لیکن امید ہے کہ اسے اس کے اپنے اسٹیٹس کے مطابق کوئی اچھی لڑکی ضرور مل جائے گی۔ رفعت شبانہ کی تحریر محبت کے دم سے ایک ایسے بھرے پُرے گھر کی کہانی ہے جہاں گھر کی سب سے چھوٹی بیٹی اپنی منفی سوچوں اور رویے کی وجہ سے نہ صرف اپنی بلکہ اپنے گھر والوں کی زندگی بھی مشکل بنا دیتی ہے لیکن اس کی بھابی جو کہ سائکاٹرسٹ ہے اس کے ذہن سے منفی خیالات کو نکال کر اسے محبت سے جینے کے گُر سکھاتی ہے۔ اس افسانے میں بہت ساری لائنیں ایسی ہیں جو لڑکیاں سمجھیں تو ان کی زندگیاں بدل سکتی ہیں۔ محترمہ رفعت شبانہ صاحبہ کے لیے بہت داد۔ آج ہمارے ہاں پنڈی میں بہت دنوں کے بعد کڑاکے کی دھوپ نکلی ہے میں صحن میں مالٹوں اور پاکیزہ کے ساتھ دھوپ سے لطف اندوز ہو رہی ہوں اب پہنچی ہوں خولہ سعید جاوید کے افسانے ہیپی نیو ایئر، یہ ایک شادی شدہ ناراض جوڑے کی کہانی ہے جن کی صلح نیو ائیر کی رات ساحل سمندر پر ہوتی ہے، اس افسانے کی ایک لائن پڑھ کر میں بہت زور کی ہنس پڑی۔ ساس اپنی بہو کے بارے میں کہتی ہے۔ اس کو سوائے رونے اور سجنے سنورنے کے کچھ نہیں سکھایا گیا۔ غور کریں کہ ہم میں سے کتنی بچیوں کی یہی تربیت ہو چکی ہے۔ ناہید خان کی مختصر تحریر چھولے والا بہت پُراثر تحریر تھی واقعی کبھی کبھی سستے لوگ مہنگے سبق دے جاتے ہیں اور یہ بھی رب ہی جانتا ہے کہ اس کی نظر میں کون سستا یا کون مہنگا ہے۔ زارا امجد کا افسانہ آغازِ سفر محض دو صفحوں پر مشتمل تھا لیکن اچھا پیغام دینے میں کامیاب رہا۔ ان تمام قاری بہنوں کی شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے افسانے کو پسند کیا اور اس پر مثبت تنقید کے ذریعے رہنمائی بھی کی۔" (بہت پیارے تبصرے کا شکریہ، آپ کی تحریر قابلِ اشاعت ہے)

عزیز قارئین...... اب محفل کے سفر کو وقتی طور پر روکتے ہیں۔

آپ سب کے لیے دعائیں اور نیک خواہشات کے تحفے حاضر ہیں۔ اللہ پاک ہم سب کے تمام شرعی امور میں آسانی ہو، احکاماتِ الٰہیہ کی پابندی کے ساتھ زندگی بسر ہو اور حقوق اللہ کے ساتھ، ساتھ حقوق العباد بھی پورا کرنے میں سرگرداں رہیں، آمین۔

والسلام، خیر اندیش

نزہت اصغر

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783, 021-35802552 EXT 110

پاکیزہ ڈائری

آمنہ حماد

حمد باری تعالیٰ

میرا آبِ مژہ میری روح کی صدا
میرا دل کہہ اٹھا اے خدا اے خدا
آب و گِل ہے میرا تو نے پیدا کیا
کہہ اٹھا ہر رواں اے خدا اے خدا
آبلہ پائی دنیا میں ہو جائے گر
میرے لب نہ کہیں اے خدا اے خدا
میرا عشق مثلِ آتشِ بے دُود ہے
صرف جانے جو تو اے خدا اے خدا
بندگی کا تقاضا ہو کیسے ادا
سجدے کم نہ پڑیں اے خدا اے خدا
میری ہر سانس ہے صرف تیری عطا
میرا خالق ہے تو اے خدا اے خدا
صرف تجھ پہ توکل ہے دل میں بسا
میرا رازق ہے تو اے خدا اے خدا
دل میں تیرے سوا اور کوئی نہیں
جان میری ہے تو اے خدا اے خدا
دم رخصت لبوں پر تیرا نام ہو
جاری کلمہ رہے اے خدا اے خدا

کاوش: زینیا حسن، کراچی

نعت رسول مقبولؐ

جن و بشر کے ہادی و رہبر صلی اللہ علیہ وسلم
ایک یہی نغمہ ہے گھر گھر، صلی اللہ علیہ وسلم
تاریکی سے اس نے نکالا، بھٹکے ہوؤں کو راہ پہ ڈالا
حق کا حامی، خیر کا محور، صلی اللہ علیہ وسلم
عام ہے اس کی شیریں بیانی، زم زم ہے دھوون کا پانی
شافعِ محشر، ساقیِ کوثر، صلی اللہ علیہ وسلم
جینے کا انداز تھا اس کا، آپ نہ کھانا سب کو کھلانا
اس کا عمل رخشندہ گوہر، صلی اللہ علیہ وسلم
جان چکا تھا سارا زمانہ، بوجہلوں نے پھر بھی نہ مانا
ہاتھ میں جس کے بولے کنکر، صلی اللہ علیہ وسلم
تو بھی ظہیر اب مان لے کہنا، باقی عمر مدینے رہنا
قدم اٹھا بسم اللہ کہہ کر صلی اللہ علیہ وسلم

کلام: ظہیر احمد ظہیر (ایڈووکیٹ)
پسند: بنتِ ظہیر، راولپنڈی

اب مدینے میں بلا لو

اب مدینے میں بلا لو اے حبیبِ کردگار
سبز گنبد کی دکھا دو اب شہا مجھ کو بہار
میں چلا آؤں مدینے کیجیے مجھ پہ کرم
دیکھ لوں جی بھر کے طیبہ اے شہ عالی وقار
آپ والی ہو شہا ہر بے کس و مجبور کے
میری جانب بھی نظر ہو اے حبیبِ کردگار
غم مدینے کا عطا کر دو مجھے بس یا نبیﷺ
یادِ طیبہ میں سدا ہوں میری آنکھیں اشکبار
اب بلا لو مجھ کو آقا منتظر بیٹھا ہوں میں
مجھ کو دکھا دو مدینے کے حسیں نقش و نگار
آپ کے آنے سے پہلے تھا یہ عالم پُرخزاں
آپ کے آنے سے آئی سارے عالم میں بہار

کلام: محمد شان عالم ثانی عطاری
پسند: عرشیہ جنید، کراچی

بسم اللہ کی اہمیت

شیطان نے اللہ پاک سے سوال کیا۔ ”دنیا میں میرے کھانے کے لیے کیا ہے؟“
اللہ پاک نے فرمایا۔ ”وہ تمام چیزیں جن پر

مسلمان، بسم اللہ نہیں پڑھتے وہ تمہاری ہیں۔"

ثواب

ایک شخص کے گھر مہمان آگئے وہ آکر برآمدے میں لگے پنکھے کے نیچے بیٹھ گئے۔

میزبان بولا۔ "اِدھر بیٹھو۔"

مہمان بولے۔ "کیوں؟"

میزبان بولا۔ "ثواب ہوگا۔"

مہمان بولے۔ "کیسے؟"

میزبان بولا۔ "وہ پنکھا مسجد سے جو لایا ہوں۔"

مرسلہ: مسز اسامہ ملک، راولپنڈی

تین چیزیں

☆ تین چیزیں ایک جگہ پرورش پاتی ہیں۔ (پھول، کانٹے، خوشبو)

☆ تین چیزیں پردہ چاہتی ہیں۔ (کھانا، عورت، دولت)

☆ تین چیزیں چھوٹی نہ سمجھیں۔ (قرض، مرض، فرض)

☆ تین چیزوں کو بڑھاؤ۔ (عقل، ہمت، محبت)

☆ تین چیزیں ہر ایک کی جدا ہوتی ہیں۔ (صورت، سیرت، قسمت)

☆ تین چیزیں انسان کو تباہ کر دیتی ہیں۔ (حرص، حسد، غم)

☆ تین چیزیں بھائی کو بھائی کا دشمن بنا دیتی ہیں۔ (زن، زر، زمین)

از: عنبر وسیم، گوجرانوالہ

لازوال

جب تک آپ کے ہاتھ سے خیر تقسیم ہو رہی ہے، آپ کے اوپر زوال نہیں آسکتا۔

خیر کا مطلب: ایک پلیٹ کھانا، کچھ پیسے، اچھا مشورہ، دکھ میں دلاسا، مسکرا کر سلام کا جواب، بلا حسد و بغض مبارک باد، دوسروں کی خوشی میں دل سے خوش ہونا اور اس طرح کی چھوٹی، چھوٹی باتیں جن کی وجہ سے مخلوقِ خدا میں خوشیاں بانٹی جاسکیں۔

از: مریم علی، کراچی

"وبالوالدین احسانا"

انسان کی زندگی میں والدین کتنا بڑا سرمایہ ہوتے ہیں خاص کر اسلام نے تو والدین کو بہت بڑا درجہ دیا ہے کیونکہ ہر رشتے میں مفاد اور بدلے کی تمنا ہو سکتی ہے مگر ماں، باپ ساری زندگی مطلب سے پاک محبت کرتے ہیں اولاد سے، کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔ پتا نہیں کتنی محنت کرتے ہیں، کتنی تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ ہر جگہ ان کی ترجیح اولاد ہی ہوتی ہے اور خوش قسمت ہوتی ہے وہ اولاد جو ماں باپ کے لیے راحت وسکون کا باعث بنی ہو۔

خوش قسمت ہیں جن کے والدین حیات ہیں (یا ان میں سے ایک بھی) تو کوشش کریں کہ انہیں خوش رکھیں، ان کی خدمت کریں، ان کی دعائیں لیں، ان کے ساتھ نرمی سے بات کریں، ان کی بات توجہ سے سنیں کیونکہ یہ قرآن کا حکم ہے کہ ان کے آگے اُف نہ کرو اور میں تو اُف کے بعد کے الفاظ پڑھ کانپ جاتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ انہیں جھڑکو نہیں، آج زیادہ تر اولاد ایسی ہے کہ "آپ چپ کریں"۔ "آپ نہیں سمجھتے" وغیرہ جیسے جملے بڑے آرام سے کہتے ہیں۔ دوسری اہم بات کہ والدین کی خدمت کے لیے ان کے بڑھاپے اور بیماری کا انتظار نہ کریں۔ اپنے تندرست اور چلتے پھرتے کام کرتے والدین کو بھی وقت دیں زندگی کا کیا بھروسا۔

تھوڑے کو بہت جانیں میرے رب نے جنت جیسے اعلیٰ مقام کو باپ کی رضا میں رکھا تو ماں کے قدموں تلے جنت رکھی، جس کی تعلیم ہمارے نبی پاکؐ نے ہمیں دی اور جنت کسے نہیں چاہیے؟ بس آج سے جنت کے حصول میں لگ جائیں اور کامیابی حاصل کریں۔

از: روحی صبا، کراچی

چڑیا سے مکالمہ!

میرے آنگن کے شجر پر ایک چڑیا صبح سے چہچہا رہی تھی

میں نے حیرت سے پوچھا
تم اتنی مسرور کیوں ہو
وہ ہنستے ہوئے بولی
نادان
تمہاری قسمت پر نازاں ہو رہی ہوں
خوش بختی کا ایک خزینہ
تمہارے ہاتھ لگا ہے اور تم خاموش بیٹھی ہو
میں نے گھبرا کر کہا
ڈرتی ہوں اگر لب کھولوں گی تو
لہجے کا راز سب کے ہاتھ آ جائے گا
وہ گویا ہوئی
تو کیا زمانہ بے خبری کی نیند سو رہا ہے
روشنی بھی کبھی قید ہوئی
خوشبو بھی کبھی چھپ سکی
اور پھر پہلی خواہش کی خوشبو
اِک مدت ہوئی تمہاری آنکھوں نے یہ بھید سب پر کھول دیا
اب محض سہمے دل کو خوف کے جنگل سے نکالنا ہے
چلو ہم مل کر مسکراتے ہیں
اس کی بات سن کر میرے ہونٹوں پر بے نام سی ہنسی پھیلی
اور میرے اندر کا سارا اغبار ہوا میں تحلیل ہو گیا
شاعرہ: رابعہ سرفراز
پسند: ناظمہ شاہین، واہ کینٹ

کامیابی

ہر ایک کامیاب آدمی کے پیچھے ایک عورت ہوتی ہے جو اسے اتنا تنگ کرتی ہے کہ وہ دکھی ہو کر اپنے کام میں اتنا مصروف ہو جاتا ہے کہ کامیابی خود اس کے قدم چومتی ہے۔

مرسلہ: صدف آصف، کراچی

پیارے پاپا کی طرف سے

میں پاپا کا بیٹا پیارا، تھوڑا شرارتی تھوڑا نیارا
پاپا کی میں جان ہوں، ان کا سکون و آرام ہوں
مجھ سے ہی ہے سویرا اندھیرا، میں ہی ان کا چاند ہوں
میری فکر ستائے اُن کو، میری یاد رلائے ان کو
مجھ کو نہیں ہے جانا دور، حالات سے ہوں تھوڑا مجبور
میں پاپا کا بیٹا پیارا، تھوڑا شرارتی تھوڑا نیارا
اپنے ہاتھوں سے کھلایا، مجھ کو سینے پر سلایا
میرے ناز نخرے اٹھائے، میرے ہونٹوں پر سجائے
خوشیوں کے ترانے سارے، ہم نے ساتھ مل کے گائے
خوب رُلایا خوب ہنسایا، بہت سارا پیار دکھایا
ڈانٹا بھی سمجھایا بھی، میری ضد پر سر جھکایا
پاپا سے صبح میری اور پاپا ہی سے شام ہے
تم ہو میرے پاس تو دل کو سکون و آرام ہے
میں پاپا کا بیٹا پیارا، تھوڑا شرارتی تھوڑا نیارا

کاوش: اریبہ ارشد راولپنڈی

ہمارے ٹوٹکے

اگر آپ کے پیٹ میں بھوک سے چوہے ڈانس کرتے ہیں تو چوہے مار دوائی کھالیں، چوہوں کا ڈانس بھی بند ہو جائے گا اور آپ کو بھوک بھی نہیں لگے گی۔

اگر آپ کے دانتوں میں کیڑا لگا ہوا ہے تو کچھ دن روٹی نہ کھائیں، کیڑا بھوک سے مر جائے گا۔

اگر آپ کے سر میں درد ہے تو پاؤں پر ہتھوڑی ماریں۔

امید ہے سر کا درد بھول جائیں گی۔

اگر آپ سائنسدان بننا چاہتی ہیں تو گیلے ہاتھ سوئچ بورڈ میں لگائیں امید ہے یہ ایک نیا تجربہ ہوگا۔

مہکتی کلیاں

☆ بخل اور ایمان ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔
☆ سخی گناہ گار خدا کے نزدیک بخیل عابد سے اچھا ہے۔
☆ حاکم کا ایک گھڑی کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔
☆ جہادِ کفار جہادِ اصغر ہے اور جہادِ نفس جہادِ اکبر۔
☆ دنیا میں وہی لوگ سر بلند رہتے ہیں جو تکبر کے تاج کو دور پھینک دیتے ہیں۔

از: فہمیدہ جاوید، ملتان

☆☆☆

میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی

☆معزا کبر......کراچی
ناکامیوں کا سفر تمام کر کے
دل کی حسرت تمام کر کے
ایک سکون و طمانیت کا احساس
حاصلِ زیست و غم تمام کر کے

☆زرینہ خانم لغاری......مظفر گڑھ
وہ بے وفا ہے تو مت کہو برا اس کو
کہ جو ہُوا سو ہُوا خوش رکھے خدا اس کو

☆صدف آصف......آسٹریلیا
میں تو سچ کہنے کا مجرم تھا مگر میرے خلاف
لوگ دینے کے لیے آئے شہادت کیا کیا
اب یہ عالم ہے دعا کو بھی تو اٹھتے نہیں ہاتھ
وصف رکھتی ہے قلندر کی قناعت کیا کیا

☆عرشیہ جنید......کراچی
ہم فقیروں سے دوستی کرلو
ڈھنگ سکھادیں گے بادشاہی کا

☆ثوبیہ ظہور......ضلع اٹک
ہم اہلِ جنوں اہلِ جنوں اہل جنوں ہیں
ہر اک سے تیرے پیار کا قصہ نہیں کہتے

☆روحی صبا......کراچی
میں اس سے حالِ دلِ زار اور کیا کہتا
ملا تھا وہ تو میں چپکے سے رو دیا تو تھا
سمجھ میں کچھ نہیں آتا میں کیسے ڈوب گیا
نہیں تھا کوئی میرا ناخدا، خدا تو تھا

☆راشدہ عفت احمد مطیع......جرمنی
عشق اک سمندر ہے جانے ہم پہ کیا گزرے
فن ہمیں نہیں آتا ڈوب کے ابھرنے کا
کب کسی کو جیتے جی روح نے بنایا ہے
بوجھ کتنا بھاری ہے جسم کے لبادے کا

☆نازنین آفریدی......پشاور
ہر اک کو طُور پہ یکساں جواب ناممکن
مگر کسی کو یہ اب تابِ گفتگو کب ہے

☆گلشاد نذیر......اسلام آباد
آساں سہی بچھڑ کے رہنا
پر اس کا سا دل کہاں سے لائیں

☆اقرا......کراچی
وہ ملا تو صدیوں کے بعد بھی میرے لب پہ کوئی گلہ نہ تھا
اسے میری چپ نے رلا دیا جسے گفتگو میں کمال تھا

☆عروبہ ناز......کوٹلی
دیکھا ہے تجھے کیا یہ تحیّر کا ہے عالم
معلوم نہیں کچھ مجھے میں ہوں کہ نہیں ہوں

☆پروین اختر......لاہور
صرف محسوس ہی کرسکتے ہیں
رنگ خوشبو کا نہیں ہے کوئی

☆رافعہ بتول......وہاڑی
میں اس کی بات کا اس سے گلہ کروں کیونکر
اسے تو بات بنانے میں ہے کمال بہت
رہِ وفا میں ذرا سوچ کر قدم رکھنا
کہ اس میں جاں کے زیاں کا ہے احتمال بہت

☆کائنات عبدالحلیم......میرپور خاص
حشر کے دن کا مجھے خوف بھلا ہو کیسے
مجھ کو حاصل میرے آقا کا سہارا ہوگا

☆شہزادی کائنات......پنوں عاقل
سارے چمن کو رشکِ بہاراں کیا تو کیا
چہروں کو رنگ و بو سے گلستاں کیا تو کیا
ظلمت کدے میں میرے اگر روشنی نہیں
ہر شہر ہر گلی میں چراغاں کیا تو کیا

☆☆☆

خوش ذائقہ

شگفتہ یاسمین

شیف گلزار کے اسپیشل چند مدراسی پکوان کی ترکیبیں نذر قارئین ہیں جو شائستہ زریں کی مدد سے حاصل ہوئیں۔ شکریہ شائستہ!

بٹا گوشت

اجزا: گائے کے پسندے، 1 کلو۔ کالی مرچ (کٹی ہوئی) 1 کھانے کا چمچہ۔ زیرہ (کٹا ہوا) 1 چائے کا چمچ۔ لال مرچ (کٹی ہوئی) 2 کھانے کے چمچ۔ دار چینی، 1 ڈنڈی۔ لونگ، 3، 4 عدد۔ چھوٹی الائچی تین سے چار عدد۔ بڑی الائچی (دانے) دو عدد۔ ہری مرچیں (کٹی ہوئی) چار پانچ عدد۔ ادرک، لہسن (چوپڈ) آئل 1/2 کپ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ لیموں گارنیشنگ کے لیے۔

ترکیب: پسندوں کو سل بٹے سے اچھی طرح سے کوٹ لیں۔ ایک پتیلی میں گوشت اور تمام مسالے شامل کرلیں۔ ایک سے ڈیڑھ کپ پانی شامل کریں اور گلنے کے لیے چھوڑ دیں جب گوشت گلنے کے قریب آجائے تو اس میں آئل شامل کر کے بھون لیں۔ ڈش آؤٹ کرلیں اور لیموں سے گارنیشنگ کر کے سرو کریں۔

مدراسی پلاؤ

اجزا: مٹن، 1 کلو۔ ادرک، لہسن پیسٹ 3 - 2 کھانے کے چمچ۔ پیاز 2 عدد۔ بڑی الائچی 4 - 5 عدد۔ ثابت سونف 1 کھانے کا چمچ۔ سفید زیرہ 1 کھانے کا چمچ۔ ثابت دھنیا 2 کھانے کا چمچ۔ دار چینی 3 - 2 ڈنڈیاں۔ بادیان کے پھول 3 - 2 عدد۔ گھی 1/2 کپ۔

پلاؤ کے بگھار کے لیے اجزا: چاول 1/2 کلو۔ دہی 1 کپ۔ تیز پات 3 عدد۔ پیاز (براؤن) 3 عدد۔ سرکہ 2 کھانے کے چمچ۔ چھوٹی الائچی 8 عدد۔ کالی مرچ (کٹی ہوئی) 1 چائے کا چمچ۔ ہری مرچیں 8 - 6 عدد۔ املی کا پیسٹ 1/2 کپ۔ کڑی پتے 12 - 10 عدد۔ زردے کا رنگ 1 چٹکی۔ گھی 1/2 کپ۔ نمک، حسب ذائقہ۔

مٹن اور یخنی بنانے کا طریقہ: ایک پین میں 1/2 کپ گھی اور پیاز ڈال کر براؤن کرلیں۔ اب اس میں ادرک لہسن پیسٹ شامل کر کے مٹن شامل کرلیں اور اچھی طرح سے بھون لیں یہاں تک کہ گوشت اور گھی الگ، الگ ہوجائیں۔ اب ایک پوٹلی تیار کرلیں جس میں بڑی الائچی، سونف، ثابت دھنیا، زیرہ، بادیان کے پھول اور دار چینی ڈالیں اور پوٹلی کو پتیلی میں ڈال کر حسب ضرورت پانی شامل کریں اور گوشت گلنے تک پکائیں۔ اب گوشت اور یخنی الگ کرلیں اور پوٹلی کو ضائع کردیں۔

بگھار بنانے کا طریقہ:

ایک پتیلی میں 1/2 کپ گھی شامل کریں اور پیاز ڈال کر براؤن کرلیں۔ آدھی پیاز نکال کر ٹشو پیپر پر پھیلا دیں اور آدھی پتیلی میں رہنے دیں۔ اب اس میں کالی مرچ، چھوٹی الائچی، تیز پات اور ہری مرچیں شامل کریں اور 3 - 2 منٹ بھون کر اس میں گوشت اور دہی (پھینٹا ہوا) شامل کریں۔ دہی بھن جائے اور گھی الگ ہوجائے تو املی کا پیسٹ اور کڑی پتے شامل کر کے مکس کرلیں۔ اب اس میں پہلے سے تیار یخنی شامل کرلیں۔ جسے ہی یخنی میں ابال آجائے تو چاولوں کو شامل کریں اور ڈھکن ڈھانپ کر پکائیں۔ جب چاولوں کا پانی خشک ہونے لگے تو باقی بچے براؤن پیاز، زردے کا رنگ اور سرکہ ڈال کر دم پر لگادیں۔ دم پورا ہوجائے تو ڈش آؤٹ کر کے سرو کریں۔

☆☆☆

بزمِ پاکیزہ

پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆ مسز خدیجہ جمیل......لاہور

سوال: اللہ کی مرضی اور اپنی مرضی کے درمیان فرق کا نام کیا ہے؟

جواب: بس راضی برضا ہی رہو......اپنی وپنی کچھ نہیں۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ شکیلہ ایوب......شاہدرہ ٹاؤن لاہور

سوال: تعلقات قصور کی وجہ سے خراب ہوتے ہیں یا دماغ کے فتور کی وجہ سے؟

جواب: پیٹ کا تندور بھرنے کی فکر کی وجہ سے۔

☆ ساجدہ ظفر......کمالیہ

سوال: غریب سے اکڑ کر ملنا اور امیر سے ملتے وقت چہرے پر مسکراہٹ سجالینا کہاں کا دستور ہے؟

جواب: کم از کم ہماری بزم کا تو دستور نہیں۔

سوال: محبتیں ڈھونڈنے سے نہیں ملتیں تو کیا بانٹنے سے مل جاتی ہیں؟

جواب: ہاں شاید (کہیں سے) ہوتے، ہوتے واپس آجائے۔

سوال: کسی کا دکھ سن کر ہم ادھار تو دے دیتے ہیں مگر ادھار واپس لینے کے لیے اپنا دکھ سنانا پڑتا ہے ......کیوں؟

جواب: ہائے افسوس......ہم اس دکھ میں برابر کے شریک ہیں۔

سوال: نئے سال کو خوشگوار بنانے کا سستا اور آسان طریقہ کیا ہے؟

جواب: نئے سال کی مبارک باد دیجیے اور دعائیں لیجیے۔

☆ فہمیدہ جاوید......ملتان

سوال: آسمان سے گرے کھجور میں اٹکے بھلا کون؟

جواب: تم سے تو کم از کم یہ بعید نہیں ہے۔

☆ فردوس رشید......لاہور

سوال: پولیس افسر اور اپوزیشن لیڈر کے درمیان گالیاں نکالنے کا مقابلہ ہو جائے تو کون جیتے گا؟

جواب: پرائم ٹائم والے۔

☆ جینا......کراچی

سوال: ہوائی جہاز میں ڈنڈا پکڑ کر سفر کیوں نہیں کر سکتے؟

جواب: تم ڈنڈا ساتھ لے کر جانا۔

سوال: بریانی کو دم دیتے، دیتے اگر اس کا دم گھٹ جائے تو؟

جواب: لئی بنانی ہے کیا پھر کہاں کی تعریفیں۔

☆ زرینہ خان لغاری......مظفر گڑھ

سوال: سوداگر ہمیشہ گھوڑے بیچ کر کیوں سوجاتا ہے سوچا جائے تو اس کے پاس بہت رقم ہوتی ہے پھر وہ کیوں سو جاتا ہے؟

جواب: اسے نیند آرہی ہوتی ہے ناں......تم اس کے سونے کے انتظار میں کیوں جاگتی رہتی ہو بھئی۔

☆ ایمن ذیشان......لاہور

سوال: جب ہم دوسروں کو آئینہ دکھاتے ہیں تو آئینہ دکھانے سے پہلے خود کو کیوں نہیں دیکھتے؟

جواب: بھئی دوسری طرف سے تو آئینہ صیقل

ہوتا ہے ناں، اپنی شکل کا ہے کو نظر آئے۔

سوال ﴿ کہتے ہیں ایک بیوی سے مرد عاجز آ جاتا ہے اور زیادہ بیویوں سے مرد میں عاجزی آ جاتی ہے، ایسا کیوں ہے؟

جواب ﴿ پنگ پانگ کی گیند جو بن جاتا ہے وہ۔

☆ عنایہ ذیشان ڈوگر...... کمالیہ

سوال ﴿ ہم اپنی ہزار غلطیوں کے باوجود اپنے آپ سے محبت کرتے ہیں مگر دوسروں کی ایک غلطی کی وجہ سے اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، ایسا کیوں ہے؟

جواب ﴿ تو دوسرا ہم تھوڑی ہے...... ہم تو ہم ہیں بھئی!

سوال ﴿ کسی سے دل لگانا خطرناک ہے یا کسی کے بالوں میں چیونگم لگانا زیادہ خطرناک ہے؟

جواب ﴿ تم گنجی تو نہیں ہونا چاہ رہی ہو۔

☆ زینیا حسن...... کراچی

سوال ﴿ مرغی خود حیران ہے کہ مجھ سے زیادہ مہنگے تو میرے انڈے ہیں۔ مرغی اس پر فخر کرے یا افسوس......؟

جواب ﴿ دونوں پہلے فخر پھر ہم انسانوں پر افسوس۔

سوال ﴿ چھئی چھپا چھئی چھپاک چھئی
سڑکوں پر کیچڑ اڑاتی ہوئی لڑکی
بارشوں کے موسم میں سڑکوں پر کیچڑ نما پانی جمع دیکھ کر یہ گنگنا کر برسات انجوائے کرتی ہوں۔ آپ کیسے برسات انجوائے کرتی ہیں؟

جواب ﴿ ہائے ربا ایسی انجوائے منٹ......!

سوال ﴿ ہمارے غریب محلے میں جن کے پاس گاڑی نہیں ہے وہ سب سے جھک کر ملتے ہیں، جس کے پاس پھٹیچر گاڑی ہے وہ اکڑ کر ملتے ہیں اور جس کے پاس ذرا بہتر گاڑی ہے وہ کسی سے ملتے ہی نہیں ایسا کیوں؟

جواب ﴿ ارے ہمارے پاس تو بس، ٹرک، ٹرین سب کچھ ہے دیکھو ہم پھر بھی...

☆ ماہین مسعود...... کمالیہ

سوال ﴿ انسان قیمتی ہو کر بھی دوسروں کے لیے مفت کب ہو جاتا ہے؟

جواب ﴿ جب اپنا آپ خود گروی رکھنے کو تیار ہو جائے۔

☆ یاسمین اسرار رانا...... کمالیہ

سوال ﴿ میں نے سرتاج سے پوچھا نئے سال پر مجھے کیا تحفہ دے رہے ہیں...... کہنے لگے نئی سوکن...... اب میں کیا کروں؟

جواب ﴿ ارے کیا پرانی بھی کوئی سوکن ہے۔

سوال ﴿ بدتمیز ہونا زیادہ خطرناک ہے یا بدمزاج ہونا؟

جواب ﴿ دونوں بھئی۔

☆ نازین آفریدی...... پشاور

سوال ﴿ آنٹی بڑی مصیبت ہوگئی ہے ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے پزا کھایا مگر تصویر بنانا بھول گئی۔ اب سب کو کیسے یقین دلاؤں کہ میں نے آج پزا کھایا ہے؟ مشورہ چاہیے؟

جواب ﴿ خالی ڈبا تو رکھا ہوگا۔

☆ روحی صبا...... کراچی

سوال ﴿ کچھ لوگ لاکھ پُر خلوص کوششوں کے باوجود اپنے نہیں بنتے...... آخر کیوں؟

جواب ﴿ بدقسمت ہوتے ہیں۔

سوال ﴿ سردی کا موسم سامنے ڈرائی فروٹ اور گرما گرم چائے رکھی ہے ایسے میں بھلا کس چیز کی کمی محسوس ہوگی؟

جواب ﴿ پُر خلوص دوست کی۔

☆ شکیلہ ایوب...... شاہدرہ ٹاؤن لاہور

سوال ﴿ محبت اندھی ہوتی ہے پھر یہ خوب صورتی اور بینک بیلنس کیسے دیکھ لیتی ہے؟

جواب ﴿ ایک آنکھ سے اندھی ہوتی ہے۔

سوال ﴿ پیسوں کو استعمال کرنے اور پیسوں سے استعمال ہونے میں کیا فرق ہے؟

جواب ﴿ ہم م م...... آج کل کے حالات سے آنکھیں بند رکھے ہوئے ہو گیا۔

☆☆☆

روحانی مشورے

ادارہ

پناہ مانگنے کی اہمیت

انسان زمانے کی پریشانیوں اور مصیبتوں میں گھرا ہوا ہے۔ یہ تکلیفیں عموماً اپنی سیاہ کاریوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے ہیں۔ ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہر شخص کوشش کرتا ہے لیکن سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کیا جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصائب اور پریشانیوں سے پناہ مانگی ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو اس کی تعلیم دی ہے۔

جب کوئی مصیبت یا تکلیف پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو، اللہ تعالیٰ ان تکلیفوں کو دور کردے گا۔ صحابہ کرامؓ نے اس پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مصیبتوں کو دور فرمایا اور آرام کی زندگی عطا فرمائی۔ اگر ہم بھی ان مصیبتوں کو دور کرنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ مصیبتیں اور تکالیف دور ہوں گی۔

نفاق اور بری عادتوں سے پناہ مانگنے کی دو دعائیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذیل کی دعا کو پڑھ کر نفاق اور برے اخلاق سے پناہ مانگتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْٓءِ الْاَخْلَاقِ

ترجمہ: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بدبختی اور نفاق اور برے اخلاق سے۔ (سنن ابی داؤد)

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُّنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَھْوَاءِ

ترجمہ: الٰہی! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بری عادتوں اور برے کاموں اور بری خواہشوں سے۔ (جامع ترمذی)

کفر سے پناہ مانگنے کی دعا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کو پڑھ کر کفر سے پناہ مانگتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ

ترجمہ: یا اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کفر اور محتاجی سے۔ (سنن نسائی)

طمع اور لالچ سے پناہ مانگنے کی دعا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں تم طمع اور لالچ کی برائی سے پناہ مانگا کرو۔ (یوں کہو)

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ طَمَعٍ یَّھْدِیْٓ اِلٰی طَبَعٍ

ترجمہ: "الٰہی! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسی لالچ سے جو مہر لگنے تک پہنچا دے۔" (مسند احمد)

نفس کی برائی سے پناہ مانگنے کی دعا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کو یہ دعا تعلیم فرمائی تھی۔

اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ

ترجمہ: اے اللہ! میرے دل میں بھلائی ڈال دے اور میرے نفس کی برائی سے مجھے بچالے۔ (جامع ترمذی)

بے روزگاری سے پناہ مانگنے کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُؤْسِ وَالتَّبَاؤُسِ

ترجمہ: اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں تنگ دستی کی مصیبت سے اور حد سے گزری ہوئی تنگ دستی سے۔ (سنن ابی داؤد)

برسوں سے قائم، اعلیٰ ترین معیار---
شوابے ہومیوپیتھی
میں بے مثل
Dr. Willmar Schwabe
Germany
From Nature. For Health.
SCHWABE
شوابے ہومیوپیتھک سنگل ریمیڈیز
ہومیوپیتھی میں بہترین
ہومیوپیتھی میں دوا کا مستقل اعلیٰ معیار ان کی غیر معمولی افادیت کا سبب بنتا ہے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے، جرمنی کے برسوں سے قائم اعلیٰ ترین معیار کی وجہ سے اس کے قائدانہ مقام کا دنیا میں کوئی مقابلہ نہیں۔
شوابے اپنے تمام ادویاتی پودے جرمنی میں واقع اپنے نباتاتی باغات میں 100% قدرتی طریقے سے کاشت کرتا ہے۔ اعلیٰ ترین معیار یقینی بنانے کے لیے غیر معمولی تحقیق کی بنیاد پر جدید طریقہ کار کے ذریعے دنیا کی بہترین ہومیوپیتھک دوائیں تیار کی جاتی ہیں۔
دواسازی کا تمام تر عمل جی ایم پی معیارات اور ہانیمن کے وضع کردہ اصولوں کے مطابق انجام دیا جاتا ہے اور اس طرح تیار کردہ دوائیں جرمنی سے تمام دنیا بشمول پاکستان کو برآمد کی جاتی ہیں۔
Tablets
Dilutions
Mother Tinctures
German Imported In Original Pack
Importer:
Dr. Hamid
General Homoeo (Pvt.) Ltd.
Karachi, Phone: 021-32211895
www.drhamid-schwabe.com
Lahore, Phone: 042-36291603

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جا رہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

پیریڈ کا جلدی ہونا

مسز عنصر قاضی ...... ڈیرہ غازی خان

سوال: ڈاکٹر صاحب میرے دو مسئلے ہیں۔ پہلا یہ کہ مجھے پیریڈ ہر پندرہ دن بعد ہو جاتے ہیں اور دس دن تک رہتے ہیں۔ شروع میں تیز ہوتے ہیں پھر چار سے پانچ دن بعد ہلکے ہو جاتے ہیں لیکن دس دن تک جاری رہتے ہیں۔ ایسی دوا دیں کہ یہ اپنی Date پر ہوں اور چھ سے سات دن میں ختم ہو جائیں۔

دوسرا مسئلہ لیکوریا کا ہے۔ جو کہ پیریڈ کے ختم ہوتے ہی بہت زیادہ ہو جاتا ہے پھر دو تین دن بعد کم ہو جاتا ہے لیکن بالکل ختم نہیں ہوتا۔ برائے کرم ایسی دوا دیں کہ یہ مسئلہ بھی بالکل ختم ہو جائے۔

جواب: ایسا کب سے ہو رہا ہے، آپ کی عمر کیا ہے۔ الٹرا ساؤنڈ Pelvis کرا کر رپورٹ بھیجیں تاکہ آپ کو ایک صحیح نسخہ تجویز کیا جاسکے۔

بچی کو پیار دیں

قدسیہ عقیل ...... کراچی

سوال: بچی کی عمر چھ سال ہے۔ رات کو دیر سے سوتی ہے۔ دن میں بھی نیند کم آتی ہے۔ صبح اسکول جاتے وقت متلی کی شکایت کرتی ہے۔ پانی پیتی ہے بار بار پھر قے کر دیتی ہے۔ اسکول جا کر توسیٹ ہو جاتی ہے پڑھائی میں بھی اچھی ہے۔ قبض کی شکایت رہتی ہے حالانکہ دن میں روٹی کھاتی ہے۔ گیس خارج کرتی رہتی ہے۔ ہر وقت بھاگ دوڑ میں لگی رہتی ہے۔ ہر کام سے جلد اکتا کر کہتی ہے کہ اب میں کیا کروں؟ ضدی بہت

ہے اور چڑچڑی ہوگئی ہے، بھائی کی پیدائش کے بعد کہتی ہے کہ کوئی مجھ سے پیار نہیں کرتا سب بھائی سے پیار کرتے ہیں۔ سوالات بھی بہت کرتی ہے۔ جوائنٹ فیملی میں رہتی ہے۔ 3 بچے ساتھ ہیں فیملی کے ساتھ کئی طرح کے مسائل ہیں۔ بچی اس لیے ضدی اور غصے والی ہوگئی ہے۔ سوال اس طرح کے کرتی ہے کہ میں کب بڑی ہوں گی۔ مجھے دوسرے زیادہ کھلونے کیوں نہیں خرید کر دیتے، کیا ہم غریب ہیں۔ ڈاکٹر سے چیک اَپ کے لیے جاتی ہے وہ کہتی ہے کہ بچی ٹھیک ہے...... جوائنٹ فیملی کی وجہ سے مسائل ہیں۔ اب میں علیحدہ گھر نہیں لے سکتی کیونکہ شوہر اس حق میں نہیں اور نہ کبھی ہوں گے۔ ڈاکٹر نے آئرن اور کیلشیم کے سیرپ دیے ہیں۔ آپ دوائیں تجویز کریں اور کچھ تجاویز بھی دیں۔

جواب: پہلے بچی کو سب پیار کرتے تھے پھر بیٹے کی پیدائش کے بعد اس کا پیار بٹ گیا، جوائنٹ فیملی میں لوگ لاڈ پیار کر کے بچوں کو ضدی، غصے والا چڑچڑا بنا دیتے ہیں۔ تمام بڑوں کو سمجھائیں کہ بچی سے پیار محبت کریں، لاڈ نہ کریں۔ ڈاکٹر دلمار شوابے جرمنی کی Chamomilla30 کے 5،5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دیں 3 مرتبہ دن میں۔ ایک ماہ بعد حال بتائیں۔

ناک بند اور بواسیر

محمد علی...... پشاور

سوال: عرض ہے کہ میرے دو مسئلے ہیں۔ 1۔ ناک کی بندش کا۔ 2 بوایر کا، بواسیر کی تکلیف بچپن سے ہے۔ علامات: 1 پیٹ ہر وقت ہوا، گیس، ریح سے بھرا رہتا ہے۔ ایک وقت میں زور لگا کر بھی پورا خالی نہیں ہوتا۔ 2 کھٹی، کھاری، مرچی والی، بادی اشیاء شلجم، مولی، پالک کھانے سے ریح بڑھتا ہے اور خون بھی آنے لگتا ہے۔

3۔ آنت کا بیرونی سرا نہ خود باہر آتا ہے نہ خود پھر اندر ہوتا ہے۔ زور لگا کر باہر کرنا پڑتا ہے اور پھر انگلی کے زور سے اندر کرنا پڑتا ہے۔ ناک کا مسئلہ: 1976 میں

جرمنی کے شہر Bremen میں ناک کا آپریشن کروایا لیکن پھر سانس لینے میں تکلیف ہونے لگی ہے۔ گلا بھی خراب رہتا ہے۔ کوئی اچھی دوائیں تجویز کیجیے۔ مہربانی ہوگی۔

جواب: قبض نہ ہونے دیں، نیم گرم پانی میں نمک ڈال کر دن میں 3 مرتبہ ناک میں چڑھائیں۔ ڈاکٹر دلمار شوابے جرمنی کی Aesculus Pentarkan Ptk3 کے دس دس قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں ــــ اور Cinnabaris Pentarkan Ptk 31 کی دو گولیاں دن میں 3 مرتبہ چبا کر لیں۔ 2 ماہ بعد پھر کیفیت سے آگاہ کریں۔

پیٹ کا بڑھنا

ماریہ...... شبقدر

سوال: اللہ آپ کو خوش اور کامیاب رکھے۔ آمین! میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا پیٹ بہت زیادہ باہر کو نکلا ہوا ہے۔ میں شادی شدہ ہوں عمر 30 سال ہے 4 بچے ہیں چاروں بچے نارمل پیدا ہوئے ہیں۔ ماہواری بھی بالکل ٹھیک ہے لیکوریا کا مسئلہ ہے مگر زیادہ نہیں ہے۔ میرا باقی جسم متناسب ہے موٹاپا بالکل بھی نہیں ہے مگر میں پیٹ کی وجہ سے سخت پریشان ہوں۔ میرے جسم پر ڈھول کی طرح لگا ہوا پیٹ بہت بُرا لگتا ہے .... سائز بھی بڑے فٹ بال جیسا ہے۔ مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے چلنے پھرنے میں بھی۔ میرے پاس کچھ ہومیوپیتھک کی کتابیں ہیں اُن سے اپنے لیے دوا تجویز کی ہے۔ دوا کو شروع کیے 4 ماہ ہو چکے ہیں مگر کوئی خاص افاقہ نہیں ہوا۔ شادی کے بعد سے مجھے یہ تکلیف شروع ہوئی ہے، میں ایکسر سائز بھی کرتی ہوں کھانے سے پہلے پانی پی لیتی ہوں کھانے کے آدھا گھنٹا بعد یا اس سے بھی زیادہ ٹائم بعد پانی پیتی ہوں۔ آپ کا کالم پڑھ کر یہ سب احتیاطیں کرتی ہوں مگر نتیجہ صفر ہے۔

آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہوگا میری مدد کریں

اس پھولے ہوئے پیٹ کا کوئی علاج بتائیں۔ میں بہت غریب ہوں خدارا میری مدد کریں ساری عمر آپ کو دعائیں دوں گی۔ بہت امید کے ساتھ آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔

جواب: ماریہ آپ نے قد اور وزن نہیں لکھا تا کہ ہم اندازہ کرتے کہ آپ میں وزن کی زیادتی تو نہیں۔ یہ ایک بہت عام مسئلہ ہے خواتین کا۔ یاد رکھیں خود سے علاج نہ کیا کریں۔ ڈاکٹر کے مشورے سے ادویات استعمال کیا کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Podophylum 30 کے 5،5 قطرے دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں اور ہر ہفتے صبح کو Calc carb200 کی ایک خوراک 7 قطرے ایک گھونٹ پانی میں استعمال کریں۔ 2 ماہ بعد پھر حال بتائیں۔

جوانی کی غلطی

جواد نواز......جہلم

سوال: میں نے اپنی جوانی بُری صحبت سے تباہ کر دی ہے۔ جس کی وجہ سے 35 سال کی عمر میں بوڑھا دکھائی دیتا ہوں۔ 6 ماہ پہلے میری شادی ہوئی ہے۔ میرے لیے دوائیں تجویز فرمائیں تا کہ میری ازدواجی زندگی اچھی گزر سکے۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوق اس لیے بھی کہا ہے کہ وہ اپنے نفس پر کنٹرول کرتا ہے۔ بے عقلی کا مظاہرہ نہیں کرتا اور جذبات کو کنٹرول میں رکھتا ہے۔ بہرحال جو وقت گزر گیا وہ گزر گیا۔ موجودہ وقت آپ کے اپنے ہاتھوں میں ہے۔ اعتدال کی راہ اپنایئے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Damiana Pentarkan اور Ptk40 Staphisagria 30 کے 10، 10 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں 3 مرتبہ کھانے کے بعد استعمال کریں۔ ایک ماہ بعد اپنا حال بتائیں۔

آنکھوں کی کمزوری

مسز عائشہ......اسلام آباد

سوال: میں نے پہلے بھی آپ کو خط لکھا تھا۔ بیٹی کے وزن کے بارے میں۔ سخت ایکسرسائز اور آپ کی بتائی ہوئی دوائی سے الحمد اللہ اس کا وزن 95kg سے 65kg ہو گیا۔ چھ مہینے لگے۔ پیدائشی اس کی آنکھ میں Squint ہے۔ ڈاکٹر نے عینک بھی تجویز کی عینک پہنتی ہے تو بالکل محسوس نہیں ہوتا، جاب کرتی ہے۔ کمپیوٹر کے آگے کئی گھنٹے گزارنے پڑتے ہیں۔ برائے مہربانی اس کا علاج تجویز کریں۔ اگر اگلے شمارے میں دیں تو مہربانی ہوگی۔

جواب: ورزش جاری رکھیں اور کھانے پر بھی کنٹرول رکھیں۔ آنکھ کی کمزوری کب سے ہے عموماً پیدائشی بخار کے بعد یا پھر چوٹ لگنے کی وجہ سے ہوتی ہے اس کے سبب کو جاننا بہت ضروری ہے اور چشمہ لگانا بھی ضروری ہے۔ فی الحال ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کرائیں Calc Phos 6 Calc ،Physostigma 30 Flour 6 کے 5،5 قطرے 1/4 گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ 3 ماہ بعد حال بتائیں۔

سر کے سفید بال

عروج......راولپنڈی

سوال: میرے سر کے تقریباً 80 فیصد بال سفید ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔ آپ پلیز کوئی اچھی سی دوا تجویز کریں کہ میرے بال کالے جائیں۔

جواب: غم، فکر، ناقص غذا، پانی غیر معیاری، شیمپو، تیل اور کچھ جسمانی تبدیلیاں جو وقت و عمر کے ساتھ ہوتی ہیں بالوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Lycopodium 30, Natrum mur-30 کے 7،7

قطرے Jaborandi Q کے 10 قطرے آدھے کپ پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

ناک میں گوشت

رخسار......لاہور

سوال: میری بیٹی کو 3 سال سے نزلہ رہتا ہے۔ دن میں تو منہ سے سانس لیتی ہے۔ لیکن سوتے وقت منہ کھول کر سوتی ہے۔ قد ٹھیک ہے لیکن وزن زیادہ ہے۔ چہرے پر بازو اور پیٹھ وغیرہ پر غیر ضروری بال زیادہ ہیں۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کی ناک کا گوشت بڑھا ہوا ہے۔ دوا کتنے عرصے استعمال کرنی ہے اور پرہیز بھی بتائیے گا۔ آپ کی بہت مشکور رہوں گی۔

جواب: بیٹی سے کہیں وہ دن میں 5 مرتبہ ناک میں اوپر تک پانی چڑھایا کرے اور اگر نیم گرم پانی میں تھوڑا سا نمک ڈال کر اس کو ناک میں چڑھائیں تو زیادہ فائدہ ہوگا۔ تمام قسم کی ٹھنڈی چیزوں سے پرہیز کریں۔ (آئس کریم، قلفی، لال شربت، کولڈ ڈرنکس) اور بغیر دیکھے نہیں بتایا جاسکتا کہ کب تک ٹھیک ہوگا۔ فی الحال 2 ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کا Cinnabaris Pentarkan Ptk-31 کی ایک ایک گولی دن میں 3 مرتبہ استعمال کرائیں۔

بواسیر

سپنا......پشاور

سوال: میں شادی شدہ ہوں، پانچ بچے ہیں، بھی بچے نارمل پیدا ہوئے کبھی کوئی آپریشن وغیرہ نہیں ہوا بظاہر کوئی بیماری نہیں۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے مقعد کے مقام پر گوشت کا ایک چھوٹا سا دانہ سا بن گیا ہے اس میں کسی زخم کی طرح درد ہوتا ہے، سخت اجابت کے بعد تکلیف بڑھ جاتی ہے اجابت کھل کر نہیں ہوتی بہت زور اور کوشش سے ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ خون بھی نکلا اجابت کے بعد جلن اور بھی بڑھ جاتی ہے ٹانگوں میں درد ہوتا ہے

مقعد کو دبانے سے سکون ملتا ہے بہت مشکل میں ہوں، میں کبھی کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں گئی۔ پہلی بار آپ کو خط لکھ کر اپنی تکلیف بتا رہی ہوں میرا پیٹ ہر وقت سوجا ہوا رہتا ہے پیٹ پر ہاتھ رکھو تو پتھر کی طرح سخت لگتا ہے مقعد کے اندر بھی تکلیف اور درد ہوتا ہے۔ دوسرا مسئلہ بالوں کا ہے، میرے بال بہت نرم اور سلکی ہیں خشکی بالکل نہیں ہے۔

جواب: وزن کنٹرول رکھیں اور قبض نہ ہونے دیں۔ پانی صبح نہار منہ نیم گرم پئیں، کھانے سے پہلے پئیں اور کھانے کے 3 گھنٹے کے بعد پیا کریں۔ فروٹ اور سبزیوں کا استعمال بڑھائیں۔ میدے سے بننے والی چیزیں قبض کرتی ہیں۔

آپ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Aesculus Pentarkan Ptk3 کے 10 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

مستقل نزلہ

روبینہ......کراچی

سوال: میں 20 سال سے پاکیزہ پڑھ رہی ہوں۔ بہت اچھا ڈائجسٹ ہے۔ ہومیو کلینک بڑے شوق سے پڑھتی ہوں۔ آپ نہایت توجہ سے تمام مریضوں کو علاج بتاتے ہیں اسی بنا پر میں آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ تقریباً ایک سال سے نزلہ حلق میں گرتا رہتا ہے۔ سڑ سڑ کر کے سارا دن نزلہ حلق میں کرتی ہوں۔ کبھی ٹھیک ہو جاتا ہے کبھی دوبارہ ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی گلا خراب ہو جاتا ہے۔ کھانسی بھی ہوتی ہے۔ باقی ماشاءاللہ سے سب ٹھیک ہے۔ کھانا پینا بھی صحیح ہے۔ میں باہر کی چیزیں جوس یا فالتو اشیا سے مکمل پرہیز کرتی ہوں۔ گھر کے تیار کردہ کھانے ہی استعمال کرتی ہوں۔ کولڈ ڈرنک، آئسکریم بھی سال میں ایک یا دو بار ہی کھالیتی ہوں۔

جواب: جب نزلہ مستقل رہنے لگے تو اس کا

مطلب یہ ہوتا ہے کہ نمبر 1 خاندانی ہے۔ نمبر 2 ناک کا گوشت یا ہڈی یا پھر دونوں بڑھ چکے ہیں۔ آگر ملتیں تو زیادہ بہتر تھا۔ ٹھنڈا گرم اور گرم ٹھنڈا نہ کریں۔ نیم گرم پانی میں تھوڑا سا نمک ڈال کر غرارے بھی کریں اور ناک میں اوپر تک بھی چڑھائیں۔ تمام قسم کی ٹھنڈی چیزوں فریج کی رکھی ہوئی ٹھنڈی چیزوں پھلوں سے پرہیز کریں۔ ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Cinnabaris Pentarkan Ptk-31 کی ایک گولی دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔

پتے میں پتھریاں

صالحہ...... گوالمنڈی

سوال: تقریباً ایک سال سے میرے پتے میں پتھریاں ہیں۔ پہلے کبھی کبھار تکلیف ہوتی تھی اور پھر Pain Killer لگوانا پڑتا تھا۔ اس وقت تین چھوٹی پتھریاں ہیں۔ کیا یہ دوائی دورانِ حمل استعمال کر سکتی ہوں؟ آپ کے جواب کی منتظر اور دعاگو۔

جواب:۔ دوران حمل پتے کی پتھری کے لیے دوا استعمال کی جاسکتی ہے۔ Carduus Marianus اور Ptk-23 Chelidonium-Ø کے 10،10 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ میٹھی اور چکنی چیزوں سے پرہیز کریں۔ 3 ماہ بعد U/s Upper Abdomen کی رپورٹ کے ساتھ دوبارہ اپنی کیفیت سے آگاہ کریں۔

حال بتائیں

عاشق علی...... مٹھی

سوال: میرا مسئلہ معدے کا ہے اور یہ تقریباً 4 سال سے ہے۔ میں نے اس کا کافی علاج کرایا ہے۔ کوئی ڈاکٹر کہتا تھا کہ گردے کا مسئلہ ہے اور کوئی کہتا تھا کہ فلاں چیز کا مسئلہ ہے لیکن اس کا کوئی مناسب علاج نہیں ہوا ہے۔ ہم بھی اس کے علاج کی کوشش کرتے رہے اور اب ایک ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آپ کو معدے کا السر ہے۔ اس ڈاکٹر نے الٹراساؤنڈ کیا تھا اور میں اس کے ساتھ رپورٹ نتھی کر رہا ہوں۔ برائے مہربانی میرا کوئی اچھا سا علاج تجویز کریں۔ میں ڈاکٹروں سے ناامید ہو چکا ہوں اور اب آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ آپ وہ دوائی تجویز کریں جس کے سائڈ افیکٹ نہ ہوں۔

جواب: عاشق علی آپ نے کہانی تو بیان کر دی لیکن اس میں اپنا حال نہیں بتایا کہ آپ کو ہوتا کیا ہے؟ لہٰذا اپنے حال کی تفصیل بیان کریں۔ الٹراساؤنڈ میں کوئی قابلِ ذکر بات نہیں۔ دوا آپ کے حال کے مطابق تجویز کی جائے گی اور قارئین بھی اس کو نوٹ کر لیں کہ اپنا حال بتایا کریں نہ کہ کہانیاں۔

اوور ویٹ

ارسلا رحمان...... لاہور

سوال: پچھلے 6 ماہ سے میرا وزن کافی بڑھ گیا ہے۔ پہلے مناسب تھا لیکن اب پیٹ، Hips اور بازو بہت موٹے ہو رہے ہیں۔ اس کے لیے کوئی اچھی سی دوائی تجویز کیجیے۔

جواب: وزن کی زیادتی کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ آپ Thyroid Profile, Serum Insulin& CBC Profile کرا کر رپوٹ بھیجیں۔ کم از کم ایک گھنٹے کی چہل قدمی کیا کریں۔ میٹھی اور چکنی چیزوں سے پرہیز کریں۔

ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل دوا استعمال کریں Phytolaca e baccis Q کے 7 قطرے ایک گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ رپوٹس کے ساتھ دوبارہ حال تفصیل سے بتائیں۔